اقبال اکادمی

اقبالؒ

ایرانیوں کی نظر میں

ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی

اقبال

ایرانیوں کی نظر میں

ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی

اقبال اکادمی ، کراچی

سلسلہ مطبوعات

پاکستان کراچی

بار اول .. .. .. اپریل ۱۹۵۷ع

تعداد .. .. .. دو ہزار

قیمت .. .. .. دس روپے آٹھ آنے

ناشر: اقبال اکادمی پاکستان - کراچی

طابع: انٹر سروسز پریس- جی پی او بکس ۴۴۲ کراچی

فہرست مضامین

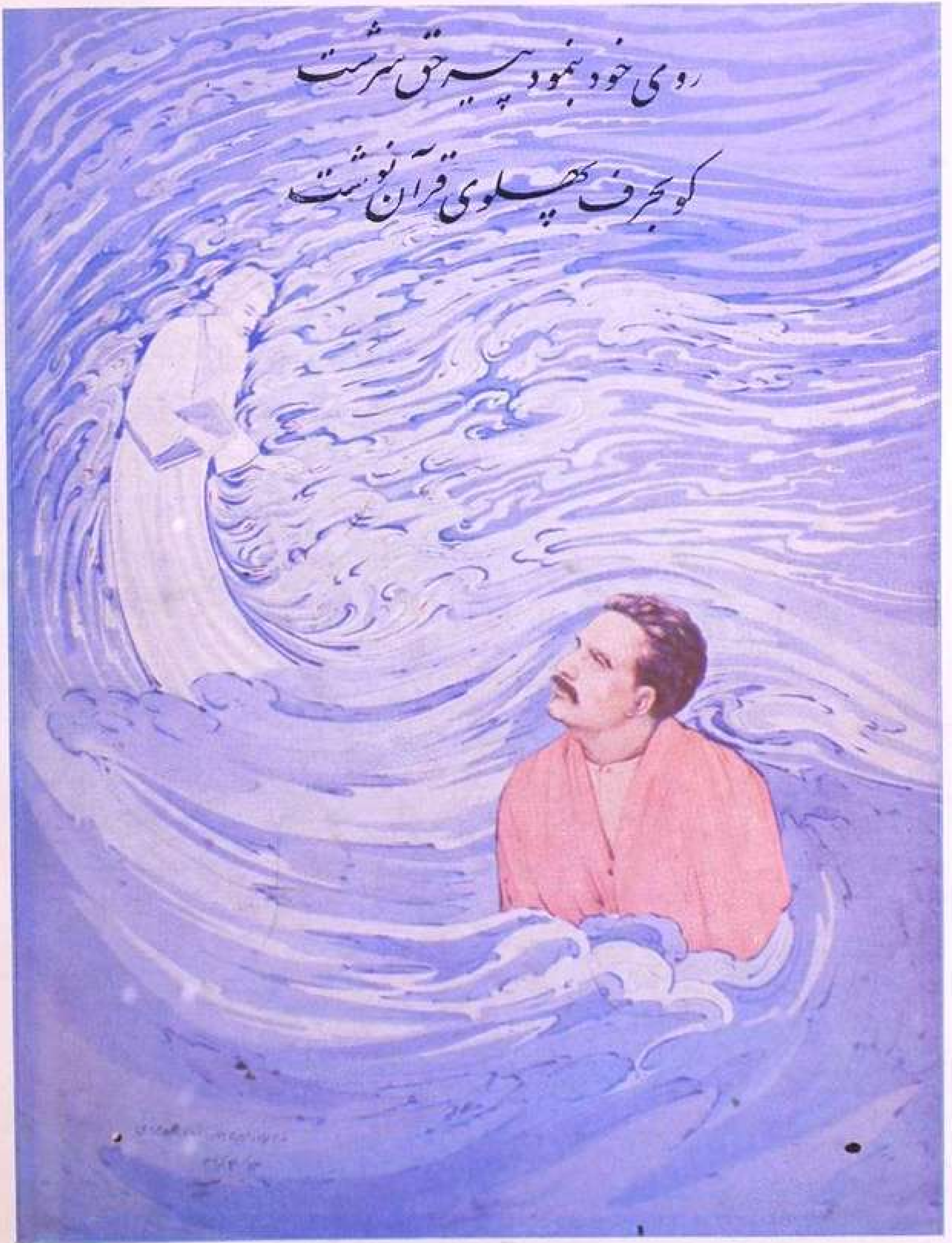
	تصاویر	بالعکس صفحہ

ممتاز حسن کے نام

یہ کتاب اقبال کے متعلق اہل ایران کے تاثرات کا مختصر مجموعہ اور میری ایران میں سات سالہ زندگی کی بہترین اور شیریں ترین یادگار ہے۔ میں اسکو ایک ایسے نام سے منسوب کرتا ہوں جسکے ذکر سے میری نگاہ میں اقبالیات کی فضا ایک رویا آفریں زیبائی میں محو ہوجاتی ہے اور اقبال کا تاثر اور سوز و گداز تجسم پیدا کرلیتا ہے۔ اجازت دیجئے کہ اس یادگار کو آپ کے نام نامی سے منسوب کروں۔

حمید عرفانی

رومی و اقبال



عمل استاد حسین بہزاد



تعارف

اس تعارف سے ہمارا مقصد کتاب کے موضوع اور صاحب کتاب سے قارئین کا تعارف ہے۔ کتاب کا عنوان اسکے موضوع پر روشنی ڈالتا ہے اور قارئین کی توجہ اسکی ظاہری صورت سے ہی اسکے مطالب کی طرف منعطف ہوتی ہے.

اس موضوع پر اردو زبان میں آج تک کوئی کتاب موجود نہیں تھی اور اسکا سبب یہ تھا کہ کوئی شخص پاکستان میں بیٹھ کر اس موضوع پر قلم نہیں اٹھا سکتا تھا. اسلئے ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم کتاب کے ساتھ صاحب کتاب کو بھی قارئین کے سامنے پیش کریں.

۱۹۴۷ع میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت پاکستان کے نام سے وجود میں آئی اور ایران سے صدیوں کے ٹوٹے ہوئے سیاسی اور تمدنی تعلقات از سر نو قائم ہوئے اور ۱۹۴۹ میں ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی پریس اور کلچرل اتاشی کی حیثیت سے ایران گئے. اگرچہ اس سے قبل بھی انگریزوں کی حکومت کے زمانہ میں حکومت ہند کیطرف سے کلچرل نمایندہ کے طور پر ایران میں رہ چکے تھے لیکن انکی موجودہ حیثیت نہ صرف جداگانہ تھی بلکہ پاکستانی ہونیکی حیثیت سے ممتاز بھی تھی. انہوں نے قیام پاکستان کے بعد ایران میں اپنے ہفت سالہ قیام کے دوران میں جس تن دھی اور جس خوبی سے کام کیا وہ انہیں کا حصہ ہے۔ ڈاکٹر عرفانی کی ایرانیوں میں بینظیر ہر دلعزیزی کا بیان میرے بس کی بات نہیں لیکن ۱۹۵۳ میں جب میں پاکستانی ثقافتی وفد کے ہمراہ کراچی یونیورسٹی کے نمایندہ کی حیثیت سے گیا

تو میں نے ایران کے ادبی حلقوں میں انکی بڑی قدر و منزلت دیکھی بالخصوص اونچے طبقہ کے لوگ بھی انکی وضعداری ، راست گفتاری، سخن سنجی اور معاملہ فہمی اور ایران دوستی کے معترف تھے. اس ضمن میں یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ مرحوم ملک الشعرا بہار عرفانی کو نہایت محبت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور انکی مندرجہ ذیل دو بیتی جو انہوں نے بیماری کی حالت میں اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے کہی ایران میں زبان زد عام و خاص ہے۔

دوش آمد پی عیادت من ملکی در لباس انسانی
گفتمش چیست نام پاک تو، گفت خواجہ عبدالحمید عرفانی

اسکے علاوہ استاد سعید نفیسی نے ارمغان پاک کے مقدمہ میں عرفانی کو ادبیات فارسی معاصر کے "ارکان" میں شمار کیا ہے۔ اپنے مقالات اور تحریرات میں استاد نفیسی، ڈاکٹر خطیبی، ڈاکٹر منوچہر اقبال، ڈاکٹر شفق، صادق سرمد، آقای حجازی، ڈاکٹر کاظمی اور دیگر ایرانی مشاہیر نے عرفانی کو جو خراج تحسین پیش کیا ہے، وہ اس مختصر تعارف کی حدود میں نہیں سما سکتا۔

اقبال کو ایران میں روشناس کرانے میں جو خدمت عرفانی نے انجام دی ہے اسکے متعلق ایران کے مشہور عالم اور ادیب ڈاکٹر رضا زادہ شفق کی نظم کا ایک بند پیش کرتا ہوں :

آنکہ اقدام مقبلان کردہ شعر اقبال را بیان کردہ
دفتر خویش از گل عرفان پاک محسود گلستان کردہ
مسلک عارفان ایران را بہر پیر و جوان عیان کردہ
شاعر دلنشین پاکستان پیش صاحبدلان نشان کردہ
گر بپرسی زنام او کہ چنین کار نیکی درین زمان کردہ
من نمی گویمت تو خود دانی خواجہ عبدالحمید عرفانی

اور خانم ڈاکٹر کاظمی "رومی عصر" کے مقدمہ میں فرماتی ہیں۔

تو زکشمیر و خاک پاکستان ارمغانی برای ایرانی

ڈاکٹر عرفانی کی متعدد منثور و منظوم تالیفات ایران میں مقبولیت حاصل کرچکی ہیں۔ جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔

۱— رومی عصر یا شرح احوال و آثار اقبال

۲— شرح احوال و آثار ملک الشعرا بہار

۳— ایران صغیر یا تاریخ شعراء پارسی گوی کشمیر

۴— فارسی امروز

۵— حدیث عشق و رباعیات عرفانی

لیکن "رومی عصر"، جسمیں اقبال کے کلام و پیام کو پیش کیا گیا ہے ابتک کئی بار چھپ چکی ہے اور اس کتاب کی مقبولیت ایران میں اقبال کی مقبولیت کو ظاہر کرتی ہے۔

عرفانی صاحب کو میں بچپن سے جانتاہوں۔ ہم ایک جگہہ رہے ساتھ کھیلے ہیں ساتھ ہی پڑھا ہے اور اپنی زندگی کے ابتدائی قیمتی لمحات ساتھ گذارے ہیں۔ ۱۹۲۳ میں عرفانی علامہ اقبال کی اسرار و رموز چکوال ھائی سکول کے بزم اقبال کے جلسوں میں اپنی مخصوص لے میں ہمیں سنایا کرتے تھے۔

اسکے بعد جنوری ۱۹۳۰ میں جب میں علی گڑہ میں زیر تعلیم تھا وہ لاھور سے محض مجھ سے ملنے کیلئے آئے۔ اسکے بعد میری ملاقات انسے تہران میں ۱۹۵۳ میں ہوئی جسکا ذکر کر چکا ہوں:

یہاں اس بات کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں کہ اقبال سے عشق بچپن ہی سے ہمارے درمیان مشترک تھا اور عرفانی کی طرح عشق اقبال میری ذہنی کیفیات کا بھی ہمیشہ سے ایک حصہ رہا ہے۔

۱۹۳۲ میں جب میں پہلی مرتبہ ایران گیا تو میں اپنے ہمراہ علامہ اقبال کی چند کتابیں لے گیا اور "جاوید نامہ" کا ایک نسخہ میں نے سید محیط طباطبائی کی خدمت میں پیش کیا اور اسی طرح چند کتابیں بعض دیگر ایرانی ادبا تک پہنچائیں۔ اسی سفر کے دوران میں مجھے معلوم ہوا کہ بعض ادبا اقبال کے نام سے آشنا ہو چکے ہیں۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ "شکوہ" اقبال کے ابتدائی اشعار کا ترجمہ "بدرگاہ پروردگار" کے عنوان سے رسالہ "ندای قدس" ۱۹۲۶ کے تیسرے نمبر میں صفحہ ۲۱۹ پر شایع ہو چکا ہے۔

لیکن جیسا کہ ظاہر ہے اقبال کے کلام سے بہت ہی کم لوگ آشنا تھے۔ اور جیسا کہ ڈاکٹر عرفانی نے اپنے مقدمہ میں بیان کیا ہے اسمیں ایرانیوں کا کوئی قصور نہیں۔ قیام پاکستان سے پہلے اقبال کا کلام نہایت ہی کم اور محدود مقدار میں ایران تک پہنچا تھا مگر اب جبکہ حالات مساعد ہوئے تو نہایت تھوڑے عرصہ میں ایران کے طول و عرض میں اقبال کا کلام ہردلعزیزی حاصل کر چکا ہے اور یہ نہایت ضروری تھا کہ ابتدائی چند سالوں میں ایرانیوں کے تاثرات کو ضبط اور ثبت کر لیا جائے۔ یہ کام میرے دیرینہ دوست نے نہایت خوبی سے انجام دیا ہے۔ ہمیں نہایت خوشی ہے کہ عرفانی صاحب نے علامہ اقبال کے متعلق ایرانی ادبا اور فضلا کے خیالات کو اردو زبان میں ڈھال کر ہم تک پہنچایا ہے البتہ اس سلسلہ میں یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایران میں طویل قیام کی بنا پر فارسی زبان عرفانی کے

رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی ہے وہ فارسی بولتے اور لکھتے تو ہیں ہی لیکن وہ جب کبھی اردو بولنے یا لکھنے کی کوشش کرتے تو بھی اسمیں فارسی کا اثر نمایاں ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمارے دعوے کا ثبوت فارسی مقالوں اور تقریروں کے ترجموں میں ملیگا جو انہوں نے اس کتاب میں پیش کئے ہیں۔

کتاب کی معنوی خوبی کا اندازہ صرف مطالعہ کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ اور اسکے متعلق کوئی اظہار نظر کئے بغیر اسباب کا فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

غلام سرور

(ڈاکٹر غلام سرور۔ ایم اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی، علیگ،

صدر شعبہ فارسی کراچی یونیورسٹی)

۲۰ مارچ ۱۹۵۷ع



ملک الشعرا بہار، اور مولف

مقدمہ

عصر حاضر خاصۂ اقبال گشت واحدی کز صد ہزاران بر گذشت
شاعران گشتند جیشی تارومار وین مبارز کرد کار صد سوار
ہیکلی گشت از سخنگوئی بپا گفت " کل الصید فی جوف الفرا "

ترجمہ :

"موجودہ زمانہ خاص طور پر اقبال کا زمانہ ہے
اقبال تنہا لاکھوں سے بازی لیگیا

شاعر ایک پامال شدہ فوج کی مانند تھے
مگر اس جنگجو نے سینکڑوں سواروں کا کام کیا

شاعری ایک ہیکل (مجسمہ) کی صورت میں نمودار ہوئی
اور بولی " شاعری کی تمام انواع و اقسام مجھ میں موجود ہیں۔"

ایران معاصر کی ادبی تاریخ کی سب سے بڑی شخصیت ملک الشعراء بہار نے تقریباً گیارہ سال گزرے ان الفاظ میں اقبال کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔

سنہ ۱۹۴۴ میں طہران میں انجمن فرہنگی ایران و ہند کا افتتاح ہوا جسمیں مرحوم ملک الشعراء بہار نے ایک نظم "خطاب بہ ہند"

کے عنوان سے پڑھی۔ مندرجہ بالا تین شعر اسی معروف نظم سے نقل کئے گئے ھیں۔ جن دنوں یہ نظم ایران میں پڑھی گئی اور وھاں کے اخبارات میں چھپی بہت کم ایرانی اقبال کو پہچانتے تھے۔ اس لئے اکثر پڑھنے یا سننے والوں نے ان اشعار کو ایرانی تکلف یا شاعرانہ مبالغہ سمجھا اور زیادہ توجہ نہ دی۔ اسکے چھ سال بعد، یعنی اپریل ۱۹۵۰ع میں یوم اقبال کے موقع پر اپنی صدارتی تقریر میں بہار نے ان اشعار کو دھرایا اور اضافہ کیا "میں اقبال کو ایران کی نو سو سالہ ادبی تاریخ کا خلاصہ سمجھتا ھوں۔......." اور آج اس واقعہ کے چھ سال بعد (۱۹۵۶) میں وثوق سے کہہ سکتا ھوں کہ ایران میں جتنی قدرو منزلت اقبال کی ھوئی ھے اس کی مثال تاریخ میں کم ملتی ھے۔ مگر ابھی تک اقبال کے بہت سے ھم وطن اقبال کی روز افزوں ھر دل‌عزیزی سے بیخبر ھیں یا پورے طور پر باخبر نہیں۔

یہ بات کہ اقبال کی زندگی میں بہت کم ایرانی اقبال کو پہچانتے تھے، بالکل صحیح ھے۔ اور اسکا سبب بھی بالکل واضح ھے. مدتوں سے ایران و ھندوستان کے درمیان معنوی اور فرھنگی روابط منقطع ھو چکے تھے۔ اور باوجود اس گہری دلچسپی کے جو ھندوستان میں ایرانی ادبیات سے متعلق صدیوں سے موجود تھی یہاں بھی نہایت کم لوگ ایران کے معاصر شعرا سے آشنا تھے۔ اور یہ قلیل آشنائی بھی فارسی پڑھانیوالے استادوں اور فارسی پڑھنے والے طالب علموں تک محدود تھی۔ ادھر ایرانیوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ معاصر ھندوستان کے فارسی گو شعرا میں غیر معمولی یا معمولی دلچسپی کا اظہار کریں۔ باوجود ادبی انحطاط کے گذشتہ ۵۰ سال کے عرصہ میں بھی ایران میں متوسط اور

معمولی شاعروں کی کمی نہ تھی اور چند ایک نسبتاً بڑے شاعر بھی ہر وقت موجود تھے۔ اس لئے اگر دیگر حالات مساعد بھی ہوتے تو بھی ایرانیوں کو ایران سے باہر فارسی گو شعرا کی جستجو کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس کے علاوہ وہ اپنی داخلی کشمکش میں اتنے مشغول تھے کہ ایران سے باہر کے معاملات میں دلچسپی لینا ان کے لئے نا ممکن تھا۔

بیسویں صدی کے آغاز سے ایران گوناگوں مسائل سے رو برو تھا۔ تحریک مشروطہ اور لوگوں کی استبداد کے خلاف جنگ نے تمام ملک میں ایک نئی زندگی کی لہر دوڑا دی تھی۔ روس اور برطانیہ کی سیاسی شطرنج بازی نے حالات کو اور بھی پیچیدہ اور مشکل بنا دیا تھا۔ اس ماحول کا قدرتی طور پر معاصر ادبیات پر گہرا اثر پڑا۔ قوم کی تمام تر توجہ سیاسی اور معاشرتی موضوعات پر تھی۔ نئی نثر، نئی نظم اور نئی ادبی قدریں وجود میں آئیں اور اسی تحول کے زمانے میں کلاسک طرز کی نثر و نظم ایک حد تک طاق نسیاں ہو گئی اور معدودے چند علمی اور ادبی کام کرنے والوں کے علاوہ کسی کو انکا مطالعہ کرنے کی نہ فرصت تھی نہ حوصلہ۔

ان حالات میں اقبال کے کلام کا ایران میں ہر دل عزیزی حاصل کرنا ایک محال امر تھا۔ لیکن ہند و پاکستان کے لوگ جب یہ سنتے تھے کہ اقبال کو ایران میں کوئی نہیں جانتا تو عموماً یہ نتیجہ نکالتے تھے کہ اقبال کا کلام ایرانیوں کے ادبی اور معنوی معیار پر پورا نہیں اترتا۔ اس بات کی طرف توجہ نہیں دی جاتی کہ آیا اقبال کا کلام باندازۂ کافی ایرانیوں تک پہنچا بھی ہے یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ آیا خود ایرانیوں کو جو جنگ مشروطہ اور دیگر بے شمار داخلی اور خارجی سیاسی اقتصادی مسائل

سے دوچار رہے ہیں اتنی فرصت ملتی ہے کہ وہ اقبال کی کتابوں کا سکون اور توجہ سے مطالعہ کر سکیں ؟

جیسا کہ اب ہمیں معلوم ہے، پہلے پہل اقبال کی جستہ و گریختہ کچھ نظمیں بعض افغانستان کے رسالوں کے ذریعے سے ایران میں پہنچیں۔ اور بعض ایرانی رسالوں نے انمیں سے ایک آدھ نظم نقل بھی کی۔ مجھے ڈاکٹر خانلری، پروفیسر تہران یونیورسٹی، نے ایک قدیم نسخہ مجلہ' سخن کا دکھایا جسمیں اقبال کی ایک نظم درج تھی جو کابل کے ایک رسالے سے نقل کی گئی تھی اور غلطی سے اقبال کو افغانستان کا شاعر تصور کیا گیا تھا۔ اس سے اتنی بات تو ظاہر ہے کہ اقبال کا جو کلام بھی ایران میں پہنچا اس کو ادبی رسالوں نے اشاعت کے قابل سمجھا۔ اگرچہ اقبال کو ایران میں شہرت حاصل نہ تھی پھر بھی چند ایک عالی پایہ ادیب اور دانشمند اس کے کلام سے گہرے طور پر متاثر ہو چکے تھے۔ ان چند ایک میں سے دو کے ساتھ مجھے ملاقات اور مصاحبت کا موقع ملا ہے۔ انکے نام یہ ہیں، استاد سعید نفیسی اور سید محیط طبا طبائی۔

مرحوم اقبال کی ان ہر دو اصحاب سے خط و کتابت تھی اور یہ دونو صاحبان اقبال کے مداح اور قدردان تھے۔ ان کے علاوہ چند اور لوگ بھی اقبال کے نام سے یا تھوڑا بہت اس کے کلام سے آشنا تھے مگر سب سے پہلے جن اشخاص نے اقبال کے کلام میں دلچسپی کا اظہار کیا اور اسے سراہا اور دوسرے ایرانیوں کے سامنے اسکی تعریف کی، سید محیط طبا طبائی اور سعید نفیسی ہیں۔

یہاں اس غلط فہمی کا ذکر کر دینا مناسب ہوگا جو چند سال

قبل پروفیسر پور داؤد کے بیانات کی بنا پر ہندوستان اور ایران کے ادبی اور سیاسی حلقوں میں پھیل گئی اور جسکو دور کرنیکی اب تک کوشش نہیں کی گئی۔

سنہ ۱۹۴۳ ع میں ایران سے ایک کلچرل مشن ہندوستان آیا تا کہ ان دو ہمسایہ ملکوں کے درمیان سالہا سال کی جدائی کے بعد دوبارہ علمی اور ادبی تعلقات کو وسعت دے۔اس مشن نے ہندوستان کے مختلف مقامات کا دورہ کیا۔ دھلی اور علی گڑھ میں قیام کے دوران میں کسی اخباری نمایندے نے پروفیسر پور داؤد سے سوال کیا کہ آپ کی اقبال کے متعلق کیا رائے ھے۔ بجائے اس کے کہ پروفیسر صاحب اس سوال کا صاف اور صحیح جواب دیتے (کہ میں نے اقبال کا بالکل مطالعہ نہیں کیا اسلئے اسکے متعلق کوئی رائے نہیں دے سکتا) آپ نے کہہ دیا کہ اقبال ایک محلی اور محدود علاقے کا شاعر ھے اور ایران میں اسے کوئی نہیں جانتا۔ انکے اس بیان سے ہندوستانیوں کے بالعموم اور ہندوستان کے مسلمانوں کے احساسات کو بالخصوص صدمہ پہنچا۔ یہی نہیں بلکہ اقبال کے چند ایک ایرانی مداح بھی پور داؤد کے اس بیان سے رنجیدہ خاطر ہوئے۔

مجلہ "محیط" اردیبہشت ۱۳۲۳ (۱۹۴۴)، نے اس واقعہ کا نہایت افسوس کے ساتھ یوں ذکر کیا ھے "کسی اخبار کے نامہ نگار نے مشن کے ایک رکن سے (جنکا بیشتر ادبیات ایران قبل از اسلام سے تعلق ھے یا فقط اوستا کی تعلیمات سے عشق رہا ھے اور اس سبب سے انکے دماغ میں ادبیات بعد از اسلام کا مطالعہ کرنیکے لئے جگہ باقی نہیں رہی) اقبال کے ادبی مقام کے متعلق بات شروع کی .... اور باوجود سفیر کبیر ایران آقای علی معتمدی کے سمجھانے کے، ٹیگور اور اقبال کا مقابلہ

کرتے ہوئے اس نے ایک بڑی ناروا بات کہی - اس واقعہ کا عام مسلمانوں میں سخت عکس العمل ظاہر ہوا - اور بعض جرائد نے اسکی شدت سے تنقید کی .... اگرچہ اس ناخوشگوار واقعہ کی تلافی کے لئے مشن لاہور گیا اور اقبال کے مزار پر ملت ایران کی طرف سے پھول چڑھائے...... اعضائے هیئت ایران واپس آنے پر بھی اس واقعہ پر افسوس کرتے تھے...،،*

---

* پورا اقتباس یہ ہے:—

سال گذشته روزی که هیئت فرهنگی اعزامی ایران به هندوستان برای باز دید دانشگاه دهلی رفته بودند ، مخبر یکی از روزنامه های هندوستان با یکی از اعضاء هیئت که بواسطهٔ توغل در ادبیات ایران قبل از اسلام و انس کامل با تعلیمات اوستائی برای مطالعه در آثار فارسی دری بعد از اسلام در فراخنای حوصله مشار الیه جای خالی نه مانده است ، راجع به مقام ادبی اقبال داخل مذاکره شد و باوجودیکه آقای علی معتمدی (سفیر کبیر ایران در هند) بایشان خاطر نشان ساخت که در موقع گفتگو راجع به اقبال در سخن ادب را کاملا نگه دارد - باز هنگام مقایسه بین اقبال و تاگور حکمی ناروا کرد و مخبر روزنامه هم مصاحبه خویش را عیناً انتشار داد و این پیش آمد در افکار عمومی مسلمانان هند عکس‌العمل عجیبی تولید کرد تا جائی که در برخی از جراید هندوستان عمل دولت هند را در دعوت چنین هیئتی با فقر مادی و مضیقه دورهٔ جنگ انتقاد سخت نمودند - باوجودیکه هیئت برای جبران این موضوع به لاهور رفت و آرام‌گاه ابدی اقبال را زیارت رسمی کرد و دسته گل بنام ملت ایران نثار نمود ، باز خاطره تلخ روز پذیرائی دانشگاه دهلی موجب زحمت روحی و فکری اعضای هیئت تا هنگام مراجعت بایران بود -

پور داؤد ، تہران یونیورسٹی میں قدیم آریائی زبانوں اور اوستا و پہلوی کے استاد ہیں اور انہوں نے نہ صرف اقبال کا مطالعہ نہیں کیا بلکہ اغلب ادبیات فارسی بعد از اسلام انکی حدود مطالعہ سے باہر رہی ہیں - بہر حال اقبال سے نا آشنائی اور بے اطلاعی ایرانیوں کا قصور نہیں - اسکی اصلی وجہ ہندوستان و ایران کے درمیان دو سو سال تک کا قطع ارتباط ہے۔

اس بات کو بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ اقبال کی زبان اور طرز بیان قدما و متوسطین اور متاخرین شعر کلاسک فارسی کے مطالعہ کا نتیجہ ہے - اگر اسکا سٹائل بہار ، ایرج ، عارف ، شہریار یا سرمد وغیرہ سے مختلف ہے تو یہ ایک طبعی امر ہے - دیکھنا یہ ہے کہ جو الفاظ یا اصطلاحات یا محاورات اقبال نے استعمال کئے ہیں وہ فارسی کے بڑے بڑے کلاسک شعرا کے ہاں موجود ہیں یا نہیں - اس کا بیسویں صدی کے شعرا سے مقابلہ کرنا بے انصافی ہے اور اقبال کو قدرتی طور پر اس بے انصافی کا شکار بھی ہونا پڑا - معدودے چند اقبال کو جاننے والوں میں سے بھی بعض اقبال کے فلسفیانہ اور حکیمانہ خیالات اور اسکے کلاسک طرز بیان سے صحیح طور پر لطف اندوز نہیں ہوتے تھے - اور اسکے علاوہ وہ اقبال کی ذہنی بیک گراؤنڈ (پس منظر) سے بھی ناواقف تھے - اس لئے چند ایک شعر ادھر ادھر سے پڑھکر اسکے کلام کو ترک کر دیتے تھے - اس ضمن میں ذیل کا واقعہ دلچسپی کا موجب ہوگا۔

۱۹۳۳ ع میں افغانستان کے مشہور ادیب اور شاعر، آقای سرور گویا، فردوسی کی ہزار سالہ برسی کے جشن میں شرکت کے لئے تہران گئے - اقبال کو بھی غالباً شرکت کی دعوت دی گئی تھی مگر وہ بیماری کی وجہ سے نہ جا سکے - سرور گویا اقبال کے دوستوں اور مداحوں میں سے ہیں - ایک

دوستانہ سی مجلس میں جہاں چند ایک ایرانی ادیب اور شاعر موجود تھے۔ سرور گویا نے ادبا وغیرہ سے خطاب کرتے ہوئے اقبال کے متعلق سوال کیا مگر یہ سنکر کہ ایران میں اقبال کی طرف توجہ نہیں ہوئی انہیں صدمہ ہوا۔ آقای محیط طبا طبائی نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے:-۱۳۱۳ ھ ش (۱۹۳۳) فردوسی کے ہزارہ میں شرکت کے لئے مختلف ملکوں کے نمائندے تہران میں موجود تھے۔ آقای فلسفی (پروفیسر تہران یونیورسٹی) نے میرا (محیط طبا طبائی کا) افغانستان کے نمائندے سرور گویا سے تعارف کرایا ....حاضرین میں شعر و ادب کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ ضمناً ہندوستان میں فارسی شاعری کا ذکر آیا۔ آقای گویا نے پوچھا کہ اقبال کے کلام کو ایران میں کس قدر شہرت حاصل ہے..........

مجلس کے ایک اہم رکن نے کہا کہ میں نے اس کے کلام کا ایک مجموعہ دیکھا ہے جو اچھے نستعلیق خط میں چھپا ہوا تھا۔ کچھ میں نے اسمیں سے پڑھا بھی ہے۔ لیکن اس شاعر کو ایران میں کوئی شہرت حاصل نہیں اور اسکا کلام پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا گیا۔[1]

افغانی ادیب اس جواب کو سنکر سخت افسردہ خاطر ہوا اور گفتگو سے علیحدگی اختیار کر کے ایک طرف چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔

---

(۱) یہ "برجستہ" رکن جنکا نام محیط نے نہیں لیا غالباً ملک‌الشعرا بہار ہونگے کیونکہ انہوں نے اقبال سے اپنی ابتدائی آشنائی کے متعلق جب ذکر کیا تو قریباً یہی کہا تھا کہ میں نے اول اول اقبال کو قابل اعتنا نہیں سمجھا۔

میں نے خاموشی سے یہ سب باتیں سنی تھیں - اور مجھے اس واقعہ سے سخت رنج پہنچا - میں فوراً سرور خان کے پاس آیا اور اس سے اقبال کے چار فارسی دیوانوں کے متعلق جو میں اسوقت تک پڑھ چکا تھا، گفتگو شروع کردی اور کہا کہ مجھے افسوس ہے کہ جاوید نامہ ابھی تک مجھ تک نہیں پہنچا - میں نے گفتگو میں یہ بھی کہا کہ یہ صحیح ہے کہ اقبال کا اسٹائل آجکل کے فارسی شعرا سے کچھ مختلف ہے لیکن ابھی تک یہ طرز ایران کے مشرقی علاقوں میں رائج ہے - اور پسند کی جاتی ہے - اس گفتگو کا یہ اثر ہوا کہ افغانی شاعر کے حساس دل میں خوشی عود کر آئی - اور بالاخر جب وہ اس مجلس سے روانہ ہوا تو خوش و خرم تھا - مگر اپنے دل میں ضرور سوچتا ہوگا، یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اول درجہ کے فارسی گو شاعر بھی ایک دوسرے سے اسقدر بے خبر ہوں — ۱

پس ظاہر ہے کہ دس پندرہ سال قبل ایران میں اقبال کو بہت کم لوگ پہچانتے تھے - مگر چند ایک جنھوں نے اس کے کلام کا بغور مطالعہ کیا اسکی عظمت سے متاثر تھے - جیسا کہ سید محیط طبا طبائی کے بیان سے واضح ہے -

تقریباً انھیں دنوں ایران کے مشہور ادیب پروفیسر سعید نفیسی نے بھی اقبال کو چند خطوط لکھے جن میں اسکے کلام کی تعریف کی - سعید نفیسی کے خطوط اس وقت ہماری دسترس میں نہیں لیکن اقبال کے دو خطوں سے جو انھوں نے جواب میں لکھے، نفیسی کے خطوں کا مضمون واضح ہو جاتا ہے - یہاں اسبات کا ذکر بھی لازم ہے کہ اقبال کی تصنیفات

---

(۱) مجلہ محیط اردی بہشت ۱۳۲۲ - (۱۹۴۳)

کو عام ایرانیوں تک پہنچانیکا کوئی باقاعدہ ذریعہ نہ تھا۔ یہی ہوتا تھا کہ کوئی دلچسپی رکھنے والا ادیب ہندوستان یا افغانستان سے ہدیہ کے طور پر کوئی کتاب کسی ایرانی دوست کو بھجوا دے۔ مثال کے طور پر محیط طبا طبائی اس تمام اشتیاق اور عقیدت کے باوجود جو انکو اقبال کے کلام سے تھی تاریخ اشاعت کے دو سال بعد تک جاوید نامہ حاصل نہ کر سکے اور بعد میں سرور گویا نے اقبال کو لکھا اور اقبال نے سرور گویا کی معرفت یہ کتاب محیط طبا طبائی کو بھجوائی. مختصر یہ کہ ایرانیوں کی اقبال سے ناآشنائی کا ایک ہی سبب تھا اور وہ دو سو سال کا ادبی اور علمی بعد تھا۔

اگست ۱۹۴۱ میں اتحادیوں کی فوجیں شمال اور جنوب سے ایران میں داخل ہوگئیں۔ انگریزی فوجوں میں کئی ایک ایسے ہندی مسلمان بھی تھے جنکو فوجی امور کے علاوہ فارسی ادبیات سے لگاؤ تھا۔ بعض سیاسی مقاصد کے حصول کے پیش نظر دولت برطانیہ کی کوشش تھی کہ ایران اور ہندوستان کے درمیان ثقافتی تعلقات کی تجدید کی جائے۔ اس مقصد کے لئے ۱۹۴۳ میں انجمن فرہنگی ایران و ہند کی بنیاد رکھی گئی۔ اس انجمن کے افتتاحی جلسے میں بہار نے اپنی تاریخی نظم ''خطاب بھند،، پڑھی جس میں ہندوستان کے عصر حاضر کو عصر اقبال کے نام سے یاد کیا۔ بہار اقبال کے کلام سے ذرا دیر سے آشنا ہوئے مگر اس کے بعد انہوں نے اقبال کے دامن کو نہیں چھوڑا۔ بہار کی اقبال سے آشنائی اور محبت اقبال کی ایران میں محبوبیت اور ہر دلعزیزی کی داستان میں اہم ترین واقعہ ہے۔ اور مرحوم ملک الشعراء نے مجھ سے مختلف صحبتوں میں اقبال کا، اسکے کلام کا اور اپنی محبت اور عقیدت کا ذکر کیا ہے۔ میں ان باتوں کا ایران کی

ادبی محافل اور بعض مقالات کے دوران میں بار بار ذکر کر چکا ہوں لیکن ان بظاہر مختصر نظریات کو کسی کتاب یا رسالہ میں اب تک درج نہیں کیا گیا ۔ لہذا بعض متعلقہ باتوں کو ثبت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں ۔

ایک دن میں نے بہار سے کہا کہ بعض ایرانی ادبا اقبال کے کلام پر اعتراض کرتے ھیں کہ بعض مقامات پر اسکا طرز بیان غیر مانوس اور ثقیل ھے اور بعض ترکیبات و الفاظ کو غیر صحیح سمجھتے ھیں ۔ بہار یہ سنکر مسکرائے اور کہنے لگے کہ اقبال ، رومی ، حافظ ، سعدی ، یا ہر بڑے شاعر کے کلام کو سمجھنے اور اس سے لطف اٹھانیکے لئے اپنے پاس بھی کچھ فکری ، معنوی اور تاریخی ذخیرہ ہونا چاھئے ۔ یہ جوان ادیب او، شاعر اپنی محدود نگاہ اور مخصوص ذوق اور سلیقے کے ذریعے اقبال کی جامع شخصیت اور وسیع مطالعات کا جائزہ نہیں لے سکتے ۔ اسکے علاوہ اقبال نے بعض ایسے مطالب اور نکتے اور نظریات بیان کئے ھیں جو اس سے پہلے فارسی زبان میں نہیں پائے جاتے ۔ اس لئے اقبال کا کلام کم مطالعہ اور نیم خواندہ لوگوں کو نامانوس ھی نہیں بلکہ غیر قابل فہم معلوم دیتا ھوگا ۔ پھر مسکرا کر کہا کہ نہ صرف اقبال کا کلام بلکہ سنائی، عطار، رومی، فرخی، خاقانی. . . . سب کا کلام ان کے لئے غیر مانوس اور ثقیل ھے ۔ اور کہا میں نے اقبال کا سارا کلام پڑھا ھے لیکن مجھے کہیں کوئی غلطی نظر نہیں آئی ۔ میں نے مثال کے طور پر کہا کہ اقبال کی آخری رباعی* میں

---

* اشارہ ھے اس رباعی کی طرف

سرور رفتہ باز آید کہ ناید — نسیمی از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگار این فقیری — دگر دانای راز آید کہ ناید

کہتے ہیں کہ ,,این فقیری،، کی ترکیب غلط ہے - ,,این فقیر،، ہونا چاہئے - یا فقیری کو اسم معنی (Abstract noun) سمجھنا چاہئے - کہنے لگے کہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ یہ ترکیب استادوں کے ہاں استعمال ہوتی رہی ہے - اور مثنوی سے شعر بھی پڑھکر سنائے جہاں حرف اشارہ کے بعد اسم با یائے نکرہ استعمال کیا گیا ہے -

بہار نے اضافہ کیا ، ایک وجہ اقبال سے دیر آشنائی کی یہ بھی ہے کہ ہم ایرانی اپنی ادبی روایات اور افتخارات میں متعصب واقع ہوئے ہیں - اور اگر کسی بڑے سے بڑے غیر ملکی شاعر کا ذکر آئے تو ہم بغیر کنجکاوی و مطالعہ کے فوراً اسکی تنقید میں کچھ کہدیں گے - مخصوصاً اگر اس شاعر کو ہمارے اپنے شعرا کے مقابل میں پیش کیا جائے - کیونکہ ہم تصور نہیں کرسکتے کہ سعدی، فردوسی، نظامی، حافظ، مولوی اور ایسے دیگر شعرا کے مقابلہ کا کوئی شاعر پیدا ہو سکتا ہے - بہار نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ چند سال ہوئے میں نے اقبال کا نام سنا - کسی نے ایسے ہی ذکر کیا کہ ہندوستان کا شاعر ہے جو فارسی میں شعر کہتا ہے میں نے اس کے کچھ شعر پڑھے بھی لیکن چونکہ میں ذہنی طور پر تیار نہ تھا میں نے کوئی خاص توجہ نہ دی - کیونکہ ہندوستان میں بیشمار فارسی گو شاعر پیدا ہوئے ہیں اور اب قریباً دو سو سال سے فارسی زبان وہاں تقریباً ختم ہو چکی ہے - میرا خیال تھا کہ ہوگا کوئی شاعر جو روایاتی ہندی طرز کی شاعری کا پیرو ہوگا - بہر حال میں نے اقبال کو کوئی خاص اہمیت نہ دی مگر جب حالات ذرا مساعد ہوئے اور کچھ ذہنی کشمکش سے نجات حاصل ہوئی تو میں نے اقبال کے کلام کا غور اور توجہ سے مطالعہ کیا - مجھے کچھ ایسا معلوم ہوا جیسے میں اپنی ملی ادبیات کو

آئینہ میں دیکھ رہا ہوں۔ پہلے میں نے پیام مشرق کا مطالعہ کیا اور شاعر کی وسعت مطالعہ اور اسکی غیر معمولی قدرت بیان کا مجھ پر گہرا اثر پڑا ۔ پھر میں نے مثنوی کا مطالعہ کیا اور یہ بات مجھ پر روشن ہوگئی کہ مولانا جلال الدین بلخی کے بعد بہت کم کسی کو ایسی مثنوی لکھنے کی سعادت میسر ہوئی ہے۔ مطالب وہی ہیں مگر طرز بیان میں جدت ، ایجاز و اختصار اور شگفتگی ہے۔ چند سال گزرے انجمن فرہنگی ایران و ہند وجود میں آئی اور مجھ سے نظم لکھنے کو کہا گیا۔ اور میں نے ''خطاب بھند'' لکھی اور اسکی بحر یعنی بحر مثنوی اس لئے انتخاب کی تاکہ اقبال کے بعض اشعار پر تضمین کر سکوں اور بعض جگہ تو میں نے اقبال ہی کے رنگ کو دھرایا ہے ۔ بہار نے چند شعر اپنے الفاظ کی تائید میں پڑھے ۔ اور اقبال کے اس شعر کو:۔

زندگی جہد است و استحقاق نیست   جز بعلم انفس و آفاق نیست

کئی بار پڑھا اور اقبال کی مغفرت کے لئے دعا کی۔

بہار کے ساتھ اکثر ملاقاتوں میں اقبال کا ذکر رہتا ۔ اور وہ ہمیشہ اس بات کا افسوس کرتے کہ ہم ایک ہی زمانے میں تھے اور آپس میں ملاقات نہ کر سکے اور اقبال کو ایران سے اتنی گہری دلچسپی ہونیکے باوجود اس ملک میں آنے کا موقع نہ ملا۔

بہار کو اقبال سے کچھ ایسی عقیدت ہو گئی تھی کہ وہ اپنے ملنے والوں سے بھی اکثر اسکا ذکر کرتے اور مجھسے کہتے کہ اقبال کے کلام کو ایرانیوں تک پہنچانا تمہارا فرض ہے ۔ اقبال کی تصنیفات کے چند ایک سیٹ چند ایک رسمی لوگوں میں تقسیم کر دینا کافی نہیں۔

دلیل آفتاب خود آفتاب ہوتا ہے ، تمہارا کام فقط یہ ہے کہ تم اقبال کو لوگوں سے متعارف کرا دو۔ سفارت پاکستان اتنا ہی کام کر سکے تو کافی ہے۔

بہار دن بدن ضعیف اور کمزور ہوتے جاتے تھے۔ سوئٹزر لینڈ کے ڈاکٹروں نے غیر قابل علاج قرار دے دیا تھا مگر باوجود کمزوری اور زندگی سے ناامیدی کے بہار اپنے علمی ادبی کاموں میں مصروف تھے اور علاوہ دیگر کتب کے سبک شناسی (حصہ نظم) کی تدوین میں مشغول تھے۔ اس کتاب کا ذکر اکثر کرتے اور کہتے خدا کرے میں یہ کام پورا کر لوں۔ اور کئی بار اس ضمن میں کہا کہ سبک شناسی حصہ نظم میں اقبال پر جداگانہ فصل ''سبک اقبال'' کے عنوان سے لکھوں گا کیونکہ اقبال نے اگرچہ ایران کی مختلف طرزوں کے شعرا سے استفادہ حاصل کیا ہے اس نے کسی ایک سبک (اسٹایل) کی پیروی نہیں کی بلکہ مختلف (اسٹایل) طرز بیان اور طرز فکر اسکے اسٹایل میں جمع ہوگئے ہیں اور یہ نئی طرز وجود میں آئی ہے۔ بہار اسبات پر اظہار تعجب کرتے کہ سب سے کم اثر اقبال کے کلام میں ہندی طرز شعر کا ہے:—

بہار خصوصاً اقبال کی مبارزہ طلبی کو بہت پسند کرتے تھے۔ ایک دن میں نے انکو یہ دو شعر سنائے—

لالۂ این چمن آلودۂ رنگ است ہنوز
سپر از دست میند از کہ جنگ است ہنوز
ای کہ آسودہ نشینی لب ساحل، بر خیز
کہ ترا کار بگرداب و نہنگ است ہنوز

بہار کہنے لگے ہماری شاعری کی یہی آہنگ ہونی چاہئے۔ مگر ہمارے ہاں فرار، گریز اور مستی، خود فراموشی، عیش و عشرت بے دوام کی طرف زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ پھر کچھ رک کر کہا۔ کئی سال ہوئے میں نے ایک قصیدہ لکھا جسکی تشبیب روایاتی طرز بیان سے مطالب کے لحاظ سے مختلف تھی اور چونکہ اس کو اقبال کے ان اشعار سے ظاہری اور معنوی ارتباط ہے چند شعر سناتا ہوں۔ میں نے یہ چند شعر نوٹ کر لئے :-

می فرو هل زکف ای ترک و بیک سو نه چنگ
جامه جنگ فرو پوش که شد نوبت جنگ

باده را روز بیفسرده بنه باده زدست
چنگ را نوبت بگذشت بنه چنگ ز چنگ

ازبر دوش تفنگ افکن و آسوده گزار
لختی آن دو سر زلف سیه غالیه رنگ

بہار اب چراغ سحری تھے۔ بہت کم گھر سے نکلتے یا نکل سکتے تھے۔ میری خواہش تھی کہ بہار یوم اقبال کے جلسے کی صدارت قبول کرلیں، مگر ان کی کمزور حالت دیکھکر کچھ کہنے کی جرأت نہ پڑتی تھی۔ بالاخر اپریل کے شروع میں انکی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا آپ کی طبیعت اچھی نہیں، لیکن اگر آپ ایک گھنٹہ کے لئے تشریف لاسکیں اور ,, یوم اقبال،، کے جلسہ کی صدارت فرمائیں تو ہمارے لئے باعث فخر ہوگا اور ملک کے ادبی اور علمی حلقوں پر اسکا اچھا اثر پڑیگا۔ پہلے تو بیماری کی بنا پر اور پھر کچھ سیاسی وجوہات کی بنا پر انکار کیا لیکن میں نے بہار کو بتایا کہ سفیر کبیر پاکستان کو آپ سے قلبی ارادت ہے اور

ہمارے لئے آپ کا مقام سیاست سے بالاتر ہے تو میری درخواست قبول کر لی اور ۲۱ اپریل کی شام کو میں بہار کو لانے کے لئے گیا ۔ بہار بہت کمزوری محسوس کر رہے تھے مگر میرے اور اپنی بیٹی پروانہ خانم کے اصرار پر تیار ہوگئے اور میں دونوں باپ بیٹی یعنی بہار اور پروانہ خانم کو اپنے همراہ سفارت کی موٹر کار میں اپنے همراہ لے آیا ۔ بہار نے مجھ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج مجھ میں بالکل سکت نہ تھی ۔ محض اقبال کی محبت کی حرارت مجھے کھینچ لائی ہے ۔ بہار نے بیٹھے بیٹھے اپنا خطبہ صدارت پڑھا جسمیں اقبال کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ اقبال ہماری نو سو سالہ ادبی تاریخ اور اسلامی مجاہدت کا نمائندہ ہے ۔ اسی جلسہ میں ایران کے سابق وزیر اعظم سید ضیاء الدین طبا طبائی نے اقبال سے اپنی فلسطین میں ملاقات کا ذکر کیا اور اسکے مندرجہ ذیل دو اشعار کے موضوع پر تقریر کی :—

ہر کہ او را قوۂ تخلیق نیست پیش ما جز کافر و زندیق نیست
بندۂ آزاد را آید گران زیستن اندر جہان دیگران

۱۹۵۰ میں سفارت پاکستان کی طرف سے پہلی مرتبہ یوم اقبال منایا گیا اور بہار کے خطبہ صدارت نے ایران کے ادبی حلقوں کی توجہ اقبال کیطرف جلب کر لی ۔ چند دن کے بعد فرہنگستان ایرانی (ایرانی اکادمی) کی طرف سے شاندار جلسہ ہوا جسمیں ایران کے مشہور ادیب اور سیاستمدار آقای علی اصغر حکمت نے تقریر کی اور اقبال کی تمام فارسی تصنیفات پر سیر حاصل تبصرہ کیا ۔ اسی جلسہ میں اقبال کے رنگ تغزل کی تعریف کرتے ہوئے ڈاکٹر صورتگر شیرازی اپنی ایک غزل جو اقبال کے رنگ میں کہی ہوئی تھی پڑھی —

فرہنگستان کے جلسے کے چند روز بعد انجمن دانشوران کے زیر اہتمام جلسہ ہوا جسمیں تہران کے بہت سے مشہور شاعروں نے شرکت کی اور نسیم شمال کے ایڈیٹر آقای محسن ساعی نے اقبال کے متعلق ایک مفصل مقالہ پڑھا۔ یہ سب جلسے ۲۱ اور ۳۰ اپریل کے درمیانی عرصہ میں ہوئے اور ایرانی اخبارات نے بھی اقبال کو خراج تحسین پیش کیا اور ان جلسوں کی کاروائی شائع کی۔

انھیں دنوں ایران کے ایک مشہور ادیب آقای مجتبی مینوی نے "اقبال لاھوری" تألیف کی جسمیں اقبال کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ یہ کتاب مجلہ یغما کی طرف سے شائع کی گئی۔

اکتوبر ۱۹۵۰ میں ایک دن میں نے چند ایرانی ادبا اور شعرا کو اپنے گھر پر ایک ادبی جلسہ میں شرکت کے لئے بلایا۔ پروفیسر دیہیم نے جو آذربائیجان کے مشہور شاعر اور فصیح البیان خطیب ھیں جلسہ میں شرکت کی۔ پروفیسر دیہیم سے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔ میں نے اقبال کے "پیام مشرق" سے چند شعر پڑھکر پروفیسر مذکور کو سنائے۔ میرا شعر پڑھنے کا لہجہ ایرانی لہجہ سے مختلف تھا اس لئے پروفیسر صاحب نے کوئی خاص توجہ نہ دی۔ اور کتاب میرے ھاتھ سے لے لی۔ چند منٹ ادھر ادھر سے کچھ شعر پڑھے اور پھر خود بخود اٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت جوش سے حاضرین کو مخاطب کر کے اقبال کے اشعار پڑھنے لگے اور ساتھ ھی ساتھ اقبال کے کلام کی معنوی اور آھنگی خوبیوں پر تعجب کا اظہار کرتے جاتے تھے۔ آخر میں اقبال کی یہ غزل:

صد نالہ شبگیری صد صبح بلاخیزی
صد آہ شرر ریزی یک شعر دلاویزی

. . .

پڑھ کر سنائی - پڑھنے کے انداز سے ان کا جوش اور حرارت ظاہر تھی - آخر میں ذیل کے شعر کو کئی بار پڑھا:

مطرب غزلی، بیتی، از مرشد روم آور

تا غوطه زند جانم در آتش تبریزی

اور کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک غیر ایرانی جس کے کان فارسی زبان کی شیرینی تلفظ اور آہنگ سے نا آشنا ہوں یہ شعر کہہ سکے - حاضرین نے بھی پروفیسر دیہیم کی تائید کی - اس جلسہ میں جو اقبال کی غزلیں خاص طور پر پسند کی گئیں وہ ہمارے یہاں زیادہ معروف نہ تھیں اور جس چیز کو پروفیسر دیہیم اور دیگر حاضرین نے پسند کیا وہ اقبال کا رنگ تغزل اور زور کلام تھا نہ محض فلسفیانہ خیالات و نظریات -

۱۹۵۲ میں بعض ایرانی احباب کے توسط سے علامہ علی اکبر دهخدا* سے یوم اقبال کی صدارت کے لئے درخواست کی - علامہ دهخدا بڑھاپے اور علالت کی وجہ سے گھر سے بہت کم نکلتے تھے اور انہوں نے جلسہ کی صدارت قبول کرنیسے انکار کر دیا - میری بڑی آرزو تھی کہ علامہ جلسہ میں شرکت کریں اور میں نے استاد سعید نفیسی سے اس بارے میں مشورہ کیا - استاد نفیسی کا خیال تھا کہ دوبارہ کوشش کرنا بے سود ہوگا - میری علامہ دهخدا سے نہایت مختصر آشنائی تھی لیکن آخری کوشش کے لئے میں خود ہی انکی خدمت میں حاضر ہوا - پروفیسر* محمد معین جو فارسی دائرۃالمعارف کی تالیف میں علامہ کے رفیق کار ہیں وہاں موجود تھے -

*علامہ ایک طویل علالت کے بعد ۹ فروری (۱۹۵۶ع) میں وفات پا گئے -

میں نے دوبارہ صدارت قبول کرنیکی درخواست کی ۔ کہنے لگے بھئی سچ تو یہ ہے کہ کمزوری وغیرہ کے علاوہ ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ میں نے اقبال کا کلام بالکل نہیں پڑھا ۔ اور اب میرے پاس مطالعہ کرنے اور اپنے خیالات کو تحریر میں لانیکا وقت نہیں ۔ میں نے کہا کہ جس طرح آپ نے استعمار و استبداد کے خلاف ملت ایران کو ابھارا اسی طرح اقبال نے ہندوستان کو فکری اور سیاسی غلامی سے نجات دینے کی کوشش کی ہے ۔ اقبال کی مثنوی "پس چه باید کرد ای اقوام شرق" میرے ہاتھ میں تھی اور میں نے کھول کر انکو پیش کی ۔ اتفاق سے انکی نگاہ ایسے اشعار پر پڑی جن میں اقبال نے فکری بردگی اور سیاسی غلامی کے خلاف آواز اٹھائی ہے ۔ ڈاکٹر محمد معین سے کہا کہ یہ چند شعر نوٹ کرلو ۔ اور چند شعر اپنے نظریات کے متعلق ڈاکٹر صاحب کو نوٹ کرادیئے ۔ مجھسے مخاطب ہو کر کہنے لگے "بہت اچھا ہوا تم آگئے اقبال سے اس مختصر سی آشنائی سے اپنے اندر ایک نئی قوت محسوس کرتا ہوں ۔ میں بڑے فخر سے حاضر خدمت ہونگا اور اقبال کے جہاد کے متعلق ہی چند کلمے اپنی صدراتی تقریر میں کہونگا ۔ خدا اسے غریق رحمت کرے" ۔ علامہ کی تقریر اور منظوم قطعہ متن کتاب میں درج ہیں ۔

۱۹۵۳ع کا سال بعض لحاظ سے قابل ذکر ہے ، یوم اقبال کے جلسوں میں عموماً چھوٹی چھوٹی اور عام پسند قسم کی تقریریں ہوتی تھیں مگر لوگوں کی دلچسپی اور اشتیاق کو دیکھتے ہوئے میں نے تہران یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر حسین خطیبی سے اقبال کے اسٹائل پر ایک جامع تقریر کرنے کے لئے درخواست کی ۔ ڈاکٹر خطیبی تہران یونیورسٹی میں شعبہ سبک شناسی کے صدر ہیں اور تنقید اور تقریظ کے فن میں مہارت رکھتے ہیں ۔ ڈاکٹر خطیبی

نے یہ مشکل کام اپنے ذمہ لیا اور اقبال کی تمام فارسی تصانیف کا مطالعہ کرنیکے بعد اقبال کے اسٹائیل اور طرز بیان پر ۲۱ اپریل کو تقریباً ایک ہزار کے مجمع میں تقریر کی - پروگرام میں صرف ایک ھی تقریر تھی اور قریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی مگر سامعین نے نہایت دلچسپی سے ساری تقریر کو سنا اور بعض اخبارات نے پوری کی پوری تقریر شائع کی - اور اس کا خلاصہ دوبارہ تہران یونیورسٹی کی میگزین میں چھپا -

ڈاکٹر خطیبی کی تقریر ریڈیو تہران سے ریلے کی گئی اور اس طرح لاکھوں لوگوں نے اس کو سنا - ۱۹۵۳ع کے جلسہ میں جگہ کی قلت کے باعث، باستثنا چند صرف مردوں ھی کو دعوت دیگئی تھی - جلسہ کے بعد تہران کی بعض تعلیم یافتہ خواتین نے اس کا گلہ کیا اور خواھش ظاھر کی کہ خواتین کے لئے جداگانہ جلسہ ترتیب دیا جائے - اس وقت سفارت کبری پاکستان کے کاردار (مدارالمہام) میاں نسیم حسین تھے. صاحب مذکور نے نہایت خندہ پیشانی سے جلسہ کے تمام اخراجات اپنے ذمہ لئے اور تہران کے زنانہ کالجوں اور اسکولوں کی استانیوں اور دیگر پڑھی لکھی عورتوں کو دعوت دیگئی اور ۷ مئی کو سفارت کبری پاکستان کے ھال میں جلسہ ھوا - جلسہ کے وقت موسلا دھار بارش ھورھی تھی اور ھمیں ڈر تھا کہ خواتین اپنے گھروں سے نہیں نکل سکیں گی - لیکن ٹھیک وقت پر جوق در جوق مہمان آنے شروع ھوئے - اور سفارت کا ھال کھچا کھچ بھر گیا - عورتوں کے اس پہلے اور مہم جلسہ میں ایران کی ھر دلعزیز اور دانشمند خاتون ڈاکٹر کچکینہ کاظمی (جو تہران میڈیکل کالج میں تعلیم دیتی تھیں) نے اقبال کی زندگی اور اس کی شاعری کی مختلف پہلوؤں پر ایک عام فہم تقریر کی - یہ تقریر بہت مقبول ھوئی اور حاضرین جلسہ نے متفقہ طور پر





۲۱ خانم ڈاکٹر کچکینہ کاظمی نائب صدر ایران پاکستان کلچرل ایسوسی ایشن
یوم اقبال کے زنانہ جلسہ میں تقریر کر رہی ہیں۔

تقاضا کیا کہ اقبال کی ایرانیوں سے آشنائی کے لئے مزید اور دیرپا وسائل مہیا کئے جائیں ۔ ایرانی اخبارات نے جو پبلیسٹی خواتین کے جلسہ کو دی بے سابقہ تھی ۔ شاید ہی کوئی اخبار ہو جس نے ڈاکٹر کاظمی کی تقریر کا خلاصہ اور جلسہ کی کارروائی شائع نہ کی ہو ۔

ایران کے دوسرے شہروں سے بھی خطوط آنے لگے جن میں اقبال کی تصنیفات مہیا کرنے کے لئے کہا گیا ۔ میں نے نہایت جلدی میں اقبال کو ایرانیوں سے متعارف کرانے کے لئے ایک مختصر کتاب " رومی عصر " کے نام سے تألیف کی ۔ اس کتاب میں اقبال کی زندگی، ان کے برجستہ عقائد، فارسی تصانیف کا خلاصہ اور چند اقتباس اقبال کے متعلق ایرانیوں کے اپنے مقالات اور منظومات سے درج ہیں ۔ کسی غیر ایرانی کی فارسی زبان میں لکھی ہوئی کتاب کے لئے تہران میں پبلشر ملنا مشکل تھا ۔ مگر لوگوں کی اقبال میں بڑھتی ہوئی دلچسپی اور محبوبیت کو دیکھتے ہوئے " کانون معرفت " نے اپنے خرچ سے کتاب چھپوا دی اور کوئی دو سو نسخے سفارت کی طرف سے مفت تقسیم کئے گئے ۔ مگر جس بات کی سابق ادبی تاریخ میں مثال کم ملتی ہے وہ یہ ہے انجمن فرہنگی ایران و پاکستان اور دوسرے ایرانیوں کی طرف سی ایک ہزار نسخے ملک میں ہدیہ کے طور پر تقسیم کئے گئے ۔ " رومی عصر " کے لئے ایران کی تاریخ کے سب سے بڑے میناتور نقاش استاد حسین بہزاد نے دو تصویریں بنائیں ۔ استاد بہزاد بڑھاپے اور علالت کے سبب اب بہت کم کام کرسکتے ہیں اور چونکہ اب ان کی تصویریں بہت کم یاب ہیں ان کی مانگ بھی زیادہ ہے، مگراستاد بہزاد نے اقبال سے اپنے آپ کو منسوب کرنے کی غرض سے دو تصویریں جن کی قیمت کم از کم دو ہزار روپئے ہے مؤلف کو ہدیہ کے طور پر پیش کیں ۔

ایرانیوں کی روز افزوں دلچسپی کو دیکھتے ہوئے ''رومی عصر'' کے دو سو نسخے وزارت تعلیم ایران نے سرکاری کتبخانوں کے لئے تقسیم کئے اور انجمن فرہنگی کی موسّس اور نائب صدر ڈاکٹر کچکینہ کاظمی نے پانچ سو نسخے اسکولوں کے معلمین اور طالب علموں میں تقسیم کئے۔ کتاب کی مانگ بدستور جاری ہے —

اس کتاب کے متعلق اتنی تفصیل اس لئے نہیں دیگئی کہ یہ کتاب فی نفسہ کوئی غیر معمولی خوبی کی کتاب ہے، بلکہ یہ ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ قارئین کو معلوم ہوجائے کہ ایران میں لوگ ایک نہایت تھوڑے سے عرصہ میں اقبال میں کتنی دلچسپی لینےلگے ہیں ! حتی کہ اس کتاب پر جوبیشمار تقریظیں لکھی گئی ہیں وہ زیادہ تر اقبال کی اہمیت اور عظمت کے متعلق ہیں نہ کتاب یا مؤلف کتاب کے متعلق — مؤلف نے صرف یہ کوشش کی ہے کہ اقبال کو عام فہم طریقہ سے ایرانی عوام سے آشنا کرائے باقی'' آفتاب آمد دلیل آفتاب '' یہ خود اقبال کی ظاہری اور معنوی عظمت ہے جس سے ہر صاحب دل اور صاحب ذوق ایرانی متأثر ہوتا ہے —

جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے ۱۹۵۰ ع کے بعد ادبی اور علمی حلقوں میں اکثر اقبال کا ذکر رہتا تھا — مگر کھیل اور ورزش کے میدان میں اقبال کا ذکر ایک نئے باب کا اضافہ تھا۔ اس لئے ذیل کا واقعہ درج کرتا ہوں۔ ۱۹۵۱ ع میں پشاور سے ایک فٹ بال ٹیم ایران کے دورے پر آئی — اس ٹیم کا سب سے اہم میچ تہران کی منتخب ٹیم سے ایران کے خوبصورت اور شاندار اسٹیڈیم امجدیہ میں ہوا — میچ شروع ہونے سے پہلے ایرانی فٹ بال فیڈریشن کے سکریٹری پروفیسر ڈاکٹر کنی (Dr. Kani) نے مختصر سی تقریر

کی جس میں پاکستانی ٹیم کو رسمی طور پر خوش آمدید کہنے کے بعد بیس ہزار تماشائیوں کے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے کہا ''آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ ٹیم کوئی غیر ملکی ٹیم نہیں — یہ ٹیم اقبال کے وطن سے آئی ہے — اقبال جس نے صدیوں کے بعد فارسی زبان اور ادبیات کو شبہ قارہ ہندوستان میں زندہ کیا اور پاکستان کا نقشہ تیار کیا، ہمارا ہم وطن ہے۔ اس کے ہم وطن ہمارے ہم وطن ہیں — آپ کو چاہئے کہ اس ٹیم کو ایرانی ٹیم سمجھیں۔'' ان الفاظ کا فوری اور ہمہ گیر اثر ہوا اور اس امر کے باوجود کہ کھیل مقابلے کا تھا، ایرانی تماشائی پاکستانی کھلاڑیوں کی اسی طرح ہمت افزائی کرتے تھے جیسی اپنی ٹیم کی اور جب میچ ہار جیت کا فیصلہ ہوئے بغیر ختم ہوگیا تو ایرانیوں نے خاص طور پر خوشی کا اظہار کیا —

اھالی تبریز کے تاثرات

۱۹۵۰ ع مجھے تبریز جانیکا اتفاق ہوا - رئیس دانشگاہ تبریز (چانسلر تبریز یونیورسٹی) جناب آقای ڈاکٹر امین نے مؤلف کے اعزاز میں دانشکدہ ادبیات (کالج فار لٹریری اسٹڈیز) میں ایک ادبی جلسہ کیا جس میں یونیورسٹی کے پروفیسروں اور سینیر طالب علموں کے علاوہ تبریز کے بر جستہ ادبا نے بھی شرکت کی۔ اس جلسہ میں صدر شعبہ ادبیات پروفیسر خیام پور، رئیس دانشگاہ، ڈاکٹر امین اور جناب آقای جم (جو صوبہ کے گورنر تھے اور اپنے علم و دانش کے سبب تمام حلقوں میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں) نے تقریریں کیں۔ ان سب حضرات کی تقریروں میں ایک بات مشترک اور نمایاں تھی اور یہ وہ کہ اقبال نے صدیوں کے بعد ایران و پاکستان کے تاریخی

اور معنوی ارتباط کو زندہ کیا ہے اور ایران میں پاکستان کی محبوبیت کو جس چیز نے وسعت دی ہے وہ اقبال کا کلام اور اس کے خیالات ہیں۔ جناب آقای جم، شیخ محمود شبستری کی اولاد سے ہیں اور انہوں نے اقبال اور شیخ محمود کے روحانی ارتباط کا خاص طور پر ذکر کیا۔ ان تقریروں کا بیشتر حصہ ریڈیو تبریز نے نشر کیا۔ اور مجھ سے خاص طور پر کہا گیا کہ اقبال اور رومی کے متعلق تقریر کروں۔

نوجوان طالب علموں کا اشتیاق قابل دید تھا ان کا بار بار یہی تقاضا تھا کہ اقبال پر پمفلٹ چھپوا کر انہیں بھجوائے جائیں۔ میرے پاس ایک دو ورق کا 'جزوہ' موجود تھا جس کے ایک صفحہ پر استاد بہزاد کی نقاشی "رومی و اقبال" اور باقی دو صفحوں پر دونوں کے منتخب اشعار تھے ہر دس طالب علموں کے گروپ کو ایک دو ورقی 'جزوہ' تقسیم کیا گیا۔ اور بعض طالب علموں نے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کے لئے اقبال پر رسالہ لکھنے کی خواہش ظاہر کی مگر افسوس کہ جو وسائل اس کام کے لئے اور دیگر انتشارات کے لئے لازم تھے وہ میری دسترس سے باہر تھے۔

تبریز میں قیام کے دوران میں آذربائیجان اور ایران کے نامور شاعر آقای محمد حسین شہریار سے ملاقات ہوئی۔ بلکہ یہ کہنا صحیح تر ہوگا کہ شہریار، محمد نخجوانی تاجر (جو دانش اور ادب پروری کے لئے معروف ہیں) کے مکان پر میری ملاقات کو تشریف لائے۔ کوئی گھنٹہ بھر گفتگو رہی۔ فارسی مجلہ ہلال کا ایک نسخہ میں نے ان کی خدمت میں پیش کیا۔ اس شمارے میں اقبال کی نظم "تنہائی" چھپی ہوئی تھی۔ شہریار نے نظم پڑھی پھر حاضرین کو پڑھکر سنائی اور کہا یہ شعر فارسی کا بہترین اور جدید

نمونہ ہے اسی موقع پر ڈائریکٹر تعلیم آقای دہقان نے وعدہ کیا کہ ہم اقبال کے کلام کو آذربائیجانیوں سے آشنا کرانے میں ہر قسم کے تعاون کے لئے حاضر ہیں ۔

ایرانی ادبا اور شعرا کے بہت سے مقالات و تقریریں اور قصائد مختلف جرائد میں چھپ چکے ہیں اور متن کتاب میں ان کے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں ۔ اس تمہید میں اغلب وہ باتیں بیان کی گئیں ہیں جو کسی کتاب کی شکل میں شائع نہیں ہوئیں لیکن دوستداران اقبال کے لئے اہمیت رکھتی ہیں ۔

میرا یہ مقدس فرض ہے کہ ایرانیوں کے پر محبت تأثرات اور ان کا نہایت دوستانہ اور بے نظیر عکس العمل جو اقبال کے متعلق میں نے گذشتہ سات سال کے عرصہ میں دیکھا ، سنا یا پڑھا اپنے ہم وطنوں کے لئے ثبت و ضبط کردوں ۔ تا کہ یہ ابتدائی اور شیریں یادگاریں فراموش نہ ہوجائیں ۔

اقتباسات اور ترجمہ

مؤلف نے زیادہ تر ایسے مقالات اور منظومات سے اقتباس نقل کئے ہیں جنکو یا تو تاریخی اہمیت حاصل ہے یا ایران کے مختلف علمی ، ادبی اور سوشل حلقوں کے خیالات اور تأثرات کی نمائندگی کرتے ہیں ۔

اس کے علاوہ کوشش کی گئی ہے کہ ایرانی ادبا کے تعریفی ، تقریظی اور تنقیدی ریمارکس (اظہارات) کے ساتھ ساتھ انکے مخصوص ذوق شعری اور انکی مخصوص پسند کے نمونے بھی پیش کئے جائیں تا کہ قارئین اقبال کے شعر معنوی اور غنائی پہلوؤں کو ایرانیوں کی نظر سے جانچ سکیں ۔

قطعات نثر و نظم کے ترجمہ میں عموماً اصل متن کی طرز بیان کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور آزاد ترجمہ سے حتی‌المقدور پرہیز کیا ہے ۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ آزاد ترجمہ نسبتاً رواں‌تر ہو سکتا تھا مگر فارسی اردو کے متون کو ایک دوسرے کے قریب رکھنے سے مؤلف کی پیش نظر یہ امر بھی تھا کہ ایرانیوں کی اردو میں روز افزوں دلچسپی کے پیش نظر یہ کتاب انکو اردو سے آشنا کرانے میں بھی مفید ہو سکتی ہے ۔ وہ فارسی رسم‌الخط میں بغیر کسی کی مدد کے اردو پڑھ سکیں گے اور بہت سے غیر مانوس ہندی الفاظ کے معنی فارسی متن کی مدد سے خود بخود ان پر واضح ہو جائیں گے ۔ مؤلف کی مذکورہ بالا توضیح اس کے چند سالہ تجربہ پر مبنی ہے اور اسوقت ایرانی ادبا میں سے کئی ایک نے اردو کی ادبی زبان کو بغیر کسی معلم کی مدد کے، پڑھنا تو نہیں ، سمجھنا سیکھ لیا ہے اور اغلب حالات میں صرف حروف اور چند ایک 'افعال' کی تشریح انکی رہنمائی کے لئے کافی ثابت ہوئی ہے ۔

معمولاً فارسی متن کو اردو کے بالمقابل لکھنے کے بجائے زیر حاشیہ درج کیا گیا ہے تاکہ قارئین کی توجہ ایک وقت میں ایک ھی متن پر متمرکز رہے ۔

پاکستانیوں کی نگاہ میں ایرانی عزیز اور گرامی ہے اس لئے نہیں کہ وھاں الوند ، دماوند و بیستون موجود ھیں ؛ بلکہ اس لئے کہ یہ خاک سعدی و فردوسی و مولوی و حافظ کا وطن ہے ۔ اسیطرح ایرانی پاکستان کو محبت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ھیں کیونکہ یہ اقبال کا وطن ہے ۔ بقول کاظم رجوی ، مولوی اور سعدی اور حافظ اقبال کی شکل میں نمودار

ہوئے ہیں اور اس لئے ایرانی (جیسا کہ اقتباسات مشمولہ سے ظاہر ہے) پاکستان کو (معنوی دنیا میں) ایران اور ایران کو پاکستان خیال کرتے ہیں۔

امید ہے کہ یہ کتاب پاکستان اور ایران کے درمیان حسن تفاہم اور قدیم یگانگت اور ہم آہنگی پیدا کرنے اور اپنے مشترک مفاخر میں دلچسپی بیدار کرنے میں مفید ثابت ہوگی۔





بہار اور اقبال

بہار اور اقبال

جیسا کہ تمہید میں بیان کیا گیا ہے ایران میں اقبال کے سب سے قدیمی دوست اور مداح سید محیط طبا طبائی اور سعید نفیسی تھے - لیکن سب سے پہلے رسمی طور پر اور ملت ایران کے نمایندہ کی حیثیت سے جس شخص نے اقبال کو خراج تحسین پیش کیا وہ ایران معاصر کا سب سے بڑا شاعر، ادیب اور فن شعر و نثر کا سب سے بڑا ماہر ملک الشعراء محمد تقی بہار تھا - اس لئے نہ صرف ترتیب وقت کے لحاظ سے بلکہ بہار کی غیر معمولی علمی اورادبی اہمیت کے پیش نظر ذیل میں "خطاب بہ ہند" نقل کیا جاتا ہے جس میں ہندوستان میں فارسی شاعری کی تاریخ بیان کرتے ہوئے بہار نے اقبال کا ذکر کیا ہے اس کے بعض اشعار پر تضمین اور اس کے رنگ میں کچھ شعر کہے ہیں -

جیسا کہ نظم سے ظاہر ہے بہار نے جس عشق اور عقیدت کا اظہار ہندوستان سے کیا ہے وہ ہندوستان کی اس تاریخ سے وابستہ ہے جو فارسی ادبیات و فرہنگ سے متعلق ہے بہار نے خطبہ صدارت میں بھی صاف طور پر کہا ہے :

"من داستان پارسی گویان ہند بیان کردم و نام شاعران و صاحبدلان و شہر یاران و شہر بانوان ادب دوست را بمیان آوردم، و نتیجہ آن منظومہ

بزرگ معرفی و ستایش علامه دکتر محمد اقبال رحمته الله علیه بود۔،،
ترجمه :

،، مین نے هند کے فارسی گو شعرا کی داستان بیان کی اور شاعروں ،
،، صاحبدلوں ، شہریاروں اور شہربانووں کے ناموں کا ذکر کیا ۔ اس لمبی نظم سے میرا مقصد علامه ڈاکٹر محمد اقبال رحمته الله علیه کی تعریف اور اس کا تعارف کرانا تھا ۔،،

خطاب به هند

مرحوم بہار نے اپنی خطی بیاض میں اس نظم پر یه تمہیدی نوٹ لکھا ہے:۔ سالها آرزو داشتم که با دوستان هندوستان و ترانه سازان آن بوستان طریق هم نفسی باز کنم و از سر هم قفسی با یکدیگر شکوه آغاز نمائیم و این دوری و مهجوری که درمیان آمده و حجاب آرزو شده بدور اندازیم. تا بخواست خدا در این هفته انجمن روابط فرهنگی ایران و هند باهتمام وزیر فرهنگ و همت فضلای هند و ایران و موافقت بزرگان دو کشور براه افتاد و بنده را نیز بعضویت آن انجمن سرافراز کردند و امر شد که در نخستین جلسه انجمن منظومه‌ای در شرح اشتیاق و شکایات از

بہار کے تمہیدی نوٹ کا ترجمه یه ہے :

کئی سالوں سے آرزو تھی که هندوستانی دوستوں اور اس باغ کے نغمه سراؤں سے ارتباط پیدا کروں اور هر دو طرف سے اپنی اپنی مجبوری اور گرفتاری کے شکوے بیان کریں اور اس جدائی اور دوری کے پرده کو جس نے همارے درمیان حائل هو کر هماری آرزؤں کو ایک دوسرے سے چھپائے رکھا درمیان سے هٹادیں ۔ آخر یه آرزو خدا نے پوری کردی اور اس

افتراق گفته آید. اینک این منظومه که در شب چهار شنبه ۲۶ مهر ماه ۱۳۲۳ در محضر دانشسرای عالی سرورده شد بیادگار بدوستان هندوستان اهداء میشود:—

باز خنگ فکرتم جولان گرفت
فیل طبعم یاد هندوستان گرفت

پھر میرے تخیل کا رھوار جولانی میں ھے، میرے فیل طبع کو پھر ھندوستان کی یاد آئی۔

تا خیالم نقش روی هند بست
یافت ذوقم جلوهٔ طاؤس مست

جونہی که میرے تخیل میں ھند کا چھرہ مجسم ھوا، مجھے ایسا معلوم ھوا جیسے ایک مست مور میری آنکھوں کے سامنے موجود ھو۔

ھفتہ وزیر تعلیم اور دیگر ھندی اور ایرانی فضلا کی کوشش اور دونوں ملکوں کے عالی رتبہ اشخاص کی موافقت سے انجمن فرھنگی ایران و ھند وجود میں آئی اور خاکسار کو بھی اسکی عضویت کا افتخار عطا کیا گیا اور مجھے حکم ھوا کہ اس انجمن کے پہلے جلسہ کیلئے ایک نظم جسمیں باھمی اشتیاق کا ذکر اور جدائی کا گلہ ھو لکھوں میں نے حسب فرمایش ذیل کی نظم لکھی جو چہارشنبہ (بدھوار) کی شام کو مطابق ۲۶ مہر ماہ $\frac{۱۳۲۳}{۱۹۴۳م ق}$ دانشسرائے عالی میں پڑھی گئی اب اسے یادگار کے طور پر ھندوستانی دوستوں کی خدمت میں بطور ھدیہ پیش کرتا ھوں:—

بلبل فکرم خوش آوائی نمود
طوطی طبعم شکر خائی نمود

میرے افکار کی بلبل نے خوش الحانی سے گانا شروع کیا، میری طوطی طبع نے شکر بکھیرنی شروع کردی۔

دل اسیر حلقۂ زنجیر ہند
جاں فدای خاک دامن گیر ہند

میرا دل ہند کی زنجیر کے حلقے میں گرفتار ہے، میری جان ہند کی دامن گیر خاک کے قربان ہو۔

بس ملاحتہا دران خاک و ہواست
ہند را کان نمک خواندن رواست

اس کی خاک میں بیشمار ملاحتیں موجود ہیں، اسلئے ہند کو کان نمک کہنا مناسب ہوگا۔

آن نمک زاری کہ خاکش عنبر است
خار او چمپا خسش نیلوفر است

یہ وہ نمک زار ہے جہاں کی خاک عنبر ہے، اس کے کانٹے گل چمپا اور اس کی خس گل نیلوفر کی مانند ہے۔

ہر کہ رفت آنجا نمک پالودہ شد
سادگی افگند و رنگ آلودہ شد

جو وہاں گیا نمک میں آلودہ ہوگیا، سادگی اسنے چھوڑ دی اور رنگینی اختیار کی۔

جان فدای آن نمک زار سیاه
بی نمک آنجا نمیروید گیاه

میری جان اس سیاہ رنگ نمک زار کے قربان ہو، وہاں تو سبزی بھی بے نمک نہیں اگتی -

فکر ہا رنگین و رنگین خوہا
رنگ بیرنگی عیان بر روہا

ہند کے افکار اور عادات سب رنگین ہیں، اور اس کے چہرے پر بیرنگی کا رنگ عیاں ہے -

لشکر یونان از آنجا رم گرفت
عبرت از کار بنی آدم گرفت

یونان کا لشکر وہاں سے لوٹا اور اس نے بنی آدم کے اعمال سے عبرت حاصل کی -

شد عرب در ہند و وحدت پی فگند
عاقبت آنجا عرب ہم نی فگند

عرب ہند میں پہنچے اور وحدت کی بنیاد رکھی لیکن آخر عرب بھی وہاں سے لوٹنے پر مجبور ہوئے -

ترک آنجا ترکی از سر وا گرفت
فارسی بود آنکہ آنجا پا گرفت

ترکوں نے وہاں ترکی ترک کردی، فارسی ہی تھی جس نے وہاں اپنے قدم جمائے -

ایزدی بود آشنائی های ما
آشنا داند صدای آشنا

ہماری ہند سے آشنائی خدا کی طرف سے تھی، آشنا ہی آشنا کی آواز کو پہچانتا ہے ۔

ہند و ایران آشنایان ہم اند
ہر دو از نسل فریدون و جمند

ہند اور ایران باہم دوست ہیں دونوں فریدون اور جم کی نسل سے ہیں (یعنی آریائی ہیں) ۔

آنکه گندم خورد و دور از خلد ماند
در سراندیپ آمد و گندم فشاند

وہ جس نے گندم کھالی اور جنت سے نکالا گیا (حضرت آدم) وہ سراندیپ میں پہنچا اور وہاں گندم کی کاشت کی ۱

خاک ہند از خلد دارد بہره ها
رنگ آن گندم عیان بر چہره ها

پس ہند کی خاک نے جنت سے بہرہ برداری کی اور اسی گندم کا رنگ ہندیوں کے چہرہ پر ظاہر ہے ۔

---

۱ — اشارہ ہے اس قصہ کی طرف کہ حضرت آدم نے پہلے پہل سراندیپ (جنوب ہند) کے جزیرے پر نزول فرمایا ۔

گرچه گندم گون و میگون آمدیم

هر دو از یک خمره بیرون آمدیم

اگرچه هم اور هندی گندم گوں اور میگوں ہیں، ہم دونوں ایک ہی خمرہ سے نکلے ہیں۔

چون دیوژن خم نشینان حقیم

وز فلاطون و دیوژن اسبقیم

ہم دیوژن کی طرح حق کے خم میں پناہ گزیں ہیں اور ہم افلاطون اور دیوژن سے قدیم تر ہیں ۱

ساغری گیر از می عرفان هند

نوش باد پارسی گویان هند

ہند کی مئے عرفان سے بھر کر ساغر ہاتھ میں لو، ہند کے فارسی گو شاعروں کی شراب نوش کرو۔

یادی از مسعود سعد راد کن

بعد یاد رونی استاد کن

عالی مقام مسعود سعد کو یاد کرو، پھر استاد رونی کو یاد کرو۔

آنکه چون سعدی سخن گوی نواست

بلبل گلزار دهلی خسرو است

اور وہ جو سعدی کی مانند شعر سرا ہے، دہلی کے باغ کا بلبل خسرو ہے۔

---

۱ — افلاطون اور دیوژن قدیم یونان کے مشہور فیلسوف ہیں۔

خمسہ خسرو کہ تقلیدیست فـرد

با حکیم گنجوی جوید نبرد

خسرو کا خمسہ تقلید کا لاجواب نمونہ ہے، جو حکیم گنجوی کا مقابلہ کرتا ہے۔

طبع پاکش مایہ دار فکر بود

صد ہزاران بچہ زاد و بکر بود

اس کی طبع پاک تخیلات کی مایہ دار تھی، اس کے بطن سے لاکھوں بچے تولد ہوئے اور وہ پھر بھی باکرہ رہی۔

بزم اکبر شد ز فیضی فیض یاب

دکن از بوالفضل و فیضی یافت آب

اکبر کی بزم فیضی سے فیض یاب ہوئی، دکھن کو ابوالفضل اور فیضی کے دم سے آبرو ملی۔

با حسن صد لطف و گرمی توام است

در کلامش آتش و گل باہم است

حسن کا کلام سراسر لطف و گرمی ہے، اس میں ہم آتش اور گل کو ایک جگہ دیکھتے ہیں۔

طبع عرفی خوش بمضمون راہ جست

داد — داد لفظ و معنی را درست.

عرفی کی طبع نے مضمون کی طرف خوب راستہ نکالا، اس نے لفظ اور معنی کی خوب داد دی۔

با کلیمش ساحران را نیست تاب
کس نگفت آخر سه بیتش را جواب

اسکے کلیم کا کوئی ساحر مقابلہ نہیں کرسکتا ، کسی نے اس کی سہ بیتی کا جواب نہیں دیا ۔ ۱

از نظیری و ظہوری دم مزن
ہند و ایران را دگر برہم مزن

نظیری اور ظہوری کی بات مت کرو ، اور ہند اور ایران کو جدا مت کرو ۔

گر ز تبریز است یا از اصفہان
ہست صائب طوطی ہندی زبان

خواہ وہ تبریز سے متعلق ھے یا اصفہان سے ، صائب طوطی ہندی زبان ھے ۔

---

۱ — بہار کا اشارہ کلیم کے مندرجہ ذیل تین اشعار کی طرف ھے ! —

بدنامی حیات دو روزی نبود بیش
آنہم کلیم با تو بگویم چسان گذشت

یک روز صرف بستن دل شد باین و آن
روز دگر بکندن دل زین و زان گذشت

طبعی بہم رسان که بسازی بعالمی
یا ہمتی که ازسر عالم توان گذشت

خاک ,,آمل،، دامنش از دست داد

لاجرم طالب بهندوستان فتاد

آمل کی خاک نے طالب کا دامن چھوڑ دیا ، اور وہ ہندوستان پہنچ گیا -

چون کسی را صنعتی غالب بود

میشتابد هر کجا طالب بود

جب کسی کو کسی صنعت پر تسلط حاصل ہو ، تو وہ وہیں جاتا ہے جہاں اس کا کوئی طالب ہو -

از همایون گیر تا شاه جهان

شاعران را بود هند آرام جان

ہمایوں کے زمانے سے شاجہاں تک شاعروں کے لئے ہند آرام جاں تھا -

هند بازار خرید ذوق بود

هند یکسر عشق و شور و شوق بود

ہند ذوق شعر کا خریدار تھا ، ہند سراسر عشق و شور و شوق تھا -

صنعت و ذوق هنر ترکیب یافت

کاروانها جانب دهلی شتافت

صنعت اور ذوق ہنر آپس میں مل گئے اور قافلے دہلی کی جانب روانہ ہوگئے -

بس روان شد کاروان در کاروان

تنگهای دل پر از کالای جان

بیشمار کاروان ایک دوسرے کے پیچھے روانہ ہوگئے ، ان کے دل بغچے روحانی مال و متاع سے بھر تھے -

رشک غزنین گشت بزم اکبری
نغمه خوان هر سو هزاران عنصری

بزم اکبر رشک غزنین بن گئی ، ہر طرف ہزاروں عنصری جیسے شاعر نغمہ خواں تھے -

بزم نورالدین گلستانی دگر
در گه نورجهان جانی دگر

بزم نورالدین (جہانگیر) ایک نیا گلستان تھا اور نورجہاں کی درگاہ ایک نئی روح کی حامل تھی -

بذله گو از شاه تا بانو همه
پیش یک مصرع زده زانو همه

بادشاہ سے لیکر خواتین تک سب بذلہ گو تھے اور ایک مصرع کے سامنے وہ دو زانو تھے -

جوش ایهام و مثل چون موج آب
نکته بر هر موج خندان چون حباب

شعر میں ایہام اور تمثیل موج آب کی طرح رواں تھی اور ہرہر موج پر حباب کی مانند نکتے مسکرا رہے تھے -

کار تاریخ و تتبع تازه گشت
صنعت انشاء بلند آوازه گشت

تاریخ نویسی اور تتبع کا کام تازہ ہوگیا ، فن تحریر کی صنعتوں کو شہرت نصیب ہوئی -

در لغت فرهنگ ها پرداختند
لعبها در دین و حکمت باختند

زبان کے لئے انہوں نے فرہنگ تیار کئے اور دین و حکمت کے مسائل پر کام کیا۔

کار نقاشی بسی بالا گرفت
خوش نویسی پایه والا گرفت

نقاشی کے کام نے ترقی کی اور خوش نویسی کا معیار بلند ہوگیا۔

صنع معماری بسی پیرایه یافت
ذوق حجاری فراوان مایه یافت

معماری کی صنعت نے گونا گوں ترقی کی۔ فن حجاری نے بہت اہمیت حاصل کی۔

ثروت و جاه و رفاه و خرمی
صلح و عیش و خوشدلی و بیغمی

ثروت و جاہ و رفاہ و خوشی اور صلح و عیش خوشدلی اور بے غمی

چشم شور اختران راخیره کرد
هر طرف خصمی برایشان چیره کرد

کو دیکھکر ستاروں کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں اور ستاروں نے ہر طرف سے دشمنوں کو اکسانا شروع کیا۔

نیست گر آن کر و فر نظمی بپاست
رفت اگر آن کیف کیفیت بجاست

اگرچہ وہ کروفر نہیں پھر بھی کچھ نظم موجود تھا اگر وہ کیف رخصت ہوا اس کی کیفیت باقی رہی۔

نیست گر دہلی ز اکبر پر خروش
میزند ہر گوشہ دیگ علم جوش

اگرچہ اب دہلی اکبر کے زمانے کی طرح پر خروش نہیں ، ہر گوشہ میں دیگ علم میں ابال آرہا ہے۔

ور نمیخندد بہر گل صد ہزار
باز نالد قمرئی بر شاخسار

اگرچہ ہر پھول پر اب سینکڑوں بلبلیں مسکرا نہیں رہیں، پھر بھی شاخساروں سے قمری کے نالے کی آواز آرہی ہے۔

غالبی آمد اگر شد طالبی
شبلی ہست ار نباشد غالبی

اگر طالب رخصت ہوا تو غالب آ گیا اور اگر غالب نہیں تو شبلی ہے۔

بیدلی گر رفت اقبالی رسید
بیدلان را نوبت حالی رسید

اگر بیدل رخصت ہوا تو اقبال پہنچ گیا، اور بیدلوں میں حال کی حالت پیدا ہوئی۔

ہیکلی گشت از سخنگوئی بپا
گفت کل الصید فی جوف الفرا

شعر نے ایک ہیکل کی شکل اختیار کرلی اور کہا ”تمام شکار گورخر کے پیٹ میں ہیں“، یعنی شعر کی تمام خوبیاں مجھ میں موجود ہیں۔

عصر حاضر خاصهٔ اقبال گشت
واحدی کز صد هزاران بر گذشت

عصر حاضر خاص طور پر اقبال کا زمانہ ھے، وہ فرد جو لاکھوں سے بازی لے گیا۔

شاعران گشتند جیشی تار و مار
وین مبارز کرد کار صد سوار

شاعر ایک شکست خوردہ فوج کی طرح تھے، مگر اس مبارزہ کرنیوالے نے سینکڑوں سواروں کا کام کیا۔

عالم از حجت نمی ماند تہی
فرق باشد از ورم تا فربہی

دنیا کبھی حجت سے خالی نہیں رھتی، (قدرتی) موٹاپے اور ورم میں فرق ھوتا ھے۔

تیغ همت را کن ای هند عزیز
با فسان جرأت و امید تیز

اے عزیز ہند، اپنی تیغ همت کو جرأت اور امید کی فسان پر تیز کر

صنعت و علم و امید و اتحاد
کسب کن تا وا رهی زین انفراد

صنعت و علم و امید اور اتحاد کو حاصل کر تا کہ اس افتراق و نفاق سے نجات پائے۔

بار دیگر چوں ملک پران شوی

آنچه اندر وهم ناید آن شوی

تا کہ دوبارہ تو فرشتوں کی طرح پرواز میں آئے اور تو اس مقام پر پہنچ جائے جو وہم و گماں سے بھی باہر ہے۔

نکته ای گویم سخن کوته کنُم

خاطر پاک ترا آگه کنم

ایک نکتہ کی بات کہکر بات کو مختصر کرتا ہوں اور تیرے پاک دل کو اس حقیقت سے آگاہ کرتا ہوں۔

شمه ای در حال و استقبال تو

هان نه من گویم که گفت اقبال تو

تیرے حال اور مستقبل کے متعلق چند الفاظ کہتا ہوں، لیکن میں نے نہیں، تیرے اپنے اقبال نے کہا ہے۔

زندگی جهداست و استحقاق نیست

جز بعلم و انفس و آفاق نیست

زندگی جہد و کوشش ہے، محض زندہ رہنے کا حق بے معنی ہے۔ اور حیات بجائے انفس و آفاق کے علم کے اور کچھ نہیں۔

گفت حکمت را خدا خیر کثیر

هر کجا این خیر را بینی بگیر

خدا نے حکمت کو خیر کثیر کہا ہے، جہاں سے تجھے مل جائے اسے حاصل کرے۔

غافل از اندیشهٔ اغیار شو
قوت خوابیده ای بیدار شو

دوسروں کا خیال اپنے دل سے نکال دے تو سوئی ہوئی قوت ہے، بیدار ہوجا۔

ناامیدی حربه اهریمن است
پیششش آفت و آسمانی جوشن است

ناامیدی شیطان کا حربہ ہے ، اگر تو آگے بڑھے تو آسمان تیرا جوشن بن جائیگا۔

جوشن امید را برخود بپوش
روز و شب تاجان بتن داری بکوش

امید کا جوشن پہن لے جب تک تیرے جسم میں جان ہے روز و شب کوشش کر۔

خویش را خوار و زبون کس مدان
در نبرد زندگی واپس مدان

اپنے آپ کو کسی کا خوار و زبوں مت سمجھ ، زندگی کی جنگ میں کمزور تصور مت کر۔

زین قناعت پیشگی پرهیز کن
مرکب همت بجولان تیز کن

قناعت پیشہ بننے سے پرہیز کر، اپنے مرکب ہمت کو جولانی میں تیز کر۔

همت از آمال کوچک باز گیر
تا فراز کہکشان پرواز گیر

چھوٹی چھوٹی امیدوں پر ہمت مت لگا کہکشان کی بلندیوں پر پرواز شروع کر -

این کسالات و تن آسانی بس است
تربیت آموز ، نادانی بس است

یہ تن آسانی اور بے ہمتی ختم کر، تعلیم حاصل کر، نادانی ختم کر۔

زندگی جنگست و تدبیر معاش
زندگی خواهی چو مردان کن تلاش

زندگی جنگ ہے اور تدبیر معاش ہے، اگر تو زندہ رہنا چاہتا ہے تو مردوں کی طرح جستجو کر۔

فقر و درویشی در استغنا نکوست
با غنا شو صوفی و درویش دوست

استغنا کے ساتھ فقر و درویشی اچھی ہے ،استغنا کو ھاتھ سے مت چھوڑ اور صوفی اور درویش کا دوست بن۔

فقر و درویشی تباهت میکند[۱]
در دو عالم روسیاهت میکند

فقر و درویشی تمہیں تباہ کردیگی اور دونوں عالموں میں روسیاہ کردیگی۔

---

۱ —اشاره بحدیث شریف افقر سوادالوجه فی الدارین و مراد فقر و تنگدستی است که مرد برای معیشت روزانه تهیدست بیچاره باشد و کارش بسوال بکشد —

گر بترسی درد و رنجت در قفاست
خیز و جنبش کن که گنجت زیر پاست

اگر تو ڈرتا ہے تو درد و رنج تیرا پیچھا نہیں چھوڑینگے، اٹھ اور حرکت کر کہ خزانہ تیرے پاؤں کے نیچے ہے۔

جزیکی نبود سراپای وجود
قطرہ قطرہ محو دریای وجود

سراپائے وجود سوائے (ایک) کے اور کچھ نہیں، قطرہ قطرہ وجود کے سمندر میں محو ہوجاتا ہے۔

از جدائی بگذر و مأنوس باش
قطرگی بگذار و اقیانوس باش

جدائی اور نفاق چھوڑ دے انس پیدا کر، قطرے کے وجود سے علیحدہ ہوجا اور سمندر بن جا۔

جز براہ یکدلی سالک مباش
محو یکتائی شو و مشرک مباش

سوائے یکدلی کے راستے کے قدم مت رکھ (ایک) میں محو ہوجا اور مشرک مت بن۔

کفر دانی چیست؟ کثرت ساختن
از یکی سوی دو تائی تاختن

جانتے ہو کفر کیا ہے؟ کثرت کو وجود میں لانا اور وحدت سے دو تائی کی طرف جانا۔

سوی وحدت پوی و دست از شرک شوی
متحد باش و بترک کفر گوی

وحدت کی طرف چل اور شرک کو ترک کردے ، متحد ہوجا اور کفر کو ترک کردے ۔

ای بہار از ہند دم با من مزن
بیش از این بر آتشم دامن مزن

ای بہار اب ہند کی بات مجھ سے نہ کر، میری آگ کو اس سے زیادہ نہ بھڑکا ۔

کز فراق ہند بس دلخستہ‌ام
نام ہند است این کہ بر خود بستہ‌ام

میں ہند کی جدائی میں بہت دلخستہ ہوں، میں نے ہند کا نام اپنے لئے اختیار کیا ۔

نام اصل ہند باشد مہ بہار
جذب گردد کہ بہ مہ بی اختیار

ہند کا اصلی نام مہ بہار ہے (اشارہ بہ مہا بھارت) اور « کہ ، (چھوٹی چیز) «مہ ، (بڑی چیز) میں جذب ہوجاتی ہے۔

من بہار کوچکم در ری مقیم
دل طپان از فرقت ہند عظیم

میں چھوٹی بہار ہوں اور میں ری (یعنی طہران) میں مقیم ہوں اور ہند عظیم (مہا بھارت) کی جدائی میں میرا دل جل رہا ہے ۔

طوطی بازارگانم من مدام ۱
طوطیان هند را گویم سلام

میں ہمیشہ سوداگر کے طوطے کی مانند ہوں اور طوطیان ہند کو سلام بھیجتا ہوں۔

ز آرزوی دیدن یاران هند
میچکد از دیده ام باران هند

ہند کے دوستوں کو دیکھنے کی آرزو میں میری آنکھوں سے ہند کی بارش جاری ہے۔

آرزو بر نوجوانان عیب نیست
لیک بر پیران فزون زین عیب چیست

نوجوانوں کے لئے آرزو کرنا بری بات نہیں، لیکن پیر کے لئے اس سے بڑھکر عیب نہیں۔

عمر من در زحمت و محنت گذشت
میروم اکنون سوی پنجاه وهشت

میری عمر تکلیف اور رنج میں گذر گئی، اب میری عمر اٹھاون سال کی ہوگئی ہے۔

در همین هنگامه چالاکی سزاست
من نیم چالاک و دوران بیوفاست

موجودہ وقت میں چالاکی کی ضرورت ہے، میں چالاک نہیں ہوں اور زمانہ بے وفا ہے۔

۱ــ اشارہ ہے مثنوی معنوی کے قصہ کی طرف ایک ایرانی تاجر کے پاس ایک طوطا تھا سوداگر کو ہندوستان کا سفر درپیش تھا۔ طوطے نے سوداگر کے ہاتھ ہندی طوطوں کے لئے پیغام بھیجا۔

لا علاج از دور بوسم روی هند
روی گبر و مسلم و هندوی هند

مجبوراً میں دور سے ہند کے چہرے پر بوسہ دیتا ہوں ۔ آتش پرست، مسلمان، ہندو، تمام لوگ جو ہند میں رہتے ہیں سب کو بوسہ دیتا ہوں ۔

پس پیامی میفرستم سوی یار
در لطافت چون نسیم نوبہار

میں دوست کی طرف ایک پیام بھیجتا ہوں جو لطافت میں نسیم نوبہار کی مانند ہے ۔

گویم ای ہند گرامی شاد باش
سال و ماہ از بند غم آزاد باش

میں کہتا ہوں کہ ای ہند گرامی خوش رہو، سال و ماہ غم کے بند سے آزاد ہو ۔

از سر اخلاص دادم این پیام
ہان سخن کوتاہ کردم والسلام

میں نے یہ پیغام خلوص دل سے دیا ہے، میں بات کو مختصر کرتا ہوں اور تجھ کو سلام بھیجتا ہوں ۔

---:o:---

اس کے بعد اپریل سنہ ۱۹۵۰ ع میں ملک‌الشعراء بہار نے یوم اقبال کے جلسہ کے موقع پر اپنے صدارتی خطبہ میں فرمایا :

*جب کوئی سیاستمدار یا ڈپلومات کسی دوسرے ملک کے متعلق سوچتا ہے تو سب سے پہلے اس ملک کے قدرتی ذخیرے اور وہ فوائد جو وہ ان ذخیروں سے حاصل کرسکتا ہے، اس کی نگاہ کے سامنے مجسم ہو جاتے ہیں۔

جب کوئی تاجر اور سرمایہ‌دار کسی دوسرے ملک کو یاد کرتا ہے تو سب سے پہلے وہ تجارتی معاملات، لین دین، بازار وغیرہ کی حالت اور تجارتی منافع وغیرہ کے خیال میں اس بات کو سوچنے لگتا ہے کہ کس طرح اس ملک سے سیم و زر اکھٹا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جب کبھی ایک شاعر یا دانشمند یا اهل دل کسی ملک کے متعلق سوچتا ہے، تو ہر بات سے پہلے اس ملک کے علماء اور ہنرمندوں اور ان کے

---

*وقتی مردی سیاستمدار یا دیپلمات از مملکت و کشوری یاد میکند، نخست معادن و ذخایر طبیعی آنکشور و امتیازاتی که میتوان از آنجای بدست آورد، در برابر چشم وی جلوه مینماید.

هنگامیکه شخصی تاجر و سرمایه‌دار از کشوری یاد میکند، نخستین بار از معاملات تجاری و دادوستد و امر بازار و بازرگانی و امتیازات تجاری آن کشور یاد مینماید و دراین معنی غور و تأمل میکند که از چه راه میتوان سیم و زر را به چنگ آورد —

اما هر وقت دانشمندی، شاعری و صاحبدلی در مورد مملکت و کشوری فکر میکند، پیشتر از هر چیز و قبل از همه، علماء و هنرمندان آنکشور و پایهٔ



ملک الشعرا بہار یوم اقبال (۱۹۵۰) کے موقعہ پر خطبہ صدارت پڑھ رہے ہیں۔

ذوق اور معیار تعلیم و ادب اور ان کی قومی عادات و رسومات کی طرف توجہ دیتا ہے اور فوراً وہاں کے سب سے بڑے شاعر اور اہل دل کی جستجو کرتا ہے کیونکہ ایک ملک کا حقیقی سرمایہ اس ملک کے لوگ ہوتے ہیں نہ کہ اس کے سیاسی یا تجارتی اور مالی اور اقتصادی امتیازات اور لوگوں کی اصلی اہمیت ، ان کا تمدن، زبان و آداب اور ان کی علمی و ادبی تربیت ہے ۔ تمدن اور زبان اور تربیت کا مظہر ملک کی وہ بڑی بڑی شخصیتیں جو قوم کی سر پرستی کے فرائض انجام دیں، اور ملک کے ادیب و قانون گزار اور قومی رہنما ہوتے ہیں ۔ پس اگر کوئی شخص دنیاوی اغراض اور پست قسم کے لالچ سے قطع نظر کر کے کسی قوم پر نگاہ ڈالے تو بلا شک وہ قومی راہنماؤں اور پیشواؤں کو مد نظر میں لائیگا ، مخصوصاً جبکہ ان کے درمیان تمدنی،

مایہ ذوق و هنر و فرهنگ عمومی و آداب ملی آن مملکت را بنظر گرفته و فوراً بزرگترین شاعر و صاحبدل را در آنجای میجوید و بیاد میآورد ، زیرا حقیقت یک مملکت است نه بامتیازات سیاسی و تجاری یا ثروت یا زراعت، و حقیقت مردم مملکت بفرهنگ و زبان و آداب تربیت علمی و ادبی ایشان و حقیقت فرهنگ و زبان ادب و تربیت نیز در اشخاص بزرگ و مربیان و ادیبان و قانون گذاران کشور و پیشوایان ملی دیده و یافته میشود —

پس اگر کسی خالی از اغراض دنیوی و مطامع فرومایه مادی بخواهد مملکت و قومی را بنگرد ، بلا شک پیشوایان و زعیمان ملی را خواهد دید ، خاصه که از لحاظ فرهنگ و ادب رابطه و علاقه جنسیت و سابقه‌های تاریخی درمیان باشد —

ادبی، نسلی اور تاریخی تعلقات پہلے سے موجود ہوں۔

جب کبھی مجھے پاکستان کا خیال آتا ہے تو بے اختیار علامہ اقبال طاب ثراہ کی یاد میرے دل میں تازہ ہو جاتی ہے۔ پانچ سال قبل جبکہ ہندوستان و پاکستان ابھی آزاد نہیں ہوئے تھے اور ابھی امید کا فرشتہ اس سر زمین پر پرواز کر رہا تھا، دانشسرائے عالی کے ہال میں ایک جلسہ میں جس میں علم و ادب و سیاست کے منتخب اشخاص، پروفیسر صاحبان، سفرا کبار اور طالب علم موجود تھے' میں نے منظوم تقریر کی اور اس نظم میں میں نے ہندوستان کی آزادی کی پیش بینی کی اور ہند کے لئے یہ اچھی فال ثابت ہوئی۔ میں نے ماضی اور حال کی تاریخ بیاں کی اور ادب دوست شاعروں صاحبدلوں شہریاروں اور شہربانوؤں کے ناموں کا ذکر کیا۔ اور اس لمبی نظم سے میرا مقصد اقبال رح کی تعریف اور اس کا تعارف کرانا تھا۔

بدین سبب هر وقت من بفکر پاکستان میافتم، بی اختیار علامه دکتر محمد اقبال طاب ثراه بیاد من میاید۔ بهمین دلیل نخستین بار در پنجسال پیش از اینکه هنوز هندوستان و پاکستان مستقل وجود نداشت و فرشته امید تازه بتازه بر این سرزمینها بال میافشاند، من بیاد هندوستان در تالار دانشسرائے عالی ضمن جشنی باحضور گروهی از نخبهٔ رجال ادب و علم و سیاست و استادان و بعض سفرای کبار و دانشجویان سخنرانی منظوم در عهده گرفتم و درآن منظومه آزادی هندوستان را پیش بینی نمودم و فالی نیکو زدم و تاریخی از گذشته و حال و داستان پارسی گویان هند بیان کردم و نام شاعران و صاحبدلان و شهریاران ادب دوست را بمیان آوردم و نتیجهٔ آن

میں نے اقبال کو مسلمان غازیوں، عالموں اور ادیبوں کی نو سو سالہ کوشش اور جہاد کا خلاصہ اور زبدہ اور اس نو سو سالہ باغ کا پکا ھوا میوہ گردانا۔ اور دانشوروں اور ھنرمندوں اور دیگر بڑی بڑی اسلامی شخصیتوں کا ذکر کرنیکے بعد میں نے اپنے ممدوح کے متعلق یوں کہا:

یہ زمانہ خاص طور پر اقبال کا زمانہ ہے
اقبال جو اکیلا لاکھوں سے بازی لے گیا

شاعری نے ایک مجسمہ کی شکل اختیار کرلی اور کہا:

تمام شکار گورخر کے پیٹ میں ھیں (یعنی شاعری کی تمام خوبیاں مجھ میں موجود ھیں)

شاعر ایک پامال شدہ فوج کی مانند تھے،
لیکن اس ایک جنگجو نے سو سواروں کا کام کیا۔

منظومۂ بزرگ معرفی و ستایش علامہ دکتر محمد اقبال رحمۃاللہ علیہ بود —

من اقبال را خلاصہ و نقاوۂ مجاھدات و مساعی جاویدان نہصد سالۂ غازیان و عالمان و ادبای اسلامی و میوۂ رسیدہ و کمال یافتۂ این بوستان نہصد سالہ دانستم و پس از ذکر دانشوران و ھنرمندان و رجال اسلامی دربارۂ ممدوح خود چنین گفتم:—

عصر حاضر خاصۂ اقبال گشت
واحدی کز صد ھزاران بر گذشت
ھیکلی گشت از سخن گوئی بپا
گفت «کل الصید فی جوف الفرا»
شاعران گشتند جیشی تار و مار
وین مبارز کرد کار صد سوار

نہایت افسوس اور رنج کی بات ہے کہ ایک صدی سے زیادہ عرصہ کی غیر ملکی حکومت کے امپیریلزم کے اثر اور تسلط کے پھیل جانیکی وجہ سے ایران اور ہمارے ہندوستانی بھائیوں کے درمیان رابطہ اور تعلق قطع ہوگیا - یہی نہیں بلکہ گاہ بگاہ ایسی تحریکیں اور ریشہ دوانیاں بھی تھیں جنکا مقصد یہ تھا کہ ہمارے درمیان موجودہ محبت ، دوستی ، حسن تفاہم اور قدرتی اتحاد کے متین اور مضبوط رشتہ کو دشمنی اور نفرت میں بدل دیں - لیکن ان فتنہ انگیزیوں اور تحریکوں کا ہرگز وہ نتیجہ نہ نکلا جو ان کے محرکوں کے پیش نظر تھا ' بلکہ فتنہ انگیزوں پر اس کا الٹا اثر پڑا ، اور یہ بات خاص کر پاکستان کے بننے کے بعد حقیقت کی صورت میں رونما ہوئی - اس بڑی اسلامی حکومت کے وجود میں آنیکے بعد ، ڈیڑھ سو سالہ پرانا وزنی اور ضخیم پردہ جو ہم اور ہمارے بھائیوں کے درمیان حائل

با نہایت اسف و دریغ بسبب بسط سیاستہای استعماری یک قرن افزون شد که رابطه و حلقهٔ طبیعی میان ایران و برادران هندوستانی وی مقطوع گردیده بود - گاه گاه نیز تحریکہا و تضریبہائی در کار بود که رشتهٔ محکم و متین رتباطات موجود دوستی و وُداد و حسن تفاهم و اتحاد طبیعی میان ما و برادران ما را بخصومت و عناد بدل سازند - لیکن هیچوقت این تفتین ها ریکات اثر مطلوب نمی بخشیده و تبعه و سوء عواقب آن به مسبب و محرک اصلی باز میگشته است -

اینمعنی مخصوصاً پس از بوجود آمدن پاکستان تحقق یافت. آری ، از ایجاد این دولت بزرگ اسلامی یکباره پردهٔ ضخیم و هنگفت صد و

کیا گیا تھا ایک دفعہ اٹھ گیا اور ناگہاں ہم نے محسوس کیا کہ ایک سو پچاس سال کی جدائی اور میل ملاپ کی کمی اور ماہرانہ شیطانی تحریکیں ہماری باہمی ہمدردی ، ہمخونی و ہم کیشی اور ہم زبانی کے تعلقات کو ذرہ بھر بھی کم نہیں کرسکیں -

اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک قطعہ زمین میں اچھے اور مختلف قسم کے بیج ڈالے گئے ہوں لیکن سورج کی روشنی اور گرمی اور پانی وہاں نہ پہنچے ہوں اور پھر دفعتاً روشنی اور حرارت کے راستے سے رکاوٹیں دور ہوجائیں اور کافی مقدار میں حرارت اور روشنی اور رطوبت کے پہنچنے سے اس قطعہ زمین کے اندر جنبش اور حرکت وجود میں آئے اور قوت نامیہ کے بیدار ہونے سے رنگا رنگ پھول اور خوشبودار شگوفے نکل آئیں -

---

پنجاه ساله که میان ما و برادران ما فروکشیده بودند، برداشته شد و ناگاه محسوس گردید که این صد و پنجاه سال جدائی و عدم حشر و آمیزش و تحریکات ماهرانهٔ شیطانی نتوانسته است ذره‌ای از روابط همدردی و هم خونی و هم کیشی و همزبانی ما و برادران ما بکاهد. عین مانند قطعهٔ خاکی که بذرها و تخمهای مفید وگوناگون در آن قطعه افشانده باشند ولی از تابش نور و ترشیح رطوبت بآن قطعه خاک مضایقت رفته باشد. مدتی گذشت که حرکت و جنبش در آن زمین بارور مشهود نمیافتاد و یکباره پس از بر طرف شدن حجاب و رفع موانع دیگر و وصول نور و حرارت و رطوبت و هوای کافی، آنزمین بجوشش و حرکت طبیعی درامده قوهٔ نامیه بوظیفه خویش قیام کرده ریاحین و گلهای بدیع سپر غمهای و شگوفنهای لطیف و خوشبوی سراز خاک برآوردند -

اب مجھے امید ہے کہ ہمارے تاریخی ارتباط اور ہمارے بزرگوں کے مساعی اور ہماری قدیم وحدت اور یگانگت کا پھل ہمیں میسر ہوگا ۔ میری آرزو ہے کہ یہ دو بدیع اور پر طراوت گلشن اور نعمت سے مالا مال دو بوستان (ایران اور پاکستان) ، پاکستان کے دو عظیم المرتبت بانیوں کی روحوں کی مدد اور دونوں ملکوں کے علماء اور ادباء کی سعی و کوشش سے آپس میں ایسے گھل مل جائیں کہ تمام ظاہری خطوط فاصل اور رسمی رکاوٹیں ان کے درمیان سے اٹھ جائیں اور اس شاعر اور مصلح اعظم کی آرزو اور مقصود کا ایک اہم حصہ یعنی وحدت مشرق کم از کم جہانتک ایران و پاکستان (جو ایشیا کے دو مہم دروازے ہیں) کا تعلق ہے، پورا ہو اور ایک صحیح شکل میں ظاہر ہو جائے ۔

اکنون امیدوارم میوہ‌ها و محصولات گرانبہائی کہ نتیجۂ سوابق تاریخی و ساعی بزرگان و وحدت و یگانگی ہزاران سالہ است، بی ہیچ مانع و رادعی فراہم آید و این دو گلشن بدیع و پر طراوت و دو بوستان طری و پر نعمت بمدد ہمت روح پر فتوح قائد اعظم جناح نوراللہ دمسہ و روان پاک علامہ دکتر محمد اقبال طاب ثراہ دو موجد بزرگ پاکستان و غیرت و سعی روز افزون دانشمندان و علماء و ادبای دو کشور چنان بہ یکدیگر متصل گردد کہ خط فاصل صوری و حجاب حایل تشریفات بالمرہ از میان بر خیزد و قسم اعظم آرزو و آمال آن شاعر و مصلح بزرگ (یعنی وحدت شرق) لا اقل در مورد ایران و پاکستان، دو دروازہ بزرگ آسیا صورت واقعی بخود گیرد و پیکر راستین پذیرد .

یہ ایک ضرب المثل ہے کہ شاعر کی فال اثر رکھتی ہے ہم ایران میں دیکھتے ہیں ایران کے نامدار شاعر اور حکیم ابوالقاسم فردوسی طوسی رضوان اللہ علیہ کی نیک فال جو بمنزلہ خدائی الہام کے تھی، کس قدر موثر واقع ہوئی، اور اس نے کس طرح ایک بکھری ہوئی قوم اور شکست خوردہ ملک کو اپنے الہامی اور آسمانی کلام سے زندہ کیا! بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ نیستی سے وجود میں لایا۔ بالکل ایسے ہی پاکستان کے وجود میں آنے کا واقعہ ظہور پذیر ہوا ہے۔ ان تمام مخالفتوں اور عداوتوں کے باوجود جو اس کی راہ میں حائل تھیں، ہم نے دیکھا کہ کس طرح اقبال لاہوری (جو خدا کی طرف سے ملہم تھے) کا جان بخش اور دل انگیز نعرہ اور اس کی مبارک فال اور اس کی جاویداں تصنیفات نے اپنا اثر دکھایا اور ایک زندہ اور جاویداں ملت اور عظیم الشان اور مفید ملک وجود میں آیا۔ لہذا یہ

ضرب المثلی است که فال شاعر کارگر است. همانقسم که دربارهٔ ایران دیدیم سخنان شاعر و حکیم نامدار ایرانی ابوالقاسم فردوسی طوسی رضوان الله علیه و فالهای خوشی که از الهامات یزدانی بوده چگونه مؤثر افتاد. ملتی منقرض شده و کشوری تارومار شده رابقوهٔ و مدد الهامات و تاثیر کلمات آسمانی خود زنده کرد بل از حیز عدم بعرصه وجود آورد. عیناً درمورد پاکستان و آنهمه مخالفتها و منافرت‌هائیکه درمیان بود، دیدیم چگونه نعرهٔ جان بخش و ندای دل انگیز اقبال لاهوری که ملهم من عندالله بود و فال‌های فرخی که زد و آثار جاویدان و پایندهٔ ایکه منتشرنمود تأثیر بخشوده و ملتی زنده و جاوید و مملکتی عظیم و مفید بوجود آورد. پس بی سبب نیست که ما نیز مانند برادران پاکستانی خود قدر چنین نابغه‌ای را دانسته و بتأثیر وجود

بغیر وجہ نہیں کہ ہم نے بھی اپنے پاکستانی بھائیوں کی طرح اس نابغۂ روزگار کی قدر پہچانی اور اس کی شخصیت اور جاویدان تصنیفات کے معترف ہیں۔ پاکستانیوں کو حق ہے کہ جس طرح ہم حکیم اور عالی قدر فردوسی طوسی کو اسلامی ایران کا بانی اور مؤسس گردانتے ہیں وہ بھی اقبال لاہوری کو (جس کی یاد میں آج کا جلسہ برپا ہے) پاکستان کا موجد اور بانی اور مشرق میں صلح و امن کا بہت بڑا سہارا سمجھیں —

جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں مجھے امید ہے ایران اور پاکستان باہمی ہمدردی، حسن تفاہم ، دلی دوستی اور مضبوط اور محکم ایمان کے زیر اثر وسطی ایشیا کی صلح اور امن کو ایک پائیدار اصول پر قائم کرسکینگے۔ مجھے یقین ہے کہ قوموں کی قوت حرکت اور ان کی آرزوں کے مقابل (خصوصاً جب اس تحریک اور آرزو کی بنیاد بشر اور عالم انسانیت کی بہبودی اور اس کی ترقی پر رکھی گئی ہو) کوئی طاقت نہیں ٹھر سکیگی۔

بسط و ترقی عمران و تمدن نہاده باشد ،هیچ قوه‌ای قادر بمقاومت نخواهد بود و آثار جاوید او اعتراف داریم و حق میدهیم همانقسم که ما ایرانیان حکیم و نابغه استاد فردوسی طوسی را موجد و بانی ایران اسلامی می شماریم، آنها نیز اقبال لاهوری را که امشب یکی از جلسات یاد بود او را رحمته الله علیه بر گزار میکنیم موجد و بانی پاکستان بزرگ و ستون صلح مشرق بشمارند.

امیدوارم چنانکه گفتیم ایران و پاکستان درسایهٔ همدردی و حسن تفاهم و روابط قلبی و ایمان محکم و قوی بتوانند پایه صلح و امنیت آسیای میانه را بر اصول استوار پایدار سازند ـ آری، در برابر قوهٔ جنبش و خواست ملل، خاصه که مبنای آن جنبش و خواهش بر خیر و صلاح و منفعت بشر و عالم انسانی

یہاں مناسب ہے اقبال کا ایک شعر تبرکاً پیش کیا جائے۔

فارغ از اندیشہ اغیار شو
قوت خوابیدہ ای بیدار شو

تو دوسروں کے خیالات اپنے دل سے نکال دے
تو سوئی ہوئی قوت ہے بیدار ہوجا

اقبال اور محیط طباطبائی

سید محیط طبا طبائی سب سے پہلے ایرانیوں میں سے ہیں جو گہرے طور پر اقبال کے کلام اور اس کی شخصیت سے متاثر ہوئے اور جنھوں نے ایران کی ادبی محافل کو اقبال سے روشناس کرانے کی کوشش کی۔ اقبال سے ان کی کئی سال تک خط و کتابت رہی اور جب ہم ایران کے اس سیاسی اور ادبی ماحول کو دیکھتے ہیں جس میں محیط اقبال کے کلام کو رواج دینے کی کوشش کررہے تھے تو تعجب ہوتا ہے۔ لیکن آج ایران میں اقبال کی مقبولیت کو دیکھکر ہم اندازہ کرسکتے ہیں کہ محیط کی نگہ کتنی دور رس اور کس قدر حقیقت شناس تھی۔ وحید دستگردی اور بہار ایسی عظیم الشان معاصر ادبی شخصیتوں نے ابتدا میں اقبال کے کلام کو قابل اعتنا نہ سمجھا۔ لیکن محیط کی

و باز جای دارد در این مقام یک بیت از اشعار اقبال را تیمناً ذکر کنم که میفرماید :—

فارغ از اندیشہ اغیار شو
قوت خوابیدہ ای بیدار شو

نظر میں ابتدا ھی سے اقبال آسمان شعر فارسی کا ایک نہایت درخشان ستارہ تھا۔ محیط کو اقبال کے کلام میں فارسی شاعری کی نئی زندگی دکھائی دے رھی تھی اور اس کا دل اور اس کی آنکھیں اقبال کی ملاقات کے لئے ھمیشہ بیقرار تھیں۔ مگر خدا کو منظور نہ تھا۔ اور محیط کی آرزو دل ھی میں رہ گئی۔

سب سے پہلے جس شخص نے اقبال کو صحیح طور پر ایرانیوں کے سامنے پیش کرنیکی غرض سے مقالات لکھے اور اپنے رسالے کا ایک خاص نمبر اقبال کے لئے وقف کیا، محیط ھیں۔ آج اس خاص نمبر کو جو گیارہ سال پہلے تہران میں چھپا مطالعہ کریں تو ایک عجیب سوز و گداز سے دو چار ہوتے ھیں. غالباً یہ محیط اور سعید نفیسی کے خطوط تھے جن سے متأثر ہو کر اقبال نے کہا :-

نوای من به عجم آتش کہن افروخت
عرب ز نغمه شوقم هنوز بی‌خبر است

محیط نے اردی بہشت ۱۳۲۴ (مطابق ۲۵ اپریل ۱۹۴۴ع) کو جو خاص نمبر شائع کیا ھمارے لئے تاریخی اھمیت رکھتا ھے. اس میں جتنے مقالات ھیں سب کے سب محیط کے اپنے قلم سے ھیں اور ان کو پڑھکر معلوم ہوتا ھے کہ اس وقت جب کہ اقبال کے متعلق ایران میں نہایت کم معلومات پہنچتی تھیں، محیط نے اس نمبر کی تدوین کے لئے کس قدر کوشش کی ہوگی - محیط کے اس شمارے میں سے اقتباسات درج کئے جاتے ھیں جن سے محیط کی اقبال سے عقیدت اور محبت اور اس کی وسعت معلومات کا پتہ چلتا ھے.

،، محیط کی آرزو ،، کے زیر عنوان آقای محیط لکھتے ہیں :-

* ،، تیرہ برس گزرے مجھے امید تھی کہ افغانستان کے پائیتخت میں ہندوستان کے معروف فلاسفر اور شاعر ڈاکٹر اقبال سے ملاقات میسر ہوگی۔
مگر خدا کو منظور نہ تھا !

اس کے ایک سال بعد میری آرزو تھی کہ فردوسی کے ہزار سالہ جشن میں ہندوستان معاصر کے سب سے بڑے فارسی زبان کے شاعر کو مشرق اور مغرب کے ادباء و فضلاء کے صدر نشین کی حیثیت سے دیکھوں۔
خدا کو یہ بھی منظور نہ ہوا !

نو سال گزرے سری راما کرشنا کے سویں روز تولد کے جشن کے موقع پر جلسہ کی انتظامیہ کمیٹی نے کانفرنس مذاہب میں شرکت کے لئے مجھے دعوت بھجوائی ۔ اس طرح اقبال سے ملاقات کے لئے ابتدائی سامان مہیا

---

*اصل متن فارسی یہ ہے۔
سیزدہ سال پیش گمان میکردم در پایتخت افغانستان توفیق ملاقات دکتر اقبال شاعر و فیلسوف معروف ہندوستان نصیبم خواھد شد ،
ولی خدا نخواست!

سال بعد از آن آرزو داشتم در جشن ہزارۂ فردوسی بزرگ ترین شاعر معاصر فارسی زبان ہندوستان را صدر نشین انجمن ادبا و فضلای شرق و غرب بنگرم ،
باز هم خدا نخواست!

نہ سال پیش از این کہ از طرف ھیئت مدیرہ جشن یاد بود سال صدم تولد سری راما کریشنا برای شرکت در کنگرۂ ادبا بھندوستان

ہوگیا لیکن دعوت نامہ جو سریع السیر ڈاک کے ذریعہ بھیجا گیا تھا تہران میں مجھے اتنی دیر سے ملا کہ ہندوستان کے سفر کا موقع گذر چکا تھا۔ اور میں اس فیض سے محروم رہا ۔

آٹھ سال گذرے ہندوستان میں اقبال کی چھیاسٹھویں سالگرہ کے موقع پر شاندار جشن منایا گیا۔

میں نے چاہا کہ بعض دوستوں سے ملکر ہندوستانی بھائیوں کے ساتھ شریک ہوں اور تہران میں اقبال کے شعر و ادب میں مقام کی مناسبت سے ایک انجمن قائم کریں ۔ لیکن موت کے ہاتھ نے مہلت نہ دی اور اس جشن کی خبر ملنے کے دو ماہ بعد اس کی وفات کا افسوس ناک واقعہ پیش آیا۔

آج سے سات سال پہلے جب موت کی طوفانی ہوا نے اس کی عمر کے درخشاں چراغ کو بجھا دیا میں نے ایک مقالہ لکھا جس میں اپنے ہم وطنوں کی

دعوت شدم. مقدمهٔ اساسی برای زیارت اقبال مهیا شده بود .

ولی باندازه ای این دعوت نامه که با پست سریع السیر فرستاده شده بود در تهران دیر بدست من رسید که دیگر مجالی برای مسافرت هند باقی نمانده بود و از آن فیض محروم ماندم .

هشت سال پیش که در هندوستان سال شصت و ششم عمر اقبال را جشن با شکوهی گرفتند با برخی از دوستان خواستیم در این شادی با برادران هندوستانی شرکت کنیم و در تهران بپاس مقام شعر و ادب او انجمنی فراهم آوریم .

ولی دست اجل مهلت نداد و دو ماه پس از وصول خبر انعقاد جشن واقعهٔ نا گوار رحلت او رو داد .

هفت سال پیش از این تند باد اجل چراغ فروزان عمر او را خاموش

اطلاع کے لئے اقبال کی زندگی کے حالات درج کئے -اور میں نے یہ مقالہ ادبی رسالہ ارمغان میں چھپوایا، اور کوشش کی کہ ادبا اور شعرا کی شرکت سے اقبال کی یاد میں مجلس سوگواری او: تذکر برپا کی جائے، لیکن ,,بندگان خدا،، نے موافقت نہ کی۔

چھ سال گذرے میں نے چاہا کہ اقبال کی وفات کے ایک سال بعد مجلس یاد بود برپا کروں اور مجلہ آموزش و پرورش کا ایک خاص نمبر اقبال کی یاد میں منتشر کروں —

,,پرورش افکار،، کے شور و غوغا نے اجازت نہ دی *

گذشتہ سال ایران کی ہیئت فرہنگی (کلچرل مشن) ہندوستان کے دورہ سے واپس آئی اور دھلی یونیورسٹی میں مشن کی پذیرائی کے واقعہ کا تمام محافل میں ذکر تھا —

کرد و مقاله ای در ترجمه احوال او برای استحضار هموطنان خویش نوشتم و در مجله ادبی ارمغان منتشر ساختم و در صدد بر آمدم از ادبا و شعرا مجلسی برای سوگواری و تذکار ذکر جمیل او گرد آورم . بندگان خدا نخواستند!

شش سال پیش از این خواستم بیاد بود سال اول وفات او مجلس تذکری فراهم آورم و از مجله آموزش و پرورش شماره ای را باقبال اختصاص دهم .

طغیان (پرورش افکار) نگذاشت!

سال گذشته که هیئت فرهنگی ایران از هندوستان باز آمد و کیفیت روز پذیرای ایشان در دانشگاه دهلی نقل مجالس شد خواستم بیاری قلم زخمی

---

* ,,انجمن پرورش افکار،، ایک سرکاری انجمن تھی جسکا مقصد ملک میں علمی ادبی ترقی تھا—

میں نے چاہا کہ اپنی قلم کی مدد سے اس زخم پر (جو ھئیت کے ایک ممبر کی نامناسب باتوں نے ھندوستان کے مسلمانوں کے دل پر لگایا) مرھم رکھوں — لیکن ملک کی سیاسی مصلحت نے اجازت نہ دی کہ کوئی تلافی کر سکوں —

لیکن آج جب کہ مختلف اجتماعی اور ادبی وجوھات کی بنا پر اقبال کے متعلق بے پروائی اور غفلت کا پردہ اٹھ گیا ھے۔ انجمن ادبی ایران و ھند کے زیر اھتمام اقبال کے ساتویں سال وفات کے سلسلہ میں تہران کے ,,فراموش کاروں،، نے ایک شاندار جلسہ برپا کیا اور میوزیم کے ھال میں لوگوں کو دعوت دی اور اقبال کے بلند مقام کے متعلق تقریریں کی گئیں —

خدا کا شکر ھے کہ اس نے یہ موقع دیا کہ میں اپنے ھم مذھب و ھم زبان شاعر کا حق (جو مجھ پر اس کی قدیم دوستی کی وجہ سے عاید ھوتا ھے) ادا کر سکوں —

را کہ ازگفتار نا ھنجاری برای دل کلیہ مسلمانان ھند وارد آمدہ بود مرھمی نہم ولی رعایت مصالح ملکی و ملاحظہ مقتضیات سیاسی نگذاشت تا خود مجالی برای جبران آن گفتار بدست آورم .

ولی امروز کہ تاثیر عوامل مختلف اجتماعی و ادبی سبب بر داشتہ شدن حجاب غفلت از روی نام اقبال شدہ و انجمن روابط ادبی ایران و ھند توانستہ است بیاد بود سال ھفتم وفات او در تہران فراموش کار، مجلس جشن با شکوھی فراھم کند و گروھی را برای تذکار مقام بلند این مرد بزرگ بتالار موزۂ باستان شناسی فرا خواند ، خدا را سپاسگزارم کہ چنین فرصتی بخشید تا دینی را کہ نسبت بآن شاعر فیلسوف ھمکیش و ھمزبان خویش بر عھدۂ آشنائی داشتم ادا کنم و این مختصر را کہ در خرداد ۱۳۱۷ راجع

یہ مختصر مقالہ میں نے خرداد ۱۳۱۷ (مئی ۱۹۳۸) اقبال کے حالات کے متعلق لکھا لیکن پولیس کے سانسور کے دفتر نے اس کو کاٹ چھانٹ دیا اور اصلی مقالہ کا نصف حصہ چھاپنے کی بھی اجازت نہ دی ۔

آج میں ۴ اردیبہشت ۱۳۲۴ (۲۴ اپریل ۱۹۴۴ع) اقبال کے ساتویں سال وفات کی مناسبت سے اسی مقالے کو دوبارہ چھاپ کر ادبا کی خدمت میں پیش کرتا ہوں —

اقبال کون ہے

اس عنوان کے تحت سید محیط طبا طبائی شدید افسوس کا اظہار کرتے ھیں کہ ایران نے کئی غیر مہم اور بے عرضہ لوگوں کو ایران آنے کی دعوت دی مگر حکومت نے اس شخص سے جس نے ایرانی فرہنگ و زبان کی سب سے بڑھکر خدمت کی بے اعتنائی برتی —

محیط لکھتے ھیں :—* ،،عراق،، مصر اور شام کے لوگ آج بھی ابن المقفع

بترجمہ* احوال او نوشتہ ام و دست تصرف سانسور شہر بانی در آن تاریخ آنرا مثلہ کردہ و بیش از نصف اصل مقالہ را ہم اجازۂ چاپ ندادہ است

اکنون بیاد بود روزچہارم اردی بہشت ۱۳۲۴ کہ مصادف با نخستنین روز از سال ہشتم وفات اوست تجدید چاپ نمودہ بدوستان او شعر و ادب تقدیم کنم .

اول اردیبہشت ماہ ۱۳۲۴

مردم عراق و شام امروز ابن مقفع و ابیوودی و ارجانی و بدیع الزمان ہمدانی و رشید وطواط را بہمان نظری مینگرند کہ جاحظ و ابوالعلا و

و ابیودی و ارجانی و بدیع الزمان همدانی و رشید وطواط کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں جس سے جاحظ و ابوالعلا و بہاءالدین زہیر اور دوسرے عربی زبان کے ادیبوں کو اور وہ اس بات کا کوئی فرق محسوس نہیں کرتے کہ معری شام میں ارجانی خوزستان میں اور بہاءالدین ظہیر مصر میں اور طواط خوارزم میں رہتے تھے ۔ " تنہا معیار وہ خدمت ہے جو ان میں سے ہر ایک، نے عربی ادب کی انجام دی ہے — اسی طرح ہم امیر خسرو اور حسن دہلوی اور فیضی دکنی کا اتنا ہی احترام کرتے ہیں جتنا کہ جامی ، خواجو اور صائب کا—

چالیس سال گذرے ہندوستان میں رابندر ناتھ ٹیگور نے اپنی مادری زبان یعنی بنگالی کے علاوہ اپنے مقصود کے بیان و تشریح کے لئے انگریزی سے فائدہ اٹھایا اور اس کی بدولت جہاں میں شہرت حاصل کی—

بہاءالدین زہیر و سایر بزرگان ادب زبان عربی را می بینند و بر ای ایشان تفاوتی ندارد که معری در شام و ارجانی در خوزستان و بہاءالدین زہیر در مصر و وطواط در خوارزم میزیستہ است .

میزان در توجه بدیشان خدمتی است که هر یک از آنان نسبت بادب زبان عرب کرده اند . هما نطور که ما نیز امیر خسرو و حسن دهلوی و فیضی دکنی را بهمان درجه احترام میگذاریم که جامی و خواجو و صائب در پیش ما منزلت دارند .

چهل سال پیش که را بیندرنات تاگور در هندوستان علاوه بزبان مادری خود (بنگالی) از زبان انگلیسی برای بیان مقصود . و معرفی افکار خود استفاده کرده از این راه شهرت جهانی تحصیل نمود یک شاعر دیگر هندوستان

ہندوستان کے ایک اور شاعر نے جو اردو زبان بولتا اور لکھتا تھا اور اردو زبان میں شعر کہتا تھا باوجود انگریزی زبان پر پورا پورا تسلط ہونے کے اپنی اس عقیدت کے سبب جو اس کو مولوی جلال الدین رومی سے ہو گئی اپنے خیالات اور اپنے اسرار کی تعبیر و بیان کے لئے فارسی زبان کو اختیار کیا — اور جس طرح ٹیگور نے اپنی بہت سی تصانیف براہ راست انگریزی زبان میں شائع کیں اس شاعر نے یکے بعد دیگرے کئی فارسی دیوان شائع کئے اور جب تک فارسی زبان دنیا میں موجود ہے اس کا نام نامی باقی رہیگا —

یہ مرد بزرگوار اور فدا کار ڈاکٹر محمد اقبال ہے جس کے ساتویں سال وفات کی مناسبت سے انجمن فرہنگی ایران و ہند نے جلسہ منعقد کیا ہے —

اس زمانے میں سابق شاہنشاہ کے حواری ہندوستان کے موہوم سرمایہ کی امید میں دوڑ دھوپ کررہے تھے اور ابھی انہوں نے ہندی

که به زبان اردو می گفت و می نوشت و سخن می سرود با وجود تسلط کاملی که به زبان انگلیسی داشت نظر بارادتی که نسبت بمولوی جلال الدین رومی یافت زبان شیرین فارسی را برای تعبیر مکنونات خاطر خود اختیار کرده و همانگونه که تاگور مستقیما بسیاری از آثار خود را بزبان انگلیسی منتشر میساخت ، این شاعر دیوان از پس دیوان به زبان فارسی انتشار میداد که تا زبان فارسی در جهان پایدار است نام نامی او باقی خواهد ماند. این مرد بزرگوار فدا کار دکتر محمد اقبال میباشد که امروز انجمن روابط ادبی ایران و هند هفتمین سال رحلت او را مجلس یاد بودی فراهم کرده است .

در آن روزی که اطرافیان شاه سابق بخیال جلب سرمایه های موهومی از هندوستان بایران درتکا پو بودند و هنوز آن جواب گدائی را از پارسیان هند

پارسیوں کا یہ جواب نہیں سنا تھا کہ ہندوستان کے پارسیوں کی روح اور ان کا دل ایرانی ہے مگر ان کا سرمایہ ہندوستان کا مال ہے اور ہندوستان میں ہی رہیگا اس لئے انہوں نے رابندر ناتھ ٹیگور کو ایران آنیکی دعوت دی تا کہ اس کی وساطت سے دین شا ، رستم مسانی اور دیگر پارسیوں کا سرمایہ ایران میں کھینچ لائیں —

لیکن ایران کے اہل دل دربار ایران کی اس بے خبری اور فراموش کاری پر پیچ و تاب کھا رہے تھے اور ان کا دل اسبات سے جلتا تھا کہ ان بے خبروں کو کیوں معلوم نہیں کہ ہندوستان میں ایک ایسا شخص بھی رہتا ہے جو تمام ہندوستانیوں سے ایران کی دعوت کا زیادہ حق رکھتا ہے — لیکن خدا کو منظور نہیں تھا کہ وہ اس دستگاہ ستم ،، سے کوئی خوشی کی یادگار باقی رہے اس لئے انہوں نے اقبال کو ایران آنے کی دعوت نہ دی —

افسوس کا مقام ہے کہ آج جب کہ انجمن روابط فرہنگی ایران و ہند اقبال کے احترام میں جشن منا رہی ہے یہ شاعر کئی سال ہوئے اس دنیا سے

نشنیده بودند که روح و قاب پارسیان هند از ایران است ولی سرمایه های ایشان مربوط بهند و در هند باقی خواهد ماند، رابیند رانات تاگور را بایران دعوت میکردند تا بهمراهی او دینشاه و رستم مسانی و سر انجام سرمایه پارسیان هندوستان را بایران بیاورند صاحبدلان این کشور از فراموشکاری و بی اطلاعی دربار و مراکز حل امور بر خود می پیچیدند و میسوختند که چرا این بیخبران نباید بدانند در هندوستان مردی زندگی میکند که بچنین دعوتی از هر کس دیگر شایسته تراست .

اما چون خدا نخواسته بود از آن دستگاه ستم خاطره خوشی در خاطر ها

دنیائے جاوید کی طرف روانہ ہوچکا ہے۔ اور اس بہشت میں مقیم ہے جہاں مولوی کی راہنمائی میں اپنی زندگی میں سفر کرچکا ہے اور سید جمال الدین و نادر اور دیگر بڑی بڑی شخصیتوں سے ملاقات کرچکا ہے۔ آج اس کی روح مولوی و سعدی و امیر خسرو و مسعود سعد و فیضی و صائب و بیدل کی ہمنشیں ہے۔

ایران کے روشن فکر لوگ اب ہمیشہ کے لئے اقبال کے مقام اور مرتبہ کو جان چکے ہیں . اور اس کا حق پہچانتے ہیں اور آج اس مجلس کے انعقاد سے اپنے دیرین اور مضبوط تعلق کو جو ان کو اقبال کی ذات سے ہے دنیا کو آگاہ کر رہے ہیں —

اخبار محیط اپنے ایڈیٹر کی مرحوم شاعر سے دوستی کی یادگرمیں اور اس

باقی بماند از دعوت اقبال خود داری کردند . ولی جای افسوس است امروز کہ انجمن روابط ادبی ایران و ہند در صدد تجلیل مقام اقبال بر آمده این شاعر سال ہاست از این جہان فانی بہ سرای باقی رخت بر بستہ و درھمان بہشتی کہ خود بر ہبری مولوی در حسیات خویش سفر نموده ارواح سید جمال الدین و نادر و بزرگان دیگر را ملاقات کرده بود امروز بصورت روح مجردی ہمنشین مولوی و سعدی و امیر خسرو و مسعود سعد و فیضی و صائب و بیدل است .

روشن فکران ایران در سابق و لاحق ہمیشہ مقام منزلت ادبی اقبال را شناختہ و نسبت با و حق شناس بوده اند چنانکہ امروز ہم با اقامہ این مجلس یاد بود نمونہ ای از علاقہ دیرین و استوار خود را بشخص شخیص اقبال بجہانیان نشان میدھند .

روز نامہ محیط ہم نظر بپاس حقوق دوستی مدیران با شاعر فقید و مقام

امر کے پیش نظر کہ وہ ادبیات فارسی میں اقبال کے لئے بہت بلند مقام کا قائل ہے، ایک نمبر اس کے ذکر خیر اور حالات کے لئے مخصوص کرتا ہے۔ امید ہے کہ ہماری اس مختصر سی خدمت کو اقبال کی پاک روح قبول کریگی اور ایران اور ہند کے درمیان حقیقی روابط میں (جو سیاسی تغیرات سے بالاتر ہیں) استحکام کا ذریعہ بنے گی۔

ترجمان حقیقت

* "ترجمان حقیقت" کے زیر عنوان اسی نمبر میں محیط لکھتے ہیں:-

در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست
همچو مردان جان سپردن زندگیست

(اگر دنیا میں مردوں کی طرح زندہ نہ رہ سکیں
تو مردوں کی طرح جان دے دینا ہی زندگی ہے)

وفیعی که بر ای اقبال در ادبیات فارسی قائل است شماره ای را بذکر خیر و ترجمه احوال آن مرحوم اختصاص میدهد.

امید واریم این مختصر خدمت ما مورد قبول روح پاک اقبال قرار گرفته و موجبات تشیید روابط حقیقی ادب ایران و هند در خارج مرحله تحولات سیاسی فراهم آید.

* در جهان نتوان اگر مردانه زیست
همچو مردان جان سپردن زندگیست
(اقبال)

ابھی ہند و ایران کے مشہور شاعر اقبال کی عمر کے چھیاسٹھویں سال کے جشن کی وجہ سے دوستان فضل و ادب دنیا کے گوشے گوشے میں خوشی منارہے تھے کہ ناگہاں اس کی موت کی افسوسناک خبر نے مشرق اور مغرب میں اس کے دوستوں اور ارادتمندوں کے دلوں کو داغدار اور سوگوار بنادیا —

میں چند سال سے اس نام آور شخص کی ادبی تصنیفات کا عاشق ہوں اور میرے اور اقبال کے درمیان غائبانہ دوستی کا رشتہ مضبوط ہوچکا ہے. ایک ماہ پہلے جب میں نے خارجی ممالک کے اخبارات مورخہ (۹ جنوری ۱۹۳۸ ع) میں اقبال کے چھیاسٹھویں سال کی مناسبت میں ہندوستان میں جشن کی خبر پڑھی تو میری آرزو تھی کہ اقبال کی ادبی خدمت کا حق ادا کروں اور اقبال کے فارسی دیوانوں کے چند سالہ مطالعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس خوشی کے موقع پر ایک رسالہ یا مقالہ تحریر کرکے اپنے ہم وطنوں کی خدمت میں

هنوز مژده جشن شصت و شش سالگی اقبال سخن سرای نامی هند و ایران سلسله جنبان خرسندی و شاد کامی دوستان فضل و ادب او در سر تا سر گیتی بود که ناگهان خبر ناگوار مرگ وی دلهای دوستداران و ارادتمندان شرق و غرب را داغدار و سو گوار ساخت.

نگارنده این سطور که از چند سال پیش بدینطرف دلباخته و فریفته آثار ادبی این مرد نامی شده و از این راه پیوند دوستی غایبانه ای از دو سو استوار گشته بود یکماه پیش بوسیله روز نامه های خارجی خبر خوش جشن های ۱۷ بهمن ۱۳۱۶ (۹ ژانویه ۱۹۳۸) هندوستان را بافتخار شصت ششمین سال زندگانی او شنیده میخواست وام ادبی را که نسبت به اقبال عهده داراست در این روز ها ادا کرده و نتیجه مطالعاتی را که دیر زمانی است در دیوان

پیش کروں اور ان سے درخواست کروں اس شیریں زبان شاعر کے احترام میں اس ملک کے شعرا، اور صاحبان فضل و ادب کی طرف سے اظہار تشکر کریں ۔ لیکن اس غم انگیز واقعہ سے یہ ساری تجویزیں دھری کی دھری رہ گئیں اور مجھے اس قدر رنج اور صدمہ ہوا کہ نہ میرے قلم میں یارائے تحریر نہ زبان کو یارائے بیان تھا ــ میں نے خاموشی اور فراموشی کی راہ اختیار کی۔

ایک دن میرا ایک دوست جو میرے خیالات سے آشنا تھا میری ملاقات کو آیا اور اقبال اور اس کی تصنیفات پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ تم اس نامور شاعر کے حالات زندگی اور اس کے فضل و کمال اور تصنیفات پر کچھ لکھو یہ تمہارے لئے باعث تسلی ہوگا ــ اس دوست نے بہت اصرار کیا اور بالاخر میں نے اس کی تجویز قبول کرلی ــ

میں اقبال کی پاک روح اور تابناک افکار سے مدد چاہتا ہوں تاکہ میں اسکی زندگی کے مختصر حالات اور اسکے فضل اور ادب کے

های فارسی او کرده و صورت رساله، یا مقاله، بیاد بود این شاد کامی و دلخوشی به محضر علاقه مندان آثار ادبی او در میهن گرامی تقدیم کند و از ایشان خواستار شود که بپاس احترام این شاعر شیرین زبان در این کشور نیز از طرف سخن سرایان و صاحبان فضل و ادب اظهار سپاسگذاری شود . حدوث این واقعه غم انگیز چنان رشته این اندیشه و نظائر آنرا از هم گسیخت و چندان دل افسردگی و پریشانی بار خاطر شد که دیگر خامه را توانائی نگارش و زبانرا نیروی گذارشی نماند، تسلیت خاطر را در خاموشی خود دید تا یکی از دوستان که بر آن عزم رهی آگهی داشت بدیدارم آمد و سخن از اقبال و آثار او در پیش آورد و دلجوئی مرا در خواهش نگارش گزارش زندگانی آن سخنور نامور و نشر فضایل و اوصاف و آثار وی جست و چندان اصرار ورزید

متعلق یہ مختصر شرح اسکے فارسی زبان دوستوں اور ہوا خواہوں کے سامنے پیش کرسکوں۔ لیکن میں اپنی قوت بیان کی نارسائی کے لئے معذرت چاہتا ہوں۔ لسان الغیب حافظ صحیح فرماتے ہیں :۔

کی شعر تر انگیزد خاطر که حزیں باشد
یک حرف ازین دفتر گفتیم و همین باشد

اصل مطلب شروع کرنے سے پہلے شعر و ادب کے دوستوں کیطرف سے اقبال کے خاندان اور پسماندگان کی خدمت میں اظہار ہمدردی کرتا ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ جسطرح غالب و شبلی کی موت کے بعد ہندوستان میں فارسی شعر کو نئی زندگی دینے کے لئے اقبال کو پیدا کیا پھر اسکے خاندان سے یا ہندوستان کے دیگر فارسی دوستوں میں سے

که بانجام درخواست او راضی شدم و اکنون از روح پاک و اندیشه تابناک اقبال همت می طلبم تا مجملی از سر گذشت دوره زندگی و مقام فضل و ادب وی را در این مختصر بہ محفر هواخواهان و طرفداران فضل و ادب وی در کشور های فارسی زبان تقدیم نموده از نارسائی و کوتاهی سخن در این مقام پوزش میخواهم زیرا بگفته لسان الغیب حافظ شیرازی

کی شعر تر انگیزد خاطر که حزین باشد
یکحرف ازین دفتر گفتیم و همین باشد

پیش از آنکه وارد اصل مطلب شویم از طرف عموم دوستان شعر و ادب بیازماندگان و دودمان وی تسلیت گفته از خداوند آرزو میکنیم چنانکه نظر لطف وی پس از مرگ غالب و شبلی سخنوری همچون دکتر اقبال را برای احیای شعر فارسی در هندوستان بر انگیخت بار دیگر بچشم مهربانی نگریسته از

کسی کو پیدا کرے تاکہ اس مقدس شعلہ کی روشنی جو مسعود سعد سلمان، امیر خسرو، فیضی، غنی و بیدل کی یادگار ہے نزدیک و دور پھیلا سکے - میں اپنی عقیدت و محبت کی پیش کش کو اقبال کے مندرجہ ذیل کے اشعار کے ذریعہ جو اقبال کے ادبی لقب کی مانند ترجمان حقیقت ہیں پیش کرتا ہوں :-

ای صبا ای پیک دور افتادگان
اشک ما برخاک پاک او رسان
ای صبا ای رہ نورد تیز گام
بر طواف مرقدش نرمک خرام
چونکہ در خواب است پا آہستہ نہ
غنچہ را آہستہ تر بکشا گرہ
خوش بگو ای نکتہ سنج خاوری
ای می زیبد ترا حرف دری
محرم رازیم باما راز گوئی
آنچہ میدانی ز ایران باز گوئی
ای بہ آغوش سحاب ما چو برق

دودمان اقبال یا دوستان دیگر فارسی زبان در ہند کسی را بر انگیزد تا این شعلہ مقدس را کہ یاد گار مسعود سعد سلمان و امیر خسرو و فیضی و غنی و بیدل است در دست گرفتہ پرتو آن را بدور و نزدیک بفرستد .

از خدا وند خواستارم کہ ہمچون حلقہ ارتباط ادبی درمیان ایران و ہند پایدار نگاہ دارد و مراتب علاقہ مندی خود را نسبت بفقید مزبور با این چند بیت کہ ہمچون نام ادبی اقبال ترجمان حقیقت است از زبان خود او اظہار میکنم .

روشن و تابندہ از نور تو شرق
سوختیم از گرمی آواز تو
ای خوش آنقومی کہ داند راز تو
از غم تو ملت ما آشنا است
می شناسیم این نوا ها از کجاست *

اس تمہید کے بعد محیط طبا طبائی نے اقبال کی زندگی کے حالات اور اسکی تصنیفات پر مختصر نظر ڈالی ہے اور ہم اسکے مکمل ترجمہ یا اقتباس کی ضرورت نہیں سمجھتے - مگر اقبال کی زندگی کے حالات بیان کرنے سے پہلے محیط نے جو تمہیدی نوٹ لکھا ہے اسکو یہاں نقل کیا جاتا ہے-

اقبال کی زندگی

تنم گلی ز خیابان جنت کشمیر
دل از حریم حجاز و نوا ز شیراز است
میرا بدن ایک پھول ہے جنت کشمیر کے خیابان سے
میرا دل حریم حجاز سے اور میری نوا شیراز سے ہے

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی
برهمن زادۂ رمز آشنای روم و تبریز است
مجھے دیکھو کہ کیونکہ ہندوستان میں پھر نہیں دیکھ سکو گے
کہ ایک برہمن زادہ روم و تبریز کے اسرار سے آشنا ہے

* یہ اشعار جو حسب حال ہیں فاضل مقالہ نگار نے اسرار خودی، جاوید نامہ اور مسافر سے انتخاب کئے ہیں -

ز شعر دلکش اقبال میتوان دریافت
که درس فلسفه میداد و عاشقی ورزید

اقبال کے دلکش اشعار سے ہم جان سکتے ہیں
کہ وہ فلسفے کا سبق دیتا ہے اور عشق بازی کرتا ہے

نه شیخ شہر و نه شاعر نه خرقه پوش اقبال
فقیر راه نشین است و دل غنی دارد

اقبال نہ شیخ شہر ہے نہ شاعر اور نہ خرقہ پوش ہے
وہ فقط ایک فقیر راہ نشیں ہے مگر اسکا دل غنی ہے

ان چار شعروں کا خلاصہ مطلب جو میں نے پیام ,, مشرق،، کی فصل ,, می باقی،، سے انتخاب کئے ہیں در حقیقت اسکی زندگی کا خلاصہ ہے۔ کیونکہ اقبال ایک قدیمی خاندان کا فرد ہے جس نے مدتوں کشمیر میں زندگی بسر کی اور اسکے اجداد دو سو تیس سال قبل برہمن مذہب کے پیرو تھے۔ اس خاندان کے افراد کا شمار مشہور پیشواؤں میں ہوتا تھا اور ان میں سے اغلب کو ,, پنڈت،، کا مذہبی درجہ حاصل تھا۔ پھر اقبال کے بزرگوں میں سے ایک شخص نے کسی مسلمان عارف کے ہاتھ پر جو کشمیر میں

مفاد این چهار بیت که از غزلهای بخش ,, می باقی ,, دیوان ,, پیام مشرق،، اقبال برگزیده ایم در حقیقت خلاصه تاریخ زندگی اوست . چه اقبال از یک خاندان قدیمی است که در کشمیر سالیان دراز میزیسته اند و نیاکان او تا دویست و سی سال پیش پیرو کیش برهمنائی بودند افراد این خاندان از پیشوایان مذهبی نامی بشمار می آمده و غالبا درجه روحانی ,, پندت،، داشته اند تا آنکه یکی از نیاکانِ او بدست عارف مسلمان که در کشمیر داعی

اسلام کا مبلغ تھا، اسلام قبول کر لیا۔ اقبال کے خاندان کو گذشتہ دو سو سال میں اسلامی رسوم و آئین میں گہری دلچسپی اور دلبستگی رہی ہے۔ اسی مدت میں اس عارف اسلامی کی صوفیانہ روح اس خاندان کے افراد میں داخل ہوگئی اور تمام خاندان پر ہمیشہ صوفیانہ عرفان اثر انداز رہا ہے۔

اقبال کی تصنیفات

اقبال کی تصنیفات اور انکی شان نزول کے متعلق سب سے پہلے سید محیط ہی نے اظہار نظر کیا ہے۔ چنانچہ ایک مختصر اقتباس ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں جن سے محیط کی وسعت نظر اور اقبال سے ارادت اور عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب ابھی خود ہندوستان میں لوگوں نے اقبال کے نظریات اور خیالات کا درست جائزہ نہیں لیا تھا مگر یہ ایرانی ادیب اقبال کی طرز فکر اور اسکی نفسیاتی بیک گراونڈ (زمینہ) سے خوب آشنا تھا۔ حافظ کے ساتھ والہانہ عشق و عقیدت کے باوجود اقبال کی شدید تنقید کو (جو اسنے حافظ کے تصوف پر کی) محیط نہایت ٹھنڈے دل سے سنتے ہیں اور اقبال کے اصلی مقصد کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں اس بات کا ذکر کر دینا مناسب ہوگا کہ مثنوی اسرار خودی کا پہلا ایڈیشن جس میں اقبال نے حافظ کے طرز تصوف

کیش اسلام بوده قبول اسلام نمود و این خاندان در مدت دویست سال پیوسته به آئین و رسوم اسلامی دلبستگی کامل داشته اند. درهمین سال روح تصوف آن داعی عارف در کالبد افراد این خاندان دمیده شده همگی روشی عرفانی و روحی صوفیانه یافته اند.

پر تنقید کی ہے بعض ایرانی علما کی نظر سے گذرا ہے اور اسکے متعلق عموماً ان کا یہ کہنا ہے کہ اقبال نے حافظ کے تصوف کو ٹھیک طور پر نہیں سمجھا ہوگا۔ ایرانی علماء و ادبا کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا کہ کسی پہلو سے حافظ کے تصوف پر انتقاد یا اسکی مخالفت میں کچھ کہا جا سکتا ہے۔

*بہر حال محیط لکھتے ہیں :- پہلی جنگ عالمگیر کے وقت اقبال ایک دور کے گوشے سے یورپ اور ایشیا میں ترکوں کی فوجی جنبش کو پر امید نگاہ سے دیکھتا تھا۔ جب انگریزوں نے بین النہرین (عراق) کا علاقہ ترکوں سے چھین لیا تو اسکی امید ٹوٹ گئی۔ اور اسی وقت اسکے خیالات میں بہت بڑا انقلاب پیدا ہوا۔ وہ اہل غرب پر بھروسہ کرنے کے بالکل مخالف ہوگیا اور اس نے خود پروری اور آئندہ نسلوں کی تربیت کی بنیاد پر زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ایک نئے فلسفے کی بنیاد رکھی۔

مثنوی اسرار خودی (جو ۱۹۱۶ع میں چھپی) کی اساس اسی طرز

---

*در دوره جنگ جهانگیر اقبال مانند مرد سراقبی بود که از دور جنبش نظامی عثمانی را در آسیا و اروپا با چشم امیدواری مینگریست و همینکه سپاه انگلیس بین‌النهرین را از ترکان گرفت تیر امید او بهدف نیامد ولی در همین حال تغییر فکر عظیمی برایش رخ داد و منکر اتکاء و توسل بغیر شد و فلسفه تازه خود را بر اساس خود پروری و تربیت نسل جدیدی برای موفقیت در زندگانی ابداع نمود.

کتاب فارسی مثنوی اسرار خودی که در ۱۹۱۶ انتشار یافت بر

تفکر پر ہے۔ اقبال نے جرمنوں کی طاقتور حکومت کی مساعدت کا ترکوں کے لئے کوئی فائدہ نہ دیکھا۔ اقبال نے اپنے زمانے کے سست اور بے جان عرفان کے اصولوں کو چھوڑ کر نئے تصوف کی (جو صفوی زمانے کی تصوف کی طرح کوشش، جرأت اور اتکا بنفس پر مشتمل تھا) بنیاد رکھی۔ اور اسکی تمام تقریریں۔ فارسی اور اردو کی ادبی تصانیف اسی خیال کی تفسیر ہیں۔

اقبال لندن سے واپسی پر اتحاد اسلامی کا (جو سید جمال الدین، مرزا آقا خان کرمانی، محمد عبدہ، اور سعید حلیم پاشا کی یادگار ہے) حامی بن گیا لیکن جنگ بین الملی نے اس کے اس سادہ عقیدہ کو بدل دیا اور اسکی بجائے ایک نیا تصور وجود میں آیا۔ اقبال کو یقین نہ تھا کہ دور افتادہ اسلامی ممالک میں ایک سیاسی وحدت اور حکومت قائم ہو سکتی ہے۔ اس لئے اب اسکا یہ خیال ہوا کہ ہر ایک ملک کے لوگوں کو چاہئے کہ جداگانہ اپنی آزادی کے لئے کوشش کریں۔

همین شالوده استوار گشته و اقبال که از مساعد تهای دولت نیرومند آلمان و آوازه جاه و جلال امپرا طور ویلهام هیچ سودی برای مسلمانان عثمانی ندیده بود یکباره پشت پا بر مبادی سست عرفانی عصر خود زده تصوف جدیدی نظیر تصوف خاندان صفوی مبتنی بر کوشش و دلاوری و اتکا بنفس و دلداری بمرحله ظهور در آورد که کلیه آثار ادبی و فارسی و اردوی او و خطابه های که بزبان انگلیسی در اروپا و آسیا و افریقا ایراد کرده در حقیقت مفسر این فکر اساسی بود اقبال در باز گشت از لندن پیرو فکر اتحاد اسلام که یادگار سید جمال الدین و میرزا آقا خان کرمانی و محمد عبده و سعید حلیم پاشا بود شد اما جنگ بین الملل در بنیان این اعتقاد ساده او رخنه افکند و از خلال آن فکر دیگری بوجود آمد.

۱۹۱۶ء میں مثنوی اسرارخودی چھپ گئی اور هندوستان کے عمومی اسلامی ماحول میں اسکا عجیب اثر هوا۔ اسکا اقبال کی سابق هر دل عزیزی پر اثر پڑا کیونکه اس مثنوی میں اقبال نے بے جان عرفان، بے نور اور راکد تصوف پر حمله کیا تھا۔ اور حتی که تمام شعرا پر جنھوں نے اس قسم کے اشعار کہے هیں اعتراض کیا تھا۔

اقبال نے باوجود مخالفین کے شور و غوغا کے میدان مبارزه سے قدم پیچھے نه هٹایا اور ۱۹۱۸ میں مثنوی ,,رموز بیخودی،، (جو نام کے لحاظ سے پہلی کتاب کا جواب مخالف معلوم دیتی هے) شایع کی لیکن در حقیقت یه مثنوی بھی اسکے پہلے نظریات کی تائید و تفسیر میں هے۔

بهر حال مثنوی اسرار خودی کے جدید ایڈیشن میں اسنے بعض اشعار

اقبال دیگر باور نداشت که یک وحدت سیاسی و فرمانروائی بتوان در این کشور های دور از هم افتاده ایجاد کرد بلکه عقیده پیدا کرد که مردم هر یک از این کشور ها باید تنها بر ای تحصیل استقلال و عظمت خود بکوشند. هنوز آتش جنگ خاموش نشده بلکه سر نوشت آن هم معلوم نبود که مثنوی اسرار خودی بزبان فارسی انتشار یافت (۱۹۱۶) این مثنوی در میان توده های انبوه مسلمان هند تاثیر غریبی بخشید و اقبال را پس از یکدوره طولانی محبوبیت عمومی از نظر ها افکند زیرا در آن مثنوی بعرفان سست و تصوف راکد و خاموش تاختہ بود و حتی از کلیه سخنورانی که در این بابت سخن سروده بود خرده ها گرفته اندیشه های هر یک را مورد انتقاد قرار داده بود.

اقبال باوجود هیاهوی مدعیان از میدان مبارزه فکری بیرون نرفت و در

نکال دئے ھیں۔ اور اسکے چوتھے ایڈیشن میں جو خود اقبال نے مجھے بھجوایا ہے وہ اشعار جن پر لوگوں کو اعتراض تھا ، موجود نہیں۔ انہیں دنوں انگلستان کے عارف مشرب مستشرق نیکلیسن نے مثنوی اسرار خودی کا انگریزی زبان میں نہایت اچھا ترجمہ کیا۔ اور بمع اپنے تنقیدی مقدمہ کے شائع کیا۔ اور اس ذریعہ سے اس نے یورپ اور امریکہ کی ادبی محافل سے اقبال کو آشنا کرایا ۔ مغرب کے تنقید نگاروں نے اپنے ادبی رسالوں میں مقالات لکھے اور اقبال کا بھی اپنے ہم وطن ٹیگور کی مانند دنیا کے نامور شعرا میں شمار ہونے لگا۔

دیوان (پیام مشرق) اقبال کو زبان فارسی کے ایک کامل شاعر کی حیثیت سے پیش کرتا ہے کیونکہ اس مجموعہ اشعار میں شعر فارسی کی مختلف اقسام یعنی غزل ، دوبیتی ، رباعی ، مثنوی ، سرود ، قطعہ کو اسنے

سال ۱۹۱۸ مثنوی رموز بی خودی را که از حیث نام ضد کتاب اول بنظر میاید ولی در حقیقت مفسر و مبین همان نظریه است بفارسی انتشار داد . در چاپهای جدید اسرار خودی برخی از بیتهای آنرا حذف کرد چنانکه در چاپ چهارم که خود بنام بنده دستخط نمود و فرستاده است اثری از آن ابیات نیست .

در این ایام نیکلسون خاور شناس عارف مشرب انگلیسی ترجمهٔ شیوائی از اسرار خودی با مقدمه انتقادی بزبان انگلیسی انتشار داد و اقبال را در محافل ادبی اروپا و امریکا نامور و سر شناس ساخت . نا قدین غربی در مجله های ادبی و روز نامه ها بانتقاد او خامه گشودند در نتیجه اقبال نیز مانند تاگور هموطن خود سخنور جهانی بشمار آمد .

انتشار این دیوان (پیام مشرق) اقبال را یک شاعر کامل فارسی

فارسی زبان کے لوگوں کے مطالعہ کے لئے پیش کیا ہے۔

اقبال کی شہرت آہستہ آہستہ تمام اسلامی ممالک میں پھیل گئی اور ۱۹۳۱ میں اسے انجمن اسلامی فلسطین میں شرکت کے لئے دعوت دی گئی اور اسلامی نمائندوں نے اسکو سب سے پہلی صف میں جگہ دی کیونکہ ادبی اور دینی شہرت کے پہلو بپہلو اسکو قومی اور سیاسی شہرت بھی حاصل تھی۔ اور یہ امتیاز دیگر اعضائے انجمن میں سے کسی کو حاصل نہ تھا۔

اقبال و ایران

اس عنوان کے تحت محیط لکھتے ہیں:۔

* "اقبال سب سے پہلے ایک مسلمان ہے دوسرے درجہ پر ہندی اور تیسرے درجہ پر ایرانی ہے۔ اسکو ایرانی تاریخ ، زبان ، فلسفہ اور اوضاع

زبان معرفی کردہ زیرا در این مجموعہ اقسام گونا گون سخن را از غزل، دو بیتی رباعی ، مثنوی ، سرود ، قطعہ بمعرض مطالعہ فارسی زبانان قرار داد .

شہرت اقبال کم کم در سراسر کشور ہای اسلامی گوشزد عام و خاص شدہ چنانکہ در سال ۱۹۳۱ بر ای شرکت در انجمن مسلمانان بفلسطین دعوت شد و نمایندگان اسلامی او را در ردیف اول جای دادند زیرا اقبال اہمیت ادبی و دینی را با شہرت ملی و سیاسی توام داشت. این فضیلتی بود کہ او را از ہمہ اعضای دیگر امتیازی می داد .

---

* "اقبال در درجہ اول مسلمان و در مرتبہ دوم ہندی و درجہ سوم ایرانی است. علاقۂ او بتاریخ زبان، فلسفہ، سیاست و اوضاع اجتماعی ایران

اجتماعی میں جتنی دلچسپی ہے اتنی ہی اسکو اپنی زاد و بوم کے مسائل سے ہے۔ اقبال کے کلام میں ہر جگہ اسکا اسلامی ممالک سے عشق ہویدا ہے۔ لیکن ایران اور افغانستان کے لوگوں سے وہ غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کرتا ہے۔

اقبال نے پیام مشرق میں اپنی اس باطنی محبت کے چہرہ سے پردہ اٹھادیا ہے۔ اور جاوید نامہ میں بھی اس نے اپنے آپ کو ایران اور افغانستان کا حقیقی دوست، ظاہر کیا ہے لیکن ایران و افغانستان سے طرفداری اسکے نسلی تعصب کی وجہ سے نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان دو مسلمان قوموں کو ہمسایگی اور فرہنگ و زبان کی نزدیکی کے باعث اپنے نزدیک تو گردانتا ہے اور ان سے عشق کا اظہار کرتا ہے۔

اقبال افغانستان ، ایران اور ہندوستان کے لوگوں کو ان ریشہ دوانیوں کے

کمتر از علاقه ای نیست که نسبت بزاد و بوم اصلی خود دارد .

در شعر اقبال آثار تمایل شدید او نسبت بکلیه ممالک و ملل مسلمان جهان همه جا نمودار ولی آنچه بیشتر پدیدار است محبت زایدا لوصفی است که بدوملت افغان و ایران اظهار میکند .

اقبال در دیوان پیام مشرق پرده از این مهر درونی بر داشته و در کتاب جاوید نامه خود را یک ایران پرست و افغان دوست حقیقی معرفی میکند . ولی این تظاهر بطرفداری از ایران و افغانستان مربوط بمساله تعصب نژادی و ملاحظات تاریخی نیست بلکه این دو ملت را چون از برادران اسلامی دیگر از حیث مکان و فرهنگ و زبان بخود نزدیکتر مینگرد با آنها بیشتر نرد محبت میبازد و خود میگوید :—

خطره سے آگاہ کرتا ہے جنکی اسکیمیں جامع اسلامی کو درہم برہم کرنے کی غرض سے یورپ میں بنائی جاتی ہیں —

اگرچہ پہلوی کے زمانے کی سوشل تبدیلیاں اس کے عرفانی مذاق کے موافق نہیں تھیں اور ایران کے حالات کو تنقید اور مایوسی کی نگاہ سے

تو ای کودک منش خود را ادب کن
مسلمان زاده ای ترک نسب کن
برنگ احمر و خون و رگ و پوست
اگر نازد عرب ترک عرب کن

نه افغانیم و نی ترک و تتاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است
که ما پرورده یک نو بهاریم

هنوز از بند آب و گل نه رستی
تو گوئی رومی و افغانیم من
من اول آدم بی رنگ و بویم
از آن پس هندی و تورا نیم من

باز میگوید:

اگرچه زادهٔ هندم فروغ چشم من است
ز خاک پاک بخارا و کابل تبریز
تنم گلی ز خیابان جنت کشمیر
دل از حریم حجاز و نوا ز شیراز است

اقبال همیشه مردم افغان و هند و ایران را از دسایس اجتماعی که برای برهم زدن جامهٔ اسلامی در اروپا طرح شده و در کشور های ایران و ترکیه و



علامه دهخدا



سید تقی زاده



محمد حجازی مطیع الدوله



سید محیط طباطبائی

دیکھتا ہے لیکن رومی کی راہنمائی کے سبب اسکو ایرانی روحانیت سے اسقدر معنوی عشق تھا کہ خود ایران میں کسی روشن فکر ایرانی کو بھی نہ ہوگا۔

اقبال ہندوستان کی سر زمین میں پیدا ہوا لیکن اسکی ذہنی ترقی و پرورش ایرانی زبان اور افکار کی آغوش میں ہوئی ۔ اگرچہ بظاہر وہ لاہور کی خاک میں مدفون ہے اسکا اصلی مزار اہل دل کے سینوں میں ہے جو اسکے سات فارسی دیوانوں میں اسکی ابدی ادبی زندگی کو مشاہدہ کرتے ہیں

هند تطبیق میشود حذر میداد (و در جاوید نامه که بر هبری جلال‌الدین رومی تا بهشت و دوزخ و سفر کرده و در فردوس اعلی نادر شاه و سید جمال‌الدین وسعید حلیم پاشا را دیده از زبان آنها شکوه ها میگوید و براین حس تحقیری که نسبت باوضاع اجتماعی دیرینه کشور ها در این سر زمینها بوجود آمده نوحه و ندبه میکند). هر چند تحولات اجتماعی دورهٔ پهلوی چندان بمذاق عرفانی او خوش نمی آمدو اوضاع ایران را از دیدهٔ انتقاد و یاس مینگریست اما بارشاد روح پر فتوح مولوی همواره انس و الفت معنوی او با روحیات ایرانی بیش از آنحدی بود که حتی در یکنفر ایرانی روشن فکر وجود داشته است .

اقبال در سر زمین هندوستان بدنیا آمد ولی در آغوش و زبان و اندیشه ایران رشد پیدا کرد و بیش از آنچه بزبان اردو نسبت وطن خود خدمت نموده خدمتگزار زبان و ادب فارسی و دوستدار ایران و ایرانی محسوب میشود . گرچه بظاهر امروز در لاهور سر بخاک هند فرو برده ولی مزار حقیقی او در قلوب مردم صاحبدلی است که از خلال دیوان های هفتگانه ادامهٔ حیات ابدی و ادبی او را مشاهده میکند :

هرگز نمیرد آنکه دلش زنده شد بعشق
ثبت است بر جریدهٔ عالم دوام ما

••

شعر اقبال

اس عنوان کے تحت میں محیط فارسی شاعری پر سیر حاصل تبصرہ کرتے ھیں اور فرماتے ھیں: —

*اقبال نے اردو اور فارسی دو زبانوں میں شعر کہے ھیں۔ اسوقت اسکے سات فارسی کے اور دو اردو کے دیوان ہمارے پاس موجود ھیں جنمیں سے اغلب کئی بار چھپ چکے ھیں۔ چونکہ ھم زبان اردو کے اصول فصاحت سے آشنا نہیں اسلئے اس کے اردو شعر کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن فارسی زبان کے متعلق اسکی تقلید و مطالعہ پر اظہار نظر کرنا آسان ھے۔ اقبال نے ان سات فارسی دیوانوں میں شعر فارسی کے مختلف اقسام مثلاً مثنوی، دوبیتی، غزل، قطعہ، سرود اور رباعی پر طبع آزمائی کی ھے اور معنی اور مضمون کے لحاظ سے ھر ایک میں دلکش اور لطیف تعبیرات کے ذریعہ اپنا مقصود بیان کرنے میں کامیاب ھوا ھے —

---

* ,,اقبال بدو زبان فارسی و اردو شعر سروده چنانکه امروز هفت دیوان فارسی و دو دیوان اردو از او در دست داریم که برخی از آنها تاکنون چند مرتبه بچاپ رسیده است .

برای ما وقوف بر کیفیت سخن اردوی او غیر ممکن است زیرا از اصول فصاحت اردو اطلاعی نداریم۔

اما در زبان فارسی او برای ما مجال تتبع و اظهار نظر بیشتر است اقبال در این هفت دیوان خود باقسام سخن فارسی از مثنوی و دو بیتی و غزل و قطعه و سرود و رباعی طبع آزمائی کرده و از حیث معنی و مضمون در هر نوبتی بخوبی از عهده بیان مقصود با تعبیرات دلکش و لطیف بر آمده است .

، اگر کوئی شخص آج کی فارسی نظم و نثر سے مانوس ہو اور اس نے نظم و نثر کے بنیادی قواعد حافظ اور سعدی کے کلام سے اخذ کئے ہوں اور نثر کا اسٹائل قائم مقام اور اس کے پیروؤں سے سیکھا ہو تو جب وہ اقبال کے کلام کو مطالعہ اور تنقید کی نگاہ سے دیکھے گا تو اسکو اسمیں کسی حد تک غیر مانوس تعبیرات اور ابہام مضمون اور تعقید لفظی و معنوی نظر آئیگی اور وہ سمجھے گا کہ شعر کہنے کا یہ اسلوب بیان شاعر کے زبان فارسی پر پورا پورا تسلط نہ ہونیکا نتیجہ ہے اور وہ خیال کریگا کہ اگر اقبال چند سال ایران کے ماحول میں رہتا اور آج کل کی عمومی زبان سے مانوس ہو جاتا تو یہ بیگانگی اور تعقید بیان اسکے کلام سے جاتی رہتی - لیکن میں عرض کروں گا کہ یہی شعر جو ایک ایرانی تنقید نگار کی نگاہ میں تعقید سے خالی نہیں اسی موجودہ زمانے میں بھی دریای سیحون کے ساحل

کسی کہ انس دائمی با شعر و نثر فارسی امروز داشتہ و قواعد اساسی نظم و نثر را از کلام حافظ و سعدی فرا گرفتہ و روش نثر را از قائم مقام و پیروان سبک او آموختہ باشد وقتی سخن اقبال را از نظر تتبع و انتقاد بنگرد آثار غرابت تعبیر و ابہام و مضمون و تعقید لفظی و معنوی را در آن فراوان می بیند و چنان میپندارد کہ این اختلاف اسلوب سخنسرائی در نتیجہ عدم تسلط شاعر بر زبان فارسی بودہ و گمان میکند کہ اگر اقبال چند سالی را در محیط ایران زندگی میکرد و با زبان تکلم امروز مردم کشور ما انس می یافت بیشک این آثار غرابت و تعقید از زبان او زایل میشد.

اما ہمین سخن کہ بنظر ناقد ایرانی خالی از تعقید نمی آید در ہمین عصر در خاور فلات ایران از کنار سیحون تا ساحل گنگ ہمہ جا مطبوع طبع

سے لے کر گنگا تک تمام جگہ ترکستان ، افغانستان اور ہندوستان کے سخن سنجوں کی نظر میں پسندیدہ ہے اور اقبال کے بدیع اشعار ان ممالک کے لوگوں کے لئے شہد و شکر سے شیریں تر ثابت ہو رہے ہیں۔

یاد رہے کہ فارسی زبانوں کا ایک وہ گروہ ہے جنھوں نے فارسی زبان کو دیوان بیدل صائب، کلیم، طالب، عرفی وغیرہ نے حاصل کیا ہے۔ اور یہ لوگ عہد صفوی کے بڑے بڑے شعرا کو (جنکا اسٹائل ہندی اسٹائل کے نام سے معروف ہے) اسی احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس سے ہم سعدی ، حافظ، عراقی اسٹائل کے دیگر شعرا کو احترام اور حیرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں*

یہ تعبیرات (الفاظ اور اصطلاحات) جو ایرانی قارئین کو اقبال کے بیان کی کمزوری یا ابہام مضمون یا اسٹائل کا نیا پن معلوم ہوتا ہے پرانے

سخن شناسان ترکستان و افغانستان و هندوستان است و گفته های بدیع اقبال درکام جان مردم این کشور ها شیرین تر از شهد و شکر اتفاق می افتد .

اما این دسته از فارسی زبانان جهان کسانی هستند که اساس سخن فارسی را از روی دیوان بیدل و صائب و کلیم و طالب و عرفی فرا گرفته اند و آثار بزرگان عهد صفوی را که پیشوایان سبک معروف بهندی هستند باهمان نظر دقت و احترامی مینگرند که نوشته ها و گفته های سعدی و حافظ و سخنواران عراقی دیگر را ما بنظر اعجاب و احترام مشاهده می کنیم .

این تعبیرات جدیدی که در گفتار اقبال خواننده ایرانی را متوجه ضعف تالیف و یا ابهام مضمون و با تازگی سبک می سازد همه مبتنی

بلاغت کے ان اصولوں پر مبنی ہیں جو فیضی، قدسی ، صائب ، بیدل، شوکت ، غنی اور غالب کے کلام میں محفوظ ہیں —

ہندوستان کے فارسی سخن شناسوں نے ان خاص الفاظ اور اصطلاحات کو (جو اب ایران میں متروک ہوگئی ہیں لیکن ہندوستان، افغانستان، تاجکستان ، بخارا اور سمرقند میں گذشتہ صدیوں سے باقی اور رائج ہیں) اپنی لغات کی کتابوں میں جمع کیا ہے اور ضرورت کے وقت سبک ہندی کے شعرا کے کلام سے بطور سند کے پیش کرتے ہیں - کئی بار اس ملک کی ادبی محافل میں اس قسم کی تعبیرات پر اعتراض کیا گیا لیکن شاعر یا ادیب نے صائب،کلیم، نظیری اور عرفی، کے کلام سے سابقہ استعمال ثابت کرکے اپنے آپ کو اعتراض سے بری کیا ہے —

بر اصول بلاغت دیرینه ایست که در سخن فیضی و قدسی و صائب و بیدل و شوکت و غنی و غالب محفوظ مانده است .

سخن شناسان فارسی زبان هندوستان این تعبیرات مخصوصی را که امروز در ایران مهجور متروک گشته ولی در هندوستان و افغانستان و تاجیکستان و بخارا و سمرقند از قرون گذشته باقی و متداول مانده در کتب فرهنگ خویش جمع آوری کرده در هنگام ضرورت باشعار گویندگان بزرگ سبک هندی غالباً استشهاد میجویند .

بسا اتفاق افتاده که در مجالس ادبی آنکشور بر اینگونه تعبیرات ایراداتی وارد شده ولی گوینده ادیب باتکا سابقه استعمال صائب و کلیم و نظیری عرفی خود را از ورطه انتقاد نجات بخشیده است .

غلام علی بلگرامی اور سراج الدین آرزو نے اپنی تصنیفات میں اس قسم کے مباحثوں اور جھگڑوں کی طرف اکثر اشارہ کیا ھے —

ایران کے مشرقی اور مغربی علاقوں میں ان الفاظ و لغات کے استعمال میں اختلا ف کی کیا وجہ ھے؟ عصر حاضر کے نکتہ سنجوں کا خیال ھے کہ چونکہ ھند اور ایران کے فارسی زبانوں کے درمیان براہ راست ارتباط منقطع ہو گیا تھا اور اس سر زمین کے شعرا نے زبان کو محض کتابوں سے سیکھا تھا، بعض اوقات فارسی زبان کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے اردو زبان کے مطالب و معانی انکے پیش نظر ہوتے تھے اس لئے ایران اور ھند کے طرز بیان میں یہ فرق وجود میں آگیا ۔ لیکن حقیقت یہ ھے کہ دو سو سال سے اسطرف زبان فارسی میں بنیادی تبدیلیاں وجود میں آئی ھیں —

نادر شاہ کی موت کے بعد ھند کے اوضاع میں گڑبڑ پیدا ہو گئی

غلام علی آزاد بلگرامی و سراج الدین آرزو در آثار ادبی خود باینگونہ مباحثات و مناقشات ادبی غالباً اشارہ کردہ اند

علت این اختلاف تعبیر و تفاوت استعمال لغات در خاور و باختر فلات ایران چیست؟ برخی از نکتہ سنجان حاضر چنین تصور میکنند کہ چون ارتباط مستقیم بین فارسی زبانان و ھند و ایران قطع شدہ و گویندگان آن سر زمین زبان فارسی را از روی کتب آموختہ و در استعمال لغات فارسی بیشتر بمعانی انتقالی از زبان اردو بفارسی توجہ میکنند بدین سبب چنین تفاوتی در سیاق گفتار فارسی ایران و ھند تولید شدہ است .

اما حقیقت امر اینست کہ زبان فارسی در ایران از دویست سال پیش بدینطرف دچار دو تحول اساسی شدہ است . نخست پس از مرگ نادر و بروز ھرج و مرج در ھند و ایران رشتہ ارتباط ادبی دیرینہ بین دو

اور ان دو ملکوں کا دیرینہ ادبی رشتہ قطع ہو گیا۔ اور وہ لوگ جو آزادی سے ہندوستان یا ایران کے درباروں میں آتے جاتے تھےاور وہاں شہرت اور جاہ جلال حاصل کر سکتے تھے مجبور ہو گئے کہ دو ملکوں میں سے ایک کو اپنے دائمی گھر کے طور پر انتخاب کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شعر و سخن گوئی کا رشتہ جو کئی صدیوں سے دونوں ملکوں کو آپس میں ملائے ہوئے تھا ٹوٹ گیا۔ ہندوستانی شعرا عہد صفوی کے شعرا کی طرز اور اسلوب بیان کی پیروی میں صائب، بیدل، فیضی، کلیم اور قدسی کا تتبع اور تقلید کرتے رہے۔ لیکن اس کے بر عکس گذشتہ دوسو سال میں

کشور قطع شدو کسانی که آزادانه میتوا نستند در دربار هند و دربار ایران هر دو از راه سخنوری کسب شهرت و جاه و جلال کنند نا گزیر شدند که در یکی از دو کشور رخت اقامت دائمی بیفگنند . و در نتیجه این انفصال رشته ارتباطی که سیاق سخنگوئی سخنوران هند و ایران را در مدت چند صده بیکدیگر پیوسته بود از هم گست. بدین طریق که سخنوران هند دنبال همان روش و اسلوب عهد صفوی را گرفته و صائب و بیدل و فیضی و کلیم و قدسی را تتبع و تقلید کردند در صورتی که شعرای دویست سال اخیر ایران دیگر در

۱ یہ مقالہ اسوقت لکھا گیا جب ابھی تک اقبال کے اسٹائل اور اسکے تتبع کا ایرانیوں نے دقیق مطالعہ نہیں کیا تھا اس اقتباس سے ظاہر ھے کہ بہت سے ایرانی اقبال کے کلام کو نا مانوس سمجھتے تھے محیط نے یہاں اقبال کے اسٹائل کو سبک ہندی سے مشابہ قرار دیا ھے استاد سعید نفیسی اور ڈاکٹر خطیبی کے مقالات ملاحظہ ہوں جسمیں انھوں نے اقبال کے متعلق جدید ترین نظریات بیان کئے ھیں۔ محیط کی اقبال سے عقیدت اور اور اسکا دفاع قابل تعریف ھے—

ایرانی شعرا نے عہد صفوی اور ہندی طرز کی شاعری کو چھوڑ دیا۔ اور کریم خان زند کے زمانے سے تو اصفہان کے شعرا نے سبک ہندی کے خلاف تحریک شروع کردی اور شعرا کی توجہ شعرای قبل از عہد مغول کی طرف مبذول ہو گئی۔

ہاتف، آذر و مشتاق، عاشق اور رفیق نے کھلم کھلا سبک ہندی کی مخالفت شروع کر دی۔ اسکے بعد نشاط، مجمر اور صبا اس مخالفت کو اصفہان سے طہران میں لے آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قاچاریہ دورہ کے شاعر دورہ صفوی کے شعرا کو چھوڑ کر متقدمین اور متوسطین کی پیروی کرنے لگے۔ قاچاریہ دورہ کے شعرا عہد سامانی، عہد غزنوی، سلجوقی کو تقلید و تتبع کی بنیاد قرار دیکر فرخی، عنصری مسعود و سنائی کی پیروی دورہ کرنے لگے۔

تتبع آثار عہد صفوی و پیروی از سبک ہندی گامی ننہادہ اند بلکہ از دورہ کریم خان نہضتی بر ضد سیاق سخن ہندی در بین سخنوران اصفہان آغاز شدہ و سخنسرایان بآثار عصر قبل از مغول التفات پیدا نمودند.

ہاتف و آذر و مشتاق و عاشق و رفیق با سبک سخن ہندی علنا مخالفت ورزیدہ و نشاط و مجمر و صبا کانون این اختلاف را از اصفہان بتہران منتقل ساختند. چنانکہ سخنوران دورہ قاجاریہ یکبارہ از اقتفای سخنوران صفوی ببعد چشم پوشیدہ و در صدد تتبع کلام متقدمین و متوسطین بر آمدند.

شعرای دورہ قاچاریہ اسلوب فارسی سخنوران عہد سامانی و غزنوی و سلجوقی را اساس تتبع قرار دادہ طبع خویش را بتقلید از فرخی و عنصری و مسعود و سنائی وادار کردند.

دوسری بات یہ ہے کہ یورپ کی زبانوں سے فارسی میں ترجمے ہونے لگے اور معاصر شعرا کی خارجی زبانوں سے آشنائی نے انکے طرز بیان اور اسلوب کلام پر اثر ڈال کر اسمیں نئی تبدیلی پیدا کر دی۔ ہندوستان کے فارسی زبان شعرا کو اس واقع سے بہرہ مند ہونے کا موقعہ نہیں ملا۔

شعرا معاصر ایران اور ہندوستان کے مشہور شعرا کے طرز بیان میں تفاوت کے یہ ہی دو سبب ہیں۔

وحید دستگردی مرحوم مدیر مجلہ ادبی ارمغان (جو خود ملک کے مشہور شاعروں میں سے تھے) اس تفاوت طرز بیان کو ہند کے شعرا کے کلام میں نقص تصور کرتے تھے اور اقبال کے متعلق گفتگو میں ایک دن مجھ سے بحث کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ابہام مضمون اور تعبیرات نامانوس جو ہمیں بہت نا پسند معلوم ہوتی ہیں ہندوستان کے شعرا کی

نکته دوم آنکه رواج بازار ترجمه از زبان های اروپائی بفارسی و آشنائی غالب نویسندگان و گویندگان معاصر با یکی از زبان های بیگانه در چگونگی بیان اسلوب کلام ایشان تحول جدیدی تولید کرده که سخنوران فارسی زبان هند را آن از نصیبی نیست.

این دو عامل مختلف سبب ایجاد تفاوت در بین روش گفتار سخنوران معاصر ایران و گویندگان بنام هندوستان شده است.

مرحوم وحید دستگردی مدیر مجله ادبی ارمغان که خود از شعرای بنام کشور بود این پیش آمد را بر ای سخنوران هند نقیصه‌ای میدانست و راجع بشعر اقبال روزی با نگارنده مناقشه میکرد و میپنداشت که این ابهام مضمون و تعبیرات نامانوس فارسی که بنظر ما بسیار بعید و نامطبوع میآید

صحت کلام کی طرف بے توجہی یا بے خبری کا نتیجہ ہیں ۔ اور انکو بالکل غلط تصور کرنا چاہئے ۔

دوسری طرف مرحوم دستگردی جب اسی قسم کی تعبیرات اور مبہم معانی کو نظامی، خاقانی، یا امیر خسرو یا حسن کے کلام میں دیکھ پاتے تو ان شعرا کی مسلم استادی اور حد ادب کا لحاظ کرتے ہوئے کوشش کرتے تھے کہ انکا ابہام وغیرہ تشریح کرکے دور کر دیں ۔

جب کوئی اهل مطالعه شخص فارسی کلام کے رشته کو حکیم نظامی اور خاقانی کے زمانے سے امیر خسرو اور حسن دهلوی سے ملائے اور پھر جامی اور طاهر دکنی سے ملا کر اسی رشته کو طالب، کلیم، مسیحا، قدسی، صائب اور فیضی کی طرف کھینچ لائے اور پھر حزیں، بیدل و غنی و غالب سے ملا کر فصاحت و بلاغت اور کیفیت الفاظ اور مضمون بیان کرنے کے

نتیجهٔ عدم انس و توجه بصحت کلام فارسی و بعبارت دیگر حاصل بی اطلاعی گویندگان هند است و سراسر غلط بشمار میآید .

در صورتی که همان مرحوم وقتی در گفتار نظامی و خاقانی یا امیر خسرو و حسن نظیر این تعبیرات نا مانوس و معانی مبهم را مییافت باعتبار استادی گویندگان حد ادب را نگاهداشته بتفسیر و رفع ابهام آنها همت میگماشت .

اما وقتی شخص متتبع رشته کلام فارسی را از روزگار حکیم نظامی و خاقانی بعهد امیر خسرو و حسن دهلوی اتصال دهد و سپس با گفتار جامی و طاهر دکنی مربوط سازد و همین رشته را تا طالب و کلیم و مسیحا و قدسی و صائب و فیضی کشیده بآثار حزین و بیدل و غنی و غالب پیوندد و در میان فصاحت و بلاغت و کیفیت استعمال لغات و بکار بردن مضامین آنها استقصا

طریقه کا مطالعه کرے، تو وه دیکھے گا که اقبال کا شعر اسی دلکش ادبی بوستان سے مربوط ھے جسکا ھمارے دل اور ھماری زبان سے پیوند اس غدار زمانے نے کاٹ دیا ھے۔

جب انسان بیدل اور صائب کے دیوان کے مطالعه کے بعد اقبال کے کلام کو پڑھے تو اسکے اشعار میں کسی قسم کی بیگانگی اور ابہام احساس نہیں کرتا۔ ایک بڑی خوبی جو اقبال کو اس سبک کے پیش قدم شعرا سے ممتاز کرتی ھے مضمون کی باریکی، اسکی معلومات کی وسعت اور بلند حقائق کا ادراک ھے جو زمانے کی عمومی تعلیمی ترقی سے مربوط ھے۔

اقبال چاھتا ھے که عصر حاضر کے متعلق اپنی اجتماعی اور فلسفی معلومات زبان فارسی کے اسی پرانے اسلوب بیان کے ذریعے ایران اور جزیرهٔ نمائے ھندوستان کے لوگوں تک پہنچائے۔

ورزد، معلوم میشود سخن اقبال از همان بوستان دلکش ادبی است که متاسفانه دست روزگار غدار پیوند الفت آنرا با دل و زبان و ما بریده است.

انسان وقتی از مطالعه دیوان بیدل و صائب بمطالعه آثار منظوم دکتر محمد اقبال بگراید در سخن این شاعر هیچگونه غرابت لفظ و ابهام معنی نمی بیند و تنها صفت بارزی که اقبال را از پیشقدمان این سبک ممتاز میسازد دقت مضمون و وسعت اطلاع و ادراک معانی بلند متناسب با پیشرفت فرهنگ عمومی عصر او میباشد.

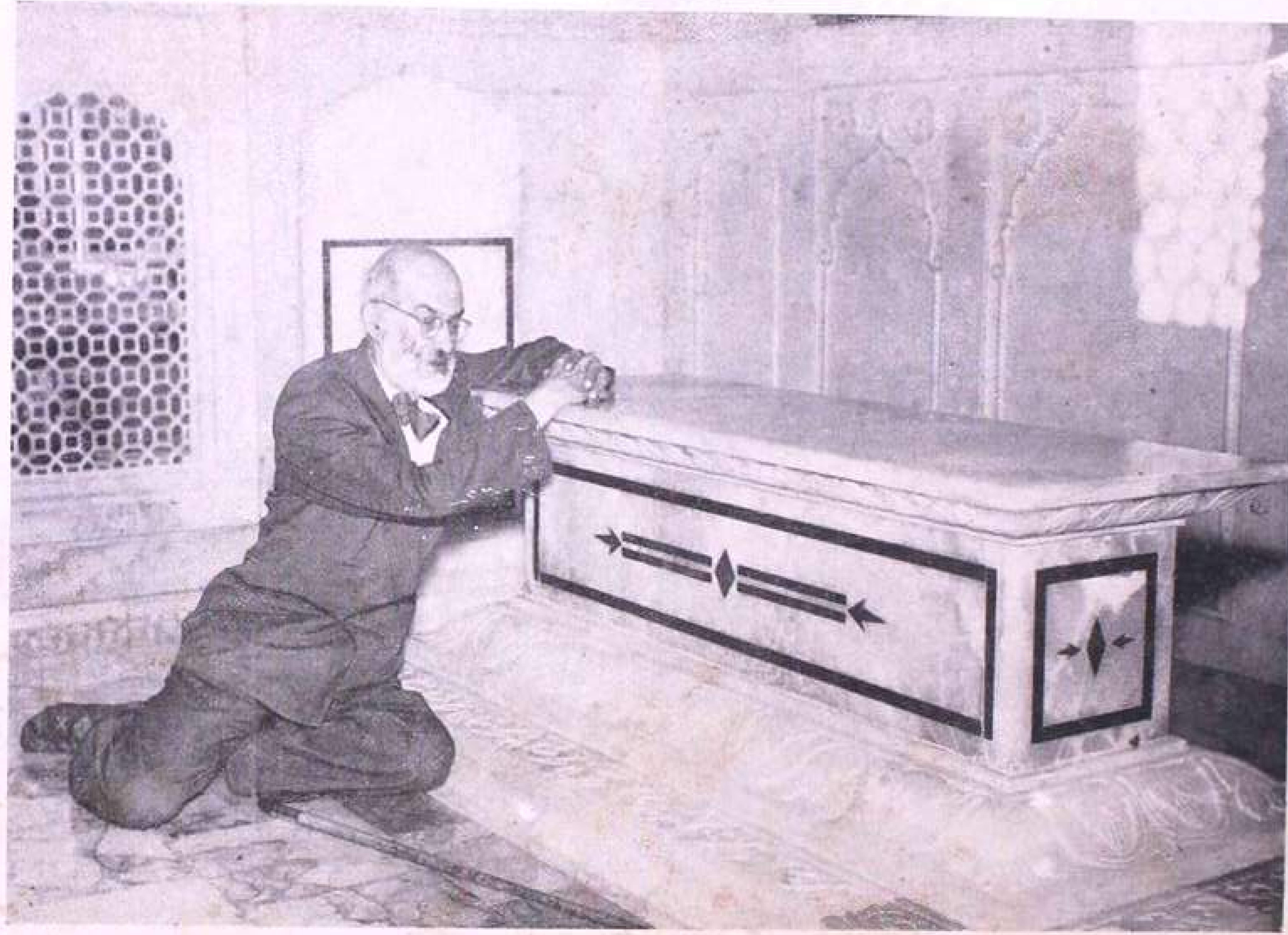
اقبال میخواهد حاصل معلومات اجتماعی و فلسفی عصر حاضر را با همان اسلوب معهود از راه زبان فارسی بمردم فلات ایران شبهه جزیره هندوستان انتقال دهد.

میں گذشتہ بیس سال کے عرصہ میں اقبال کے کلام سے آشنائی کے بعد بتدریج اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ سالہا اس طرز بیان کے مخالفین سے میرا بحث و مباحثہ رہا لیکن آج میں دیکھتا ہوں کہ موجودہ سیاسی اور ادبی تحول کی وجہہ سے میرے نظریات ان لوگوں نے قبول کر لئے ہیں جو پانچ سال پہلے ان کو سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔

اہل ایران کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں میں ہمارے ملک کو ہماری زبان اور ہمارے تمدن کو بہت بلند مرتبہ حاصل ہے۔ ملت ایران نے بھی اقبال کی تکریم اور تجلیل کر کے ہندوستان کے لوگوں پر ثابت کر دیا ہے کہ ہماری پرانی دوستی کو غیر ادبی ریشہ دوانیاں منحرف نہیں کر سکتیں۔

*****
**
*

این نظری است که نگارند سطور از بیست سال پیش که با سخن اقبال آشنا شد متدرجا دریافت و پس از آنکه سالها با مناقشه و معارضه مخالفین آن اسلوب در تهران مواجه میشد. امروز مینگرد در نتیجهٔ ترکیب عوامل سیاسی و ادبی مورد قبول کسانی قرار گرفته که تا پنج سال پیش برای شنیدن چنین موضوع گوش شنوائی نداشتند.



استاد سعید نفیسی بر مزار اقبال (۱۹۵۶)

اقبال اور سعید نفیسی

پروفیسر سعید نفیسی ایران کے ان چند مایہ ناز علماء و فضلاء میں سے ہیں جن کو فارسی اور عربی کے علاوہ فرانسیسی اور روسی زبان پر پورا پورا تسلط ہے اور جدید یورپین ادبیات و علوم سے اچھی طرح آشنا ہیں — نفیسی کی وسعت مطالعہ کا اندازہ کچھ اس سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے مختلف صنف کے موضوعات اور ادبی شعبوں کے متعلق قلم فرسائی کی ہے اور اب تک ان کی تالیفات اور تصنیفات کی تعداد ۱۳۰ تک پہنچ چکی ہے —

جیسا کہ مقدمہ میں ذکر کیا جاچکا ہے علامہ اقبال کی نفیسی سے خط وکتابت بھی رہی ہے۔ ذیل میں سعید نفیسی کی تحریروں اور تقریروں سے کچھ اقتباس نقل کئے جاتے ہیں — سیعد نفیسی اپنے ایک مقالہ میں فرماتے ہیں۔

*" اقبال ہندوستان کے دوسرے فارسی گو شاعروں کی نسبت ایران" سے بہت زیادہ تعلق رکھتا ہے اور اس ملک سے اثر پذیر ہوا ہے۔ بعض معاصرین نے اقبال کے فارسی شعر پر بحث کی ہے اور کہا ہے کہ اقبال اس اسٹائل کا جو هندی طرز کے نام سے مشہور ہے (اور جس کو ادبی اصطلاح میں امپریشن ازم (Impresionism) کہنا بہتر ہوگا) کا آخری

متن فارسی یہ ہے

* اقبال قطعا خیلی بیش از شاعران فارسی زبان دیگر هندوستان با ایران مربوط است و از ایران ملہم شدہ است . برخی از معاصران کہ دربارۂ شعر فارسی اقبال بحث کردہ اند گفتہ اند کہ وی آخرین شاعر بزرگ سبک معروف بہندوستانی یا باصطلاح ادبی امپرسیو نیسم است .

بڑا شاعر ہے لیکن اگر اس کے اشعار پر غور کریں اور اس کے کلام کا ایران کے بڑے شاعروں سے مقابلہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ یہ بات درست نہیں اور معلوم ہوجائیگا کہ اقبال کا کلام امپریشن ازم کے طرز کے معروف شعرا مثلاً عرفی ، فیضی ، ظہوری ، نظیری ، بیدل ، صائب ، کلیم ، غالب اور دیگر شعراء سے پورے طور پر شباہت نہیں رکھتا بلکہ زیادہ تر وہ ان شاعروں سے مشابہت رکھتا ہے جن کو سمبولیست کہتے ہیں اور اس طرز کے سب سے بڑے نمایندے سنائی، عطار و مولانا جلال‌الدین و عراقی و اوحدی و کمال خجندی ہیں — اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ اقبال اپنی جوانی کے زمانے سے ہی مولانا جلال الدین کی مثنوی سے متأثر ہوا اور ۱۹۱۵ ع میں ۳۸ سال کی عمر میں فارسی زبان میں شعر کہنا شروع کیا اور سب سے پہلے مولانا جلال الدین کی مثنوی کی تقلید میں

اگر درست اشعار او را با بزرگان شعرای ایران بسنجیم می بینم که این مطلب درست نیست و شعر اقبـال با اشعار شاعران معروف سبک امپرسیو نیسم مثلا عرفی و فیضی و ظهوری و نظیری و بیدل و صائب و کلیم و غالب و دیگران شباهت کامل ندارد بلکه بیشتر باشعار شاعرانی مانند است که ما باید آنها را سمبولیست بگویم و بزرگ ترین نمایندگان این سبک سنائی و عطار و مولانا جلال الدین و عراقی و او حدی و کمال خجندی اند .

تردیدی نیست که اصلا بزبان فارسی شعر گفتن اقبان بدان جهتست که در کودکی و جوانی از مثنوی مولانا جلال‌الدین ملهم شده و در ۱۹۱۵ میلادی در ۳۸ سالگی بشعر گفتن در زبان فارسی کرده نخست بتقلید از مثنوی مولانا جلال الدین پرداخته و مثنوی اسرار خودی را سروده و بلا فاصله درسال بعد مثنوی دیگر خود رموز بیخودی را در ۱۹۱۶ گفته است .

اپنی مثنوی اسرار خودی اور اس کے بعد مثنوی رموز بے خودی لکھی — اقبال نے خود اس کے متعلق کئی اشارے کئے ہیں — اسرار خودی کے مقدمہ میں کہا ہے ۱

پارسی از رفعت اندیشہ ام
در خورد با فطرت اندیشہ ام ۱

بعد میں مولانا جلال الدین اور شمس تبریزی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور کہتا ہے ۲

شمع خود را همچو رومی بر فروز
روم را در آتش تبریز سوز ۲

کہیں کہیں اپنے اشعار میں ایران کی عظمت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے -

---

اقبال خود درین زمینه اشارات بسیار دارد : در مقدمهٔ اسرار خودی می گوید :

گرچه هندی در عذوبت شکرست
طرز گفتار دری شیرین ترست
فکر من از جلوه اش مسحور گشت
خامهٔ من شاخ نخل طور گشت

گاهی در اشعار خود اشارهٔ بسیار صریحی بعظمت ایران دارد و از آن جمله در قسمت اول پیام مشرق که ,, لالهٔ طور،، نام گذاشته جاودان ماندن ایران را چنین بیان میکند :

سکندر رفت و شمشیر و علم رفت
خراج شهر و گنج کان و یم رفت
امم را از شهان پاینده تر دان
نمی بینی که ایران ماند و جم رفت

• •

•

اقبال کے اشعار کی ایک اہم خاصیت یہ ہے کہ اس کو مشرق کے مستقبل پر بہت اعتماد ہے اور نہایت صریح طور پر اس نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ مغرب کی برتری اور تسلط کا دور دورہ ختم ہونے کو ہے اور اس کے بعد مشرق کے عروج اور تسلط کی باری ہے۔ ھندوستان اور پاکستان کی آزادی اور شرق اقصی میں جو حالات پیش آرہے ھیں اس کی پیشگوئی کی تائید کرتے ھیں۔ اقبال نے ایک جگہ صاف طور پر لکھا ہے :-

بیا کہ ساز فرنگ از نوا در افتاد است
درون پردہ او نغمہ نیست فریاداست

اقبال نے مشہور جرمن شاعر گوئٹے کے دیوان شرقی کے جواب میں پیام مشرق لکھا ہے۔ اس کے چہارمی حصے کا نام نقش فرنگ رکھا ہے اس حصے

خاصیت بسیار مهمی که در اشعار اقبال هست اینست که اعتماد عجیبی بآیندۀ مشرق زمین دارد و با کمال صراحت معتقد است که دورۀ برتری و استیلای مغرب بسر رسیده و از این پس نوبت استعلای شرقست. حوادث این روزها نیز دارد پیشگوئی او را مسلم می کند. استقلال هندوستان و پاکستان و آنچه در شرق اقصی در شرف وقوع است آیا تا اندازه ای پیشگوئی های او را مسلم نمیکند؟ اقبال جای دیگر صریحا میگوید:

بیا که ساز فرهنگ از نوا در افتاداست
درون پردهٔ او نغمه نیست فریاداست

اقبال در دانشگاه های انگلستان و آلمان تحصیلات عالی کرده و درجهٔ دکترا در فلسفه را داشته و ناچار انگلیسی و آلمانی را بسیار خوب میدانسته و در مقابل دیوان شرق و غربی گوته شاعر معروف آلمانی کتاب پیام مشرق را نوشته است. قسمت چهارم این کتاب را «نقش فرنگ» نام

کی پہلی نظم ،، پیام ،، نہ صرف اس کے بے مثال شاہکاروں میں سے ہے بلکہ اس کے احساسات کو بھی بڑی خوبی سے بیان کرتی ہے اور بہترین طریقہ سے اس کے مقصد کو ادا کرتی ہے۔ یہ اشعار اپنے اندر ایک خاص لطف رکھتے ہیں ،، از خطابہ روز اقبال در سال ۱۳۳۰

،، رومی عصر ،، کے مقدمہ میں استاد سعید نفیسیؒ فرماتے ہیں :-

* ،، دنیا کے سب سے کمسن مگر بہت قدیم تمدن و علم کے حامل ملک پاکستان پر خورشید جیسا چہرہ بہت جاہ و جلال سے چمک رہا ہے۔ آسمان پاکستان پر چمکنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنی روشنی ایران پر بھی ڈال رہا ہے۔ اور یہ امر بالکل قدرتی ہے کیونکہ ایران و پاکستان نزدیک اور دیوار بہ دیوار ہمسائے ہیں اور آفتاب ہر دو گھروں کو ایک وقت روشنی دیتا ہے۔

گذاشته و نخستین منظومه‌ آن قطعه ایست بعنوان ،، پیام،، که نه تنها از شاهکار های قطعی اوست بلکه معرف بسیار خوبی از همین احساسات اوست و به بهترین وجهی مقصودش را ادا میکند و لطف خاصی دراین اشعارهست.

*بر فرهنگ و دانش بسیار کهنسال جوانترین کشور های جهان پاکستان سیمائی چون خورشید در اوج کمال میتابد. در همان زمن که بر آسمان پاکستان پرتو میفشاند بر آسمان ایران نیز فروغ میفگند. بسیار هم طبیعی است زیرا که پاکستان و ایران همسایگان دیوار بدیوارند و آفتاب هر دو خانه را که درکنار یکدیگر باشند باهم روشن میکند.

این خورشید فروغ جهانفروز محمد اقبال شاعر بزرگ پاکستان خود وارث نه صد سال سخن ادبی زبان فارسی در هند و پاکستان است پیش از او صدها نویسنده و سراینده زبان فارسی درین شبه قاره بزرگ آثار جاودانی از خود

اس جہاں میں روشنی اور نور پھیلانے والا خورشید پاکستان کا عظیم الشان شاعر محمد اقبال ہے جو نو سو سال کے ہند و ایران کے فارسی روایات کا وارث ہے۔ اس سے پہلے سینکڑوں شعراء اور مصنفین اپنی جاودانی تصنیفات چھوڑ گئے ہیں اور ان کے نام ادبیات فارسی میں خاص آب و تاب رکھتے ہیں ۔ لیکن محمد اقبال نے پہلے گذرے ہوئے اساتید کا مطالعہ کیا اور امپریشن ازم کی طرز شاعری (جو ہندوستان میں پرانی اور فرسودہ ہوچکی تھی) کا رخ سمبولیسم کی زیبا تر اور روشن تر روش کی طرف (جو کہ صوفیا یعنی سنائی، فرید الدین عطار، عراقی، محمود شبستری وغیرہ کی طرز ہے) پھیر دیا ۔ اس روش کی غیر معمولی مشکلات کے باعث صدیوں سے تمام لوگ اس طرز شعر گوئی کو چھوڑ چکے تھے ۔ اسکی مشکلات نے لوگوں کو ڈرا دیا تھا اور کوئی جرأت نہیں کرتا تھا کہ حدیقة الحقیقة اور مثنویات عطار، مثنوی مولانا و گلشن راز کے پہلو بہ پہلو اور ان کے برابر اپنی تصنیف پیش کرے۔

پاکستان کے اس ذہین و طباع شاعر نے یہ جرأت کی اور اپنا کام

گذاشته اندو نامهای شان در ادب فارسی فروزندگی خاصی دارد. اما محمد اقبال از آن کسانی بود که میبایست دفتر پیشینیان را در نوردد سبک معروف امپرسیونسیم شعر فارسی را که در هند کم کم فرسوده و مدروس شده بود بروش روشن تر و شیوا تر یعنی سمبولیسم مشایخ بزرگ تصوف ایران مانند سنائی و فرید الدین عطار و فخر الدین عراقی و جلال الدین بلخی و محمود شبستری باز گرداند. قرنها بود که دشواری فوق العاده این روش همه را از آن دور کرده احیانا ترسانیده بود و کسی جرأت نمیکرد دوش بدوش و سر بسر حدیقةالحقیقه و مثنویات عطار و مثنوی مولانا و گلشن راز بگذارد.

این نابغهٔ پاکستانی این دلاوری را کرد و از عهده هم بر آمد. گویا

بخوبی انجام دیا اس کی تصنیفات برہان قاطع اور قاطع برہان کی طرح ہمارے سامنے موجود ہیں اقبال ایرانی مشائخ کی پسندیدہ اور محبوب روش کا پیرو ہے مگر اس کا تصوف جدید معارف اور فلسفہ اور مشرق اور مغرب کے نئے علوم سے گھل مل گیا ہے اور انیسویں صدی کا رنگ اس پر چڑھ گیا ہے۔ اس کا تصوف جس قدر سنائی اور مولانا سے با خبر ہے اسی حد تک ہیگل، کانت، شوپنہاور، نطشے و بودا کونفوسیوس وغیرہ سے آشنا ہے۔

جس طرح پہلے بزرگوں نے مثنوی مولانا کو قرآن پہلوی کا نام دیا ہے — اسی طرح اگر ہم اقبال کی مثنوی کو مثنوی قرن حاضر سمجھیں تو مناسب ہوگا۔ اس میں کسی بحث کی گنجائش نہیں کہ اقبال نہ صرف پاکستان و ایران کے زمانہ حاضر کی عظیم المرتبت ہستیوں میں سے ہے بلکہ وہ اُن لوگوں

میگفت: (میگویم و می آیمش از عهده برون!) اینک آثار او چون برهان قاطع و قاطع برهان در پیش ماست. وی پیرو همان روشن ما، لوف و پسندیده، این مشایخ تصوف ایران در زبان فارسی بوده است منتهی تصوفی که کاملا با معارف جدید و فلسفه ها و حکمتهای نوین از شرق و غرب آمیخته شده و صبغهٔ قرن نوزدهم و بیستم میلادی را بخود گرفته است. تصوفی که بهمان اندازه که از سنائی و مولانا باخبر است بهمان اندازه هم از هیکل و کانت و شو پنهاور نیتچه و بودا و کونفوسیوس وجنیا آگاهی دارد.

همچنان که پیشینیان مثنوی مولانا را (قرآن پهلوی) اصطلاح کرده اند آثار اقبال راهم باید (مثنوی قرن حاضر) بدانیم و بیهوده نیست که خود (زبور عجم) را در تسمیه یکی از کتابهای خود بکار برده است.

میں سے ہے جن کا نام ہمیشہ ادبیات کی تواریخ میں ثبت رہیگا اور جن کو مجدد ادبیات کا نام دیا جاسکتا ہے

اقبال کے دو خط استاد سعید نفیسی کے نام

اقبال کو ایران اور ایرانی ادبا اور فضلا میں قدرتاً دلچسپی تھی اور اس کو اشتیاق تھا کہ اپنے فارسی کلام کے متعلق ان کی رائے معلوم کرے مگر دونوں ملکوں کے درمیان کوئی باقاعدہ رابطہ نہ تھا ۔ پروفیسر نفیسی اس زمانے میں بھی ایران اور ایران سے باھر کے علمی، ادبی حلقوں میں شہرت رکھتے تھے۔ اقبال نے پروفیسر اقبال مرحوم کے ھاتھ مثنوی اور زبور عجم نفیسی کو بھجوائیں اور جب انہیں معلوم ھوا کہ ان کا پہلا مجموعہ کلام ،، پیام مشرق ،، پروفیسر مذکور کو نہیں پہنچا تو انہوں نے کسی اور ایران جانے والے مسافر کے توسط سے اس کتاب کا ایک نسخہ بھی ان کو بھجوا دیا ۔ پروفیسر سعید نفیسی کے نام جو اقبال نے دو خط لکھے اس سے قبل ،،اقبال نامہ ،، میں شائع ھوچکے ھیں ۔ ذیل میں پروفیسر نفیسی کے تمہیدی نوٹ کے ساتھ درج کئے جاتے ھیں۔

بدین گونه هیچ جای سخن نیست که اقبال نه تنها از بزرگان پاکستان و از بزرگان عصر ماست بلکه از کسانیست که نامشان از تاریخ ادب بیرون نه خواهد رفت و ایشانرا بحق (مجدد ادبیات) نام نهاد .

*" بہار ۱۹۳۲ (میلادی) میں میرا ایک دوست زبور عجم کا نسخہ ہندوستان سے میرے لئے بطور ارمغان لایا۔ اس کتاب کے مطالعہ سے مجھ میں عجیب احساسات پیدا ہوئے۔ اور میں نے ایک شوق و شعف سے لبریز خط اقبال مرحوم کو لکھا۔ خط بھیجنے کا سب سے قابل اعتماد ذریعہ ڈاکٹر محمد اقبال پروفیسر ادبیات فارسی پنجاب یونیورسٹی تھے، کیونکہ ان سے میری کئی سال سے خط و کتابت تھی۔ یہ خط میں نے انہیں کے ذریعہ سے بجھوایا۔ دو ماہ بعد اقبال مرحوم کا جواب آیا۔ ہندوستان سے ایک مسافر مقامات مقدسہ کی زیارت کو آیا اور یہ خط لاہور سے میرے لئے لایا اور خط کے ہمراہ پیام مشرق کا ایک نسخہ بھی جو اقبال نے میرے لئے بجھوایا تھا مجھکو پہنچا دیا۔ اس دوسری کتاب کو پڑھنے کے بعد میں نے دوسرا خط اقبال کو لکھا اور اپنے شوق اور شعف کی شدت کا اس میں بیان کیا اس کے

---

*در بہار سال ۱۹۳۲ میلادی یک نسخه از کتاب زبور عجم را دوستی از هندوستان بر ای من ارمغان آورد. از خواندن آن احساسات عجیب در من انگیخته شد. نامه ای پر از شوق و شعف بمرحوم علامه اقبال نوشتم و چون مطمئن ترین و سیله برای رساندن آن نامه مرحوم پرفسور دکتر محمد اقبال استاد ادبیات فارسی در دانشگاه پنجاب بود که از سالیان دراز با او مکاتبه و رابطه داشتم آن نامه را بتوسط او فرستادم. دو ماه پس از آن جوابی از مرحوم علامه اقبال رسید و مسافری که از هندوستان بزیارت عتبات می رفت آنرا از لاهور بر ای من آورده بود و نسخه ای از کتاب پیام مشرق را هم که مرحوم علامه اقبال برای من فرستاده بود، رساند. خواندن این کتاب دوم باعث شد که باز نامه دیگری بمرحوم اقبال نوشتم و نهایت شوق و شعف خود را در آن نامه بیان کردم و باز پس از دو ماه دیگر نامه

دو ماہ بعد اقبال کا دوسرا خط ایک اور مسافر کے ذریعہ جو ایران آیا مجھ تک پہنچا۔،،

پہلا خط

۲۶ اگست ۱۹۳۲ ع

مخدوم دانشمند،

آپ نے جو خط پروفیسر محمد اقبال کے ہاتھ بجھوایا تھا وصول ہوا۔ کئی سالوں سے آپ کے ایران کو دیکھنے کی آرزو دل میں رکھتا ہوں اور اپنی زندگی کا واحد حاصل شعر فارسی کو سمجھتا ہوں اور یہ امر کہ آپ ایسے نامور عالم (جو ایران کے ذوق ادبی کے معیار کی حیثیت رکھتا ہو) نے میرا کلام پسند فرمایا ہے نیازمند کے لئے فخر اور ہمت افزائی کا باعث ہے میرا خیال ہے کہ سوائے زبور عجم کے میری اور کوئی کتاب آپ کی خدمت

دوم مرحوم اقبال بوسیلۂ مسافر دیگری که او هم بایران آمده بود بمن رسید.

خرداد ماه ۱۳۳۲
سعید نفیسی

۲۶ اوت ۱۹۳۲

مخدوم دانشمند:

خط دست آقای بوسیله سرکار پروفیسر محمد اقبال صاحب راهی کرده بودید حاصل شده سالهای دراز است که میل آرزوی ایران شما را در صمیم می پرورم و یگانه محصول ذره نمای وجود را سخن فارسی میدانم. اینکه سخن پارسیم مطلوب و مقبول همچون آقای دانشمند بنامی که میزان ذوق ادب ایرانست باشد مایهٔ فخر و دلداری این نیاز منداست. یقین دارم که جز از

میں نہیں پہنچی اس لئے پیام مشرق اسی ہفتہ آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں ۔

والسلام باھزار احترام ،

نیاز کیش ،

محمد اقبال

۴ نومبر ۱۹۳۲ء

مخدوم مکرم دانشمند ،

آپ کا دوسرا خط جو نیاز مند کی عزت افزائی اور افتخار کے لئے آپ نے لکھا ہے کوئی سات آٹھ روز پہلے ملا ۔

یہ سنکر کہ زبور عجم کی طرح پیام مشرق ، بھی آپ جیسے دانشمند نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اس کے فارسی اشعار کو سراھا ہے، میرے لئے سر بلندی کا موجب ہے ۔ جس طرح فضلاء و ادباء ایران کو مجھ سے

زبور عجم مرا بخدمت شما راہ نبودہ است و پیام مشرق را بھمین ھفتہ بخدمت فرستادہ میکنم . والسلام مع الف احترام نیاز کیش محمد اقبال

۴ نوامبر ۱۹۳۲

مخدوم مکرم دانشمند :

خط دست دیگر کہ بفخر و شرف این نیاز مند رقم زدہ شدہ بود بھمین هفت هشت روز شرف وصول داد . از اینکہ پیام مشرق همچنان زبور عجم پسندیدہ خدمت مخدوم دانشوری آقای بودہ است و سخن پارسی آنرا هم پسند داشتہ اید این نیاز مند را سر بلند میگرداند و هم چندان کہ دانشوران ایران

ملاقات کی خواہش ہے اسی طرح یہ نیازمند بھی ان سے ملنے اور ایران کو دیکھنے کی آرزو رکھتا ہے لیکن ممکن ہے کہ میری کمزوری اور علالت اس راہ میں رکاوٹ پیدا کرے ۔ کچھ عرصہ بعد افغانستان کا سفر در پیش ہے ۔ اور میری آرزو ہے کہ کسی دن اپنی آنکھوں سے ایران کو دیکھوں ۔ اور دوسری خواہش جو میں خدا سے چاہتا ہوں آپ ایسے شفیق اور مہربان دوست کی ملاقات ہے ۔

والسلام مع الاحترام

نیاز کیش

محمد اقبال

فروری ۱۹۲۰ میں استاد نفیسی اقبال اکیڈمی کی دعوت پر پاکستان تشتریف لائے اور مختلف جلسوں میں اقبال اور آسکے مقام کے متعلق تقریریں کیں ۔ ذیل میں آنکی بعض تقاریر سے اقتباس درج کیا جاتا ہے :—

میل و ہوس دیدار این نیاز مند دارند این نیاز مند آرزوی ایشان و خاک ایران میکشد . ناتوانی و فسردگی خاطر تواند که خار راه گردد . چندی دیگر سفری بافغانستان در پشں است و آرزوی آن دارند که باری چشم بایران باز کند . آرزوی دیگر دیدار آن مشفق مخدوم است که از الاسبحانه و تعالی می خواهد .

والسلام مع الاحترام

نیاز کیش

محمد اقبال

اقتباس از سخزانی آستاد نفیسی بتاریخ ۲۶ فروری ۱۹۵۶ کراچی -

*میرے پاکستانی احباب بار بار مجھسے پوچھتے ہیں کہ اقبال کے متعلق ایران میں لوگوں کا کیا خیال ہے - ایرانیوں کی رائے اسکے سوائے اور کیا ہوسکتی ہے- اقبال کو وہ اسی نظر سے دیکھتے ہیں جس سے رومی اور حافظ کو-

ابتدائی سخن گوئی سے ایرانیوں اور پاکستانیوں کے دل میں ایک مشترک خیال اور ایک آرزو اور امید جاگزیں ہے - اس خیال اور آرزو کو ایک زمانے میں مولانا جلال الدین قونیہ میں سعدی شیراز میں ,,خیام نیشا پور میں بیان کرتے رہے - اسی خیال اور آرزو کا غالب نے دھلی میں اور قبال نے لاھور میں ترجمانی کی ہے - میرے پرانے دوست خواجہ عبد الحمید عرفانی نے تہران میں ایک بہت مفید کتاب ,,رومی عصر،، کے نام سے شایع کی ہے - اس نام سے بہتر نام اس کتاب کے لئے ممکن نہ تھا کیونکہ یقیناً اقبال کو آج سے بیس سال پہلے ہماری نگاہوں میں

---

*دوستان پاکستانی من مکرر از من پرسیده اند در ایران در باره اقبال چه عقیده دارند؟ چه عقیده میخواهید داشته باشند ؟ همان عقیده ای که درباره فردوسی و حافظ دارند .

ایرانی و پاکستانی از روزی که در جهان سخن گفتن آغاز کرده اند همیشه یک فکر و یک آرزو و یک امید داشته اند . این فکر و آرزو و امید را وقتی مولانا جلال الدین در قونیه ، سعدی در شیراز و عمر خیام در نیشا پور ادا کرده اند و همان فکر را غالب در دهلی و اقبال در لاهور بزبان آورده است - دوست چندین ساله من خواجه عبدالحمید عرفانی در تهران کتاب بسیار پر مغزی بعنوان رومی عصر انتشار داده است . بهتر ازین ممکن نبود کسی عنوانی بر ای این کتاب پیدا کند زیرا که قطعا اقبال رومی بیست سال پیش

رومی کا مقام حاصل ہے ۔ اقبال خود مولانا جلال الدین ہے جو رومی کے سات سو سال بعد پیدا ہوا ہے ۔ وہی افکار جو سات سو سال گذرے قونیہ (موجودہ مملکت ترکی) میں رومی کی زبان پر جاری تھے اسکے سات سو سال بعد سیالکوٹ میں اقبال کی شکل میں نمودار ہوئے ۔

میں اقبال کا مقام ایک پیشوا اور راھنما کا مقام سمجھتا ھوں ۔ شاعر عظیم کہلانے کا حق وہ شاعر رکھتا ہے جو زمانے کے اوضاع کو تبدیل کر دے ۔ آسمان کی گردش پر اسکو قابو ھو اور حوادث عالم میں انقلاب پیدا کر سکے ۔ دنیا کی تاریخ میں نئے حادثات وجود میں لائے ۔ میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ھوں کہ ایسا کام انسان کی کئی ھزار سال کی تاریخ میں صرف معدودی چند افراد نے انجام دیا ہے ۔ قدیم یونان میں

ماست مولانا جلال الدین است که هفتصد سال پس از او آمده است . همان فکری که در قونیه در خاک ترکیه امروز مولانا را بسخن گفتن وا داشت هفتصد سال بعد در سیالکوت تار وجود و پود محمد اقبال را بهم بافته است .

تنها مطلبی که میخواهم اند کی درباره آن در حضور شما بحث کنم مقام پیشوائی و رهنمائی و ارشادیست که من برای اقبال قائلم . گوینده بزرگ آن است که مقتضیات زمانه را تغیر بدهد چرخ روزگار را بمیل خود بگرداند حوادث جهان را زیر و روکند . حادثه ای در تاریخ جهان فراهم کند و من با کمال جرأت میگویم که اینکار را در تاریخ چند هزار ساله بشر تنها چند تن کرده اند از ان جمله در یونان قدیم افلاطون اینکار را

افلاطون عالم اسلام میں ابن سینا اور مولانا جلال الدین نے اور آخری شخص جسنے وہ کام انجام دیا محمد اقبال ہے۔

اقبال خود بھی اپنے اس آسمانی پیغام اور کام کو محسوس کرتا تھا۔ ہم مسلمان حضرت خاتم النبیین کے بعد کسی پیغمبر کو تسلیم نہیں کر سکتے لیکن اقبال کرامت اور ارشاد کے مقام سے بہرہ مند ہے اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

آج آٹھ کروڑ افراد پر مشتمل ایک قوم نہایت تیزی سے دنیا میں اپنی جگہ پیدا کر رہی ہے اور روز بروز ترقی اور تعالی کی طرف گامزن ہے۔ آج سے چالیس سال پیشتر اور پاکستان آزاد کے قائم ہونے سے پہلے اقبال نے اپنے آسمانی فرائض کے متعلق یوں کہا۔

خوگر من نیست چشم هست و بود
لرزه بر تن خیزم از بیم نمود

کرده در عالم اسلام ابن سینا پس از آن مولانا جلال‌الدین کرد و آخرین کسی که اینکار را کرد محمد اقبال بود.

اقبال خود باین وظیفه آسمانی خود پی برده بود ما مسلمانان پس از حضرت ختمی مرتبت رتبه پیغمبری برای کس دیگر قائل نیستیم ولی کرامت و مقام ارشادی در اقبال هست که نمیتوان آنرا نا دیده و ناشنیده گرفت.

امروز ملت بزرگی شامل هشتاد و چند ملیون مسلمان در جهان هست که با سرعت جای خود را در جهان باز کرده و با سرعت روز بروز بر مقام خود می افزاید. چهل سال پیش از این و نزدیک سی سال پیش از آنکه پاکستان استقلال از دست رفته خود را دو باره بدست آورد اقبال این وظیفه آسمانی خود را بدینگونه ادا کرده است. خوگر من نیست چشم هست و بود الخ

بام از خاور رسید و شب شکست
شبنم نو بر گل عالم نشست
نغمه ام از زخمه بی پرواستم
من نوای شاعر فرداستم
نغمهٔ من از جهان دیگراست
این جرس را کاروان دیگر است
ای بسا شاعر که بعد از مرگ زاد
چشم خود بر بست و چشم ما کشاد
رخت ناز از نیستی بیرون کشید
چون گل خود از مزار خود دمید
عاشقم فریاد ایمان من است
شور حشر از پیش خیزان من است
چشمهٔ حیوان برا تم کرده اند
محرم راز حیاتم کرده اند
ذره از سوز نوایم زنده گشت
پر کشود کرمک تا بنده گشت
سر عیش جاودان خواهی بیا
هم زمین و آسمان خواهی بیا

ان اشعار میں اقبال اپنے ان فرائض کو جو بحیثت ایک پیشوا اور رهنما کے اسی پر عائد هوتے هیں بیان کرتا هے - کیا ان اشعار میں اس نے پاکستان کے قیام سے پیشتر هی پاکستان کا نقشہ پیش نہیں کردیا -

---

درین اشعار اقبال خود وظیفه پیشوائی و راهنمائی خود را بیان میکند. آیا در همین اشعار پاکستان را پیش از آنکه بوجود آید نساخته است؟

اس پیغام کو اقبال ایک اور جگہ بیان کرتا ہے ۔

شعر را مقصود گر آدم گری است
شاعری هم وارث پیغمبری است

*دنیائے اسلام میں اقبال کو بہت بلند روحانی مقام حاصل ہے لیکن اسکی حکمت اور شاعری کا مقام اس سے کمتر نہیں ۔ ایران اور پاکستان کی مشترک ادبی تاریخ میں بڑے بڑے شاعر پیدا ہوئے ہیں ۔ اقبال کو انکے زمرے میں ایک امتیازی مرتبہ حاصل ہے ۔ اور اسکو بلبل حکیمان یا حکیم بلبلان کا لقب زیب دیتا ہے ۔ بڑے بڑے شعرا میں سے اکثر معنی کو لفظ پر قربان کردیتے ہیں اور انکی کوشش یہ رہی ہے کہ خوبصورت اور موسیقی دارالفاظ استعمال کریں ۔ لیکن اقبال کی توجہ ہمیشہ بلند و لطیف و دقیق معانی کی طرف مبذول رہی ہے ۔ اسکے خیالات حکمت کی دنیا کی بلندیوں میں پرواز کرتے ہیں اور اسکی ساری توجہ معانی پر متمرکز ہے ۔ شعر کی

متن فارسی :

*ازین مقام روحانی که اقبال در عالم اسلام داشته است اگر بگزریم مقام حکمت و شاعری او کمتر از آن نیست . در فرهنگ مشترک ایران و پاکستان گویندگان بزرگ بسیار آمده اند و رفته اند . درمیان ایشان امتیاز بزرگی که اقبال دارد اینست که او را باید ,,بلبل حکیمان،، و یا ,,حکیم بلبلان،، لقب داد . اکثریت شعراء بزرگ معنی را فدای لفظ کرده اند یعنی بیشتر کوشیده اند الفاظ شیوه که بیان موسیقی در آنها باشد بکار برند اگر معنی حکیمانه درین الفاظ شیوا جا میگرفته است از گفتن آن دریغ نمیکرده اند چنانکه سعدی و حافظ اینکار را کرده و اکثریت شاعران پیرو این روش ادبی بوده اند .

مذکورہ بالا خاصیت خاص طور پر تصوف کے بلند مرتبہ شعرا مثلاً سنائی، عطار، مولانا و عراقی اور انکے پیروں کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ اقبال اس صنف شعر کی تکمیل کرتا ہے بلکہ بہتر ہوگا اگر اسکو ان معنی آفرین پیغمبر شعرا کا خاتم کہا جائے۔ خود اقبال نے اس بات کی طرف نہایت لطیف اشارہ کیا ہے۔

ذره ام مهر منیر آن منست
صد سحر اندر گریبان منست
خاک من روشن تر از جام جم است
محرم نا زاده های عالم است
فکرم آن آهو سرفتراک بست
کو هنوز از نیستی بیرون نجست
محفل رامشگری برهم زدم
زخمه بر تار رگ عالم زدم
بسکه ساز فطرتم نادر نواست
همنشین از نغمه ام نا آشناست
رم ندیده انجم از تابم هنوز
هست نا آشفته سیمابم هنوز

اما اقبال همه جا نظر بمعانی بزرگ و لطیف و دقیق داشته چنان فکر او در آن محیط حکمت و در آن بالای آسمان سیر میکرده که همهٔ توجه خود را طرف معانی آسمانی کرده است . این خاصیت در شعر فارسی مخصوص بزرگان تصوف مانند سنائی و عطار و مولانا و عراق و پیروان آنهاست و اقبال در این زمینه مکمل و اگر درست بخواهید خاتم این پیغمبران معنی آفرین است . اقبال خود این مطلب را با بیان بسیار لطیفی بدینگونه ادا میکند .

ذره ام مهر منیر آن منست (الخ)

اور پھر کہا ہے :

شاعری زین مثنوی مقصود نیست
بت پرستی بت گری مقصود نیست
خرده بر مینا مگیر ای هوشمند
دل بذوق خردهٔ مینا ببند

مثنوی مولانا روم سات سو سال سے تمام دنیا کے مسلمانوں میں ,,قرآن عجم،، کے نام سے مشہور ہے کیونکہ قرآن مجید کے بعد ہم مسلمانوں نے کسی کتاب کا مثنوی کے برابر احترام نہیں کیا اور نہ کسی اور کتاب کا اتنا مطالعہ کیا گیا ہے........... لیکن جس بات کی طرف توجہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ سینکڑوں بڑے اور چھوٹے شاعروں نے مثنوی کی تقلید کی ہے لیکن کسی کو بھی مثنوی سے وہ قرب میسر نہیں ہوا جو

مثنوی مولانا را از زمانهای بسیار قدیم یعنی از همان هفتصد و پنجاه سال پیش که درمیان مسلمانان همه جهان انتشار یافته ,,قرآن عجم،، نام داده اند زیرا که قطعا پس از مصحف شریف وکتاب آسمانی ما ، مسلمانان هیچ کتابی را مسلماً باندازه مثنوی نخوانده و محترم نشمرده اند . اشارات فروان اقبال نبست بمثنوی در شعر فارسی و اردوی او باندازه ایست که تقریباً سراسر آثار وی را فرا گفته و یکی از جنبه های بسیار آشکار شعر اوست که همه میدانند .

اما نکته ای که باید بیشتر بان توجه کرد اینست که درمیان صدها شاعر بزرگ و کوچک که تقلید از مثنوی کرده اند هیچ کس باندازه اقبال بآن نزدیک نشده است . نه تنها بسیاری است از عقاید و افکار مولانا را در شعر

اقبال کو۔ نہ صرف اقبال نے بہت سے افکار اور عقاید (اپنے اردو اور فارسی کلام میں) رومی سے اخذ کئے ہیں بلکہ فارسی صنف شعر میں وہ رومی کے اسقدر قریب پہنچ جاتا ہے کہ اسکو ایک قسم کا معجزہ شمار کرنا چاہئے۔

اسکے بعد استاد سعید نفیسی اقبال کی مندرجہ ذیل حکایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

آن شنیدستی که در عهد قدیم
گوسفندان در علف زاری مقیم

اور

سید هجویر مخدوم امم
مرقد او پیر سجزی را حرم

اور چند اشعار نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

,,دیکھئے اقبال اپنے صوفیانہ تصوف سے کتنا بلند نتیجہ اخذ کرتا ہے۔ اقبال کے فلسفہ کا ایک مبہم پہلو یہ بھی ہے کہ زیردست قوموں کو چاہئے کہ اپنے آپ کو غیروں کے استیلا سے نجات دلائیں۔ مخصوصاً

اردوی خود بیان کرد، بلکه در شعر فارسی گاهی باندازه‌ای بمولانا نزدیک شده که این را نوعی از اعجاز باید دانست.

در بیان مقدمه و شرح و مطلب و نتیجه گرفتن از داستان و رسیدن بحقایق بلند نیز اقبال پیرو روش خاص مولاناست.

ملاحظه میفرمایند نتیجه ای که اقبال ازین فکر تصوف گرفته نتیجه بسیار عالیست زیرا که یکی از مهمترین جنبه های حکمت اقبال اینست که ملل زیر دست باید خود را از استیلای این و آن برهانند و مخصوصاً آنهای که

وہ قومیں جنکو پیشوائی اور سروری کا مقام حاصل رہا ہے کوشش کریں اور اپنے کھوئے ہوئے مقام کو دوبارہ حاصل کریں۔ اس سے ظاہر ہے کہ اقبال صرف پاکستان یا ایران کا شاعر نہیں بلکہ تمام ملل اسلامی اور انکے بعد مشرق کی تمام قوموں کے لئے مبعوث ہوا ہے۔ اقبال کا یہ پہلو جو ہمارے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے اقبال کے کلام میں مخصوصاً پیام مشرق میں بہت نمایاں ہے۔ اقبال اپنے اس پیغمبرانہ اور منہمانہ پیغام کو نہایت عالی، فصیح اور شاعرانہ طرز میں بیان کرتا ہے اور اسکا یہ پیغام تمام مسلمانوں کے لئے وصیت نامہ کا حکم رکھتا ہے،،



پیش ازین مقام سروری و پیشوائی داشته اند آن مقام از دست رفته را دوباره بدست بیاورند. اینجاست که اقبال تنها شاعر پاکستان یا شاعر ایران نیست بلکه برهمه ملل اسلام و بالا تر از آن برهمه ملل شرق مبعوث شده است و این جنبه بسیار مهم در آثار اقبال و مخصوصاً در پیام مشرق همه جا دیده میشود. گاهی این مقصد رسالت و نبوت و این عقیده حکیمانه خود را با بیان بسیار بلند شیوائی فصیح و شاعرانه ادا میکند که تقریباً حکم وصیت نامه' او را برای ما مسلمانان جهان دارد.

اقبال کے کلام میں تصوف

۲۱ اپریل ۱۹۵۶ کو کراچی میں یوم اقبال کے موقع پر اپنے صدارتی خطبہ میں استاد نفیسی نے فرمایا:

* "اقبال کی شاعری کا سب سے مہم پہلو اسکا تصوف ہے ۔ ہمیں فی الحقیقت اقبال کو ایک صوفی شاعر سمجھنا چاہئے اور اس لحاظ سے وہ ایران اور پاکستان کے صوفی شعرا سے مختلف نہیں ۔ گذشتہ ۹۵۰ سال کے عرصہ میں ایران اور پاکستان کے صوفیا نے عام لوگوں تک اپنے خیالات پہنچانے کی غرض سے فارسی زبان اختیار کی ۔ صوفیا کی نگاہ میں زرتشتی ، عیسائی ، یہودی سب برابر تھے . وہ ہر فرد کو خدا کا سمبل یا ظل تصور کرتے تھے ۔ انسان اور انسان کے درمیان صرف ایک امتیاز کے قایل تھے

---

* درمیان جنبه های مختلف آثار اقبال قطعاً جنبه تصوف آن بر جنبه های دیگر برتری دارد. اصلا می توان اقبال را شاعر صوفی دانست و ازین حیث با سرایندگان دیگر تصوف ایران و پاکستان تفاوتی ندارد. بزرگان مشایخ تصوف ایران و پاکستان در نهصد و پنجاه سال پیش عمدا زبان فارسی را برای انتشار عقاید خود در میان عامهٔ مردم اختیار کردند. صوفیه بیش از هر فرقهٔ دیگر از فرق اسلامی توجه بعوام داشته و در ارشاد و هدایت ایشان می کوشیدند و بعیب خداوندان زور و زر اعتنا نمی کردند و حتی در مجالس وعظ و سماع خود تهی دستان را بالا دست توانگران می نشاندند . در نظر شان مسلم و هندو و گبر و ترسا و یهود یکسان بودند و هر موجودی را مظهر خالق می دانستند. تنها امتیازی که درمیان مردم

جسے اسلام نے انا اکرما کم عنداللہ اتقاکم — کے لفظوں میں پیش کیا یا رسول اکرم کا قول کہ. . . . بعثت لاتمم مکارم الاخلاق ۔ تصوف کا انتہائی مقصد انسان کے بلند ترین تکامل کا حصول ھے ۔ انکے نزدیک عالی ترین مقام یہ ھے کہ انسان خدا میں فنا ھو جائے. صوفیوں نے قرآن کی آیت اللہ نورالسموات والارض،، (اللہ آسمان اور زمین کانور ھے) کی دلپذیر تعبیریں کی ھیں —

ایک بہت بڑے صوفی نے کہا ھے کہ انسان کو اس مقام پر پہنچنا ھے جہاں اسے سوائے خدا کی ذات کے کچھ نہ دکھائی دے ۔ اسطرح صوفیا ایک قسم کی ,, فنا،، کے قایل تھے. اسی فنا کو بعض نے ,, خدا میں جذب

قایل بودند همان دستوریست که شریعت مطهر اسلام داده است که ,,ان اکرامکم عنداللہ اتقاکم،، و این گفتهٔ رسول اکرم است که فرماید ,,انی بعثت لاتمم مکارم الاخلاق،، علت غائی و نتیجهٔ قطعی تصوف رسیدن بحد کمال بشریت است که می توان اصلاح (Perfectionism) را در بارهٔ آن وضع کرد. بزرگان تصوف ایران و پاکستان بفروع دین چندان اهمیت نداده‌اند و همهٔ تعلیمات خود را صرف اصول دین کرده‌اند بهمین جهت توحید و وحدت وجود در نظر شان مهم ترین مقصد و مقصود تصوف است و اصول فلسفه (Monisme) را بحد کمال خود رسانده اند برخلاف فلسفه های دیگر شرق که بیشتر جنبه (Dualism) دارند بالا ترین حد کمال را درین می دانستند که وجود در وجود خدا مستهلک شود و این آیهٔ شریفه ,,اللہ نورالسماوات والارض،، را توجیهات بسیار شیرین و بسیار جالب کرده اند. یکی از بزرگان تصوف می فرماید ,,رسد آدمی بجائی که بجز خدا نبیند،، بهمین جهت صوفیاء ما بیک

ہو جانے،، سے تعبیر کیا ہے ۔ یہ تصور ہندوؤں کے ,,نروانا،، کے تخیل سے کچھ زیادہ مختلف نہیں حکیم سنائی نے کہا ہے کہ اگر تمہیں زندگی کی آرزو ہے تو مرنے سے پہلے مر جاؤ۔

صوفیا کے نزدیک ان مقامات تک سوائے کشف اور شہود کی راہ کے رسائی ممکن نہیں اور اس سفر کا صحیح مسافر وہ ہے جو یکے بعد دیگرے ان مقامات سے گذر کر تکامل روح کے آخری مقام پر پہنچتا ہے۔ اس دلچسپ اور مفید تصور کو جو انسان کی بہترین اور اعلی ترین صفات کو ظاہر کرتا ہے اقبال نے تصور خودی کا نام دیا ہے۔

اسکی فلسفیانہ شاعری کا سب سے پہلا شاہکار اسی لطیف تخیل سے متعلق ہے ۔ اقبال ,,جاوید نامہ،، میں کہتے ہیں :

قسم فنا معتقد بوده اند که برخی از ایشان آنرا فنا فی الله نامیده اند و بی شباهت باصول نروانای هندیان نیست. سنائی می فرماید.

,,بمیر ای دوست پیش از مرگ اگر عمر ابد خواهی،،

این مراحل سلوک در نظر صوفیا جز بکشف و شهود فراهم نمی شود و سالک حقیقی آن کسیت که مراحل کمال را یک بیک بپیماید و بعروج نفس برسد.

اقبال این فلسفه بسیار جالب و مهم را (مقصود از فلسفه عروج نفس است) که قطعا عالی ترین فلسفه انسانی است فلسفه خودی نامیده است و سراسر نخستین شاهکار فلسفی او یعنی اسرار خودی بیان این نکتهٔ بسیار باریک و دقیق است در جاوید نامه می فرماید:

من کیم تو کیستی؟ عالم کجاست
درمیان ماؤ تو دوری چراست

(میں کون ہوں ،تو کون ہے، اور یہ دنیا کیا ہے .میرے اور تیرے درمیان فاصلہ کیوں ہے)

من چرا در بند تقدیرم بگو
تو نمیری من چرا میرم بگو

(میں کیوں تقدیر کی زنجیر سے بندھا ہوا ہوں تو نہیں مرتامیں کیوں مر جاتا ہوں)

اور اسکے جواب میں کہتا ہے :

زندگی خواهی خودی را پیش کن
چار سو را جذب اندر خویش کن

(تو زندگی چاہتا ہے تو اپنی خودی کی تربیت کر اور چار سو کو اپنے اندر جذب کرلے)

باز بینی من کیم تو کیستی
در جهان چون مردی و چون زیستی

(پھر تو دیکھے گا کہ میں کون اور تو کون ہے اور تونے دنیا میں کیسے زندگی گذاری اور کیسے مرا)

من کیم؟ تو کیستی؟ عالم کجاست

و جای دیگر فرموده است :

زندگی خواهی خودی را پیش کن

اقبال ایران اور پاکستان کے دوسرے بڑے صوفیوں کی طرح اسبات کو قبول کرتا ہے کہ ,,خودی،، کے بعد بیخودی کا مقام ہے۔ یہ وہی فلسفہ ہے جسکو صوفی جدائی اور فنا کہتے ہیں ۔ پہلا درجہ خودی دوسرا بیخودی ہے۔ یہ خیال دنیای شعر میں زیبا ترین تصورات میں سے ہے اور اسکے نتیجہ کے طور پر متعدد بڑے بڑے شاہکار وجود میں آئے ہیں —

زر تشتیوں کی مشہور منظوم کتاب ,,ارتای و یراف نامک،، میں روح عالم سفلی سے سفر کرتی ہے اور بلندیوں سے گذر کر تکامل حاصل کرتی ہے۔ ایرانی صوفیوں نے اس خیال کو ایک فلسفہ ارتقا یا معراج روح بیان کیا ہے جسمیں روح ترقی کرتے کرتے خدا کی ذات میں مدغم ہو جاتی ہے عطار اسی تصور کو اپنی مثنوی منطق الطیر میں بیان کرتے ہیں۔ عطار نے مختلف انسانی

در نظر اقبال مانند بزرگان تصوف ایران و پاکستان هر کس که باسرار خودی پی برد باید برموز بیخودی هم آشنا شود و آن همان فلسفه تجرید و فنای صوفیه است. پس مرحله نخستین خودی است و مرحله نهائی بیخودی. عروج نفس یا معراج نفس که همان وسیله ارتقا برای رسیدن برموز بیخودی است موضوع آخرین شاهکار اقبال است.....
این مضمون یکی از لطیف ترین مضامین شاعرانه است که در سراسر جهان شاهکار های فراوان بوجود آورده است. در تعلیمات زر دشتی ایران منظومهٔ معروفی هست بنام ,,ارتای ویراف نامک،، که روح برای پیمودن مراحل کمال سفری بآسمان میکند و مراحل مختلف پستی را زیر پای گذارد تا باوج کمال برسد. بعدها صوفیهٔ ایران این مضمون را در تصوف بکار برده و ازان نتیجه برای رسیدن بکمال انسانیت و محوشدن در الوهیت گرفته اند و سنائی منظومه معروف سیرالعبادالی المعاد را در همین زمینه سروده

صفات کو مختلف پرندوں کی شکل میں پیش کیا ہے اپنے ارتقا کے سفر میں بعض پرندے مختلف منزلوں پر رہ جاتے ہیں اور آخر میں پہنچنے والوں کو تکامل نصیب ہوتا ہے۔ منطق الطیر اسی صوفیانہ تخیل کا بیان ہے.

پندرھویں صدی عیسوی کے مشہور ایرانی شاعر فضولی بغدادی نے اسی خیال کو اپنی نہایت اچھی منثور کتاب مسافرت روح میں بیان کیا ہے۔ ابوالعلا معری نے اپنے تصنیف الغفران میں اس مضمون کو انتہائی شاعرانہ بلندیوں تک پہنچا دیا ہے۔

یورپ کی زبانوں میں اسی طرز کا بہترین نمونہ اطالوی شاعر دانتہ کی کامدی الہی ہے۔ انسانی معراج کے بیان کا لطیف ترین اور زیبا ترین نمونہ

فریدالدین عطار هر یک از مرغان را مظهر یکی از صفات بشری قرار داده و از سفری که بوی کمال میکنند یک یک در راه می مانند و سرانجام بحد کمال می رسند و کتاب منطق الطیر او بیان شاعرانه بسیار لطیفی از همین فکرست. فضولی بغدادی شاعر معروف قرن پانزدهم ایران این مضمون را در رساله‌ٔ بسیار لطیفی بنثر فارسی بنام ''سفر نامه‌ٔ روح'' بیان کرده است. ابوالعلاٴ معری در رساله الغفران این مضمون را بحد اعلای شاعرانه‌ٔ خود رسانیده است.

در ادبیات اروپا نمونه کاملی که ازین بیان حکیمانه داریم و نخست کمدی الهی دانته شاعر بزرگ ایتالیائی است.

جاوید نامه‌ٔ اقبال که آخرین شاهکار اوست لطیف ترین تعبیرات شاعرانه را درین زمینه دارد. روح وی در عروج بآسمان با ارواح بزرگان جهان مانند

اقبال کا جاوید نامہ پیش کرتا ہے اقبال عالم بالا کیطرف سفر میں انسانی دنیا کی عظیم‌الشان شخصیتوں سے ملاقات کرتا ہے جسمیں زر تشت پیغمبر اسلام، مولانا جلال الدین رومی ، عارف ہندی جہان دوست، سید جمال‌الدین افغانی، سعید حلیم‌پاشا مہدی سودانی، حسین بن حلاج، قرۃالعین شاہ ہمدان، غنی کشمیری، احمد خان درانی اور حتی زمانہ قدیم کے ,,خدا،، بھی شامل ہیں۔

اقبال ان بزرگ شخصیتوں سے ملاقات کے دوران میں پیچیدہ اور دقیق اور لطیف فلسفانہ اور عارفانہ نکات کے علاوہ سوشل اور سیاسی مسائل بھی زیر بحث لے آتا ہے۔ اس لئے ہمیں جاوید نامہ کو تصوف کی آخری کتاب کی حیثیت سے قبول کرنا ہوگا ۔ اور اقبال نہ صرف تصوف کے بلند ترین شارعین میں شمار ہوگا بلکہ ماننا پڑیگا کہ وہ ایران اور پاکستان کے صوفیانہ طرز فکر کا آخری بڑا نمائندہ ہے۔

اقبال کے کلام کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے بڑے بڑے

زردشت ، رسول اکرم و رومی و یک عارف ہندی بنام ,,جہان دوست،، و سید جمال الدین افغانی سعید حلیم پاشا و مہدی سودانی و حسین بن منصور حلاج و میر سید علی ہمدانی وغنی کشمیری و نادر شاہ و ابدالی و حتی با ارباب انواع قدیم رو برو می شود و او درمکالمہ ایکہ با ہر یک کردہ است ، نہ تنہا مسائل دقیق حکمت و عرفان را طرح میکند بلکہ بمسائل اجتماعی نیز می پردازد . بہمین جہت جاوید نامہ را می توان آخرین اثر تصوف درین زمینہ دانست و اقبال را یکی از راہنمایان بزرگ تصوف بلکہ آخرین مرد بزرگ تصوف ایران و پاکستان شمرد .

مطالعہ در آثار اقبال می رساند کہ وی ممارست کامل در آثار بزرگان

صوفیوں کی تصنیفات مخصوصاً مثنوی مولانا روم ، گلشن راز از شیخ محمود شبستری اور آثار سید علی ہمدانی اور عراقی کا نہایت غور سے مطالعہ کیا ہے۔

اسرار خودی، رموز بیخودی، جاوید نامہ اور اس کی آخری مثنوی پس چہ باید کرد ای اقوام شرق ، کو بیسویں صدی کی مثنوی کا درجہ حاصل ہے ۔ جیسا کہ ان چار مثنویوں کے مطالعہ سے ظاہر ہے فلسفۂ خودی کو قدیم صوفیاء کی طرح صرف فرد تک ہی محدود نہیں کرتا بلکہ تمام اقوام اور ملل مشرق کو اس کے دائر میں لے آتا ہے۔ اس طرح اس نے قدیم صوفیوں کے روایتی "انفرادیت" کے تصور کو ایک زندہ اجتماعیت میں بدل دیا ہے اور اس کا بہت مبہم نتیجہ نکلا ہے۔ یعنی مشرق کے لوگوں کے دلوں میں خود اعتمادی پیدا ہورہی ہے۔

مملکت آزاد پاکستان کا وجود میں آنا بہت حدتک اقبال کی تعلیم کا پھل ہے۔ میرے خیال میں پاکستان اقبال کے صوفیانہ تخیل کا ایک زندہ معجزہ ہے —

صوفیہ مخصوصاً مثنوی مولانا و گلشن راز شیخ محمود شبستری و آثار مختلفہ میر سید علی ہمدانی و فخر الدین عراقی داشتہ است. اسرار خودی و رموز بیخودی و جاوید نامہ و حتی آخرین اثروی "پس چہ باید کرد ای اقوام شرق" را میتوان مثنوی قرن بیستم و گلشن راز قرن بیستم دانست . درین چہار شاہکار خود اسرار خودی و فلسفہ کمال پرستی یا (Perfectionism) را منحصر بافراد نکردہ بلکہ در اقوام و اجتماعات شرق نیز وارد کردہ و نتیجہ بسیار مہمی کہ از آن گرفتہ استقلال و اعتماد بخود ملل شرق است و جای شک نیست کہ ہمین تعلیمات اقبال پاکستان مستقل را بوجود آورد و استقلال پاکستان را میتوان از معجزات تصوف و فلسفۂ اقبال دانست .

• •

خالص ادبی نقطه نظر سے دیکھا جائے تو بھی اقبال کا شمار بزرگ ترین صوفی شعراء میں ہوتا ہے اس خیال کے مدنظر کہ ان کے خیالات عام لوگوں کو آسانی سے سمجھ آجائیں صوفی شعرا عموماً سمبل (یا شرحی اشارات) کا استعمال کرتے رہے ہیں ۔ یہ طرز شعر گوئی گیارھویں صدی میں پہلے صوفی شاعر ابو سعید ابوالخیر سے شروع ہوا اور سولھویں صدی کے اواخر تک معراج پر رہا اور جامی اس مکتب کا آخری بڑا شاعر ہوا ہے۔ اسی مکتب کے ایک بہت بڑے شاعر شمس‌الدین حافظ نے اپنے کلام میں بعض مقامات پر امپرشنزم کی طرز میں شعر کہے ہیں اور اس طرز کو گذر وقت کے ساتھ ہند و پاکستان کے شعرا میں مقبولیت حاصل ہوگئی اور ایران میں یہ طرز شعر ہندی مکتب کے نام سے مشہور ہے۔ برصغیر ہند و پاکستان میں فغانی، عرفی، فیضی، ظہوری، نظیری، طالب، املی، غنی، کلیم، صائب،

از نظر ادبی تصوف اقبال را باید یکی از بزرگترین سرایندگان این فن دانست . صوفیه از آغاز که بشعر گفتن در زبان فارسی آغاز کردند برای اینکه مطالب بسیار دقیق و لطیف خود را در اذهان مردم بهتر و آسانتر وارد کنند سبک سمبولزم (Symbolism) را در شعر اختیار کردند و این روش که از زمان ابو سعید ابوالخیر نخستین شاعر تصوف بزبان فارسی از قرن یازدهم وارد ادبیات ما شد تا پایان قرن شانزدهم در اوج ترقی بود و عبدالرحمن جامی را باید آخرین شاعر بزرگ این سبک دانست.

یکی از بزرگترین شاعران تصوف شمس‌الدین حافظ شیرازی گاه گاهی اصول امپرسیونسیم (Impressionism) را در اشعار خود بکار برده است که چون بعدا درمیان شاعران بزرگ فارسی زبان هند و پاکستان رواج کامل یافته درمیان ایرانیان بسبک هندی یا هندوستانی معروف شده‌است. در هند و پاکستان

بیدل ، غالب ، وغیرہ نے امپرشنزم (Impressionism) طرز کی شاعری کی ترقی میں حصہ لیا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شعر سے وہ روانی اور سادگی جو صوفیانہ خیالات کے بیان کے لئے لازم ہے رخصت ہوگئی ۔ بیدل کا کلام تو خاص طور پر صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص ہوگیا جو فن شاعری کے تمام پہلوؤں اور نکات سے آشنا ہیں ۔

اقبال نے اس طرز بیان کے نقص کو محسوس کیا اور اس نے دوبارہ شاعری کو صوفی مکتب کی مخصوص سادہ بیانی اور روانی عطا کی ۔ اقبال کے پیغام کے مخاطب مشرق کے لوگ اور خاص کر مسلمان ہیں ۔ اقبال کی شاعری نے پہلے اہالی پاکستان کو بیدار کیا اور پھر اہل ایران کے دلوں میں جنبش پیدا کی اور اب اقبال کا اثر ان لوگوں میں بھی پھیل رہا ہے جو فارسی

فغانی، عرفی، فیضی، ظہوری و نظیری طالب آملی و غنی و کلیم و صائب بیدل و غالب امپرسیونسیم را ترقی فوق‌العاده دادند و نتیجه آن این شد که شعر از آن روانی و سادگی که برای فهم مسائل دقیق و لطیف تصوف لازم است افتاد و مخصوصاً در شعر بیدل اختصاص بکسانی پیدا کرد که از جمله رموز شاعری آگاه باشند .

اقبال بهتر از همه متوجه این عیب شده و دوباره شعر را بهمان سادگی و روانی سمبولیسم (Symbolism) بر گرداند زیرا که مخاطب او همه مردم کشور های شرق و اسلام از پیر و جوان و زن مرد و بودند و همین سبب شد که شعر اقبال همه مردم پاکستان و پس ازان مردم ایران را تکان داد و اینک روز بروز نفوذ آن درمیان مردی که فارسی زبان نیست بیشتر می شود ۔

خالص ادبی نقطه نظر سے دیکھا جائے تو بھی اقبال کا شمار بزرگ ترین صوفی شعراء میں ہوتا ہے اس خیال کے مدنظر کہ ان کے خیالات عام لوگوں کو آسانی سے سمجھ آجائیں صوفی شعرا عموماً سمبل (یا شرحی اشارات) کا استعمال کرتے رہے ہیں - یہ طرز شعر گوئی گیارھویں صدی میں پہلے صوفی شاعر ابو سعید ابوالخیر سے شروع ہوا اور سولھویں صدی کے اواخر تک معراج پر رہا اور جامی اس مکتب کا آخری بڑا شاعر ہوا ہے۔ اسی مکتب کے ایک بہت بڑے شاعر شمس الدین حافظ نے اپنے کلام میں بعض مقامات پر امپرشنزم کی طرز میں شعر کہے ہیں اور اس طرز کو گذر وقت کے ساتھ ہند و پاکستان کے شعرا میں مقبولیت حاصل ہوگئی اور ایران میں یہ طرز شعر ہندی مکتب کے نام سے مشہور ہے۔ برصغیر ہند و پاکستان میں فغانی، عرفی، فیضی، ظہوری، نظیری، طالب، املی، غنی، کلیم، صائب،

از نظر ادبی تصوف اقبال را باید یکی از بزرگترین سرایندگان این فن دانست . صوفیه از آغاز که بشعر گفتن در زبان فارسی آغاز کردند برای اینکه مطالب بسیار دقیق و لطیف خود را در اذهان مردم بهتر و آسانتر وارد کنند سبک سمبولزم (Symbolism) را در شعر اختیار کردند و این روش که از زمان ابو سعید ابوالخیر نخستین شاعر تصوف بزبان فارسی از قرن یازدهم وارد ادبیات ما شد تا پایان قرن شانزدهم در اوج ترقی بود و عبدالرحمن جامی را باید آخرین شاعر بزرگ این سبک دانست.

یکی از بزرگترین شاعران تصوف شمس الدین حافظ شیرازی گاه گاهی اصول امپرسیونسیم (Impressionism) را در اشعار خود* بکار برده است که چون بعدا درمیان شاعران بزرگ فارسی زبان هند و پاکستان رواج کامل یافته درمیان ایرانیان بسبک هندی یا هندوستانی معروف شده‌است. در هند و پاکستان

بیدل، غالب، وغیرہ نے اسپرشنزم (Impressionism) طرز کی شاعری کی ترقی میں حصہ لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شعر سے وہ روانی اور سادگی جو صوفیانہ خیالات کے بیان کے لئے لازم ھے رخصت ہوگئی۔ بیدل کا کلام تو خاص طور پر صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص ہوگیا جو فن شاعری کے تمام پہلوؤں اور نکات سے آشنا ھیں۔

اقبال نے اس طرز بیان کے نقص کو محسوس کیا اور اس نے دوبارہ شاعری کو صوفی مکتب کی مخصوص سادہ بیانی اور روانی عطا کی۔ اقبال کے پیغام کے مخاطب مشرق کے لوگ اور خاص کر مسلمان ھیں۔ اقبال کی شاعری نے پہلے اہالی پاکستان کو بیدار کیا اور پھر اهل ایران کے دلوں میں جنبش پیدا کی اور اب اقبال کا اثر ان لوگوں میں بھی پھیل رہا ھے جو فارسی

فغانی، عرفی، فیضی، ظهوری و نظیری طالب آملی و غنی و کلیم و صائب بیدل و غالب امپرسیونسیم را ترقی فوق‌العاده دادند و نتیجه آن این شد که شعر از آن روانی و سادگی که برای فهم مسائل دقیق و لطیف تصوف لازم است افتاد و مخصوصاً در شعر بیدل اختصاص بکسانی پیدا کرد که از جمله رموز شاعری آگاه باشند.

اقبال بهتر از همه متوجه این عیب شده و دوباره شعر را بهمان سادگی و روانی سمبولیسم (Symbolism) بر گرداند زیرا که مخاطب او همه مردم کشور های شرق و اسلام از پیر و جوان و زن مرد و بودند و همین سبب شد که شعر اقبال همه مردم پاکستان و پس ازان مردم ایران را تکان داد و اینک روز بروز نفوذ آن درمیان مردی که فارسی زبان نیست بیشتر می شود.

زبان نہیں جانتے ۔ دنیا میں بے شمار شاعر ہوئے ہیں ۔ لیکن ان میں سے صرف انہی شعرا کو قابل تمجید اور عظیم المرتبت خیال کیا جاتا ہے جنہوں نے اپنے اپنے زمانے میں ایک نبی، یا ملہم من اللہ کی خدمات انجام دیں ہوں ۔

نہ فقط انہوں نے عام لوگوں کی تمنیات اور آرزوؤں کی نمائیندگی کی بلکہ ان کی آرزوؤں اور مقاصد کو پورا کرنے کا طریقہ بھی ان کے سامنے پیش کیا ۔ اقبال یقیناً ان عظیم المرتبت انسانوں میں سے ہے اور ہم اسے اگر پیغمبر شاعران یا شاعر پیغمبران کا لقب دیں تو نہایت مناسب اور صحیح ہوگا ۔ ایسے عالی قدر افراد کی حقیقی عظمت اس وقت ہم پر روشن ہوتی ہے جب ہم ان کے ماحول اور ان کے زمانے کے پس منظر کے مدنظر ان کے کلام کا مطالعہ کریں ۔ صرف اسی حالت میں ہم اندازہ لگا سکینگے کہ ان کے ملک اور ان کے ہم وطنوں نے اس کے کلام سے کس قدر فائدہ اٹھایا ہے ۔ سیالکوٹ

در جهان ما شاعران بسیار بوده اند اما در عالم حقیقت تنها کسانی از میان ایشان بزرگ و در خور ستائیش اند که پیامبر عصر و زمان خود بوده باشند . یعنی نه تنها آرزو های مردم دیار خود را بیان کرده باشند بلکه راه رسیدن بآن آرزو ها را هم نشان داده باشند. قطعا علامه محمد اقبال یکی ازین مردان بزرگست که میتوان او را پیامبر شاعران یا شاعر پیامبران دانست .

برای پی بردن بمقام بلند این گونه سرایندگان بزرگ باید ایشان را در محیط زمان و مکان خود دید تا معلوم شود چه نتیجهٔ از وجود ایشان بهره کشور شان و ملت شان شده است . درین یک ماه و نیم گذشته سفر های متعدد من در پاکستان و مخصوصاً اقامت در سیالکوت و لاهور یعنی محیطی که

اور لاهور میں قیام کے دوران میں مجھے موقع ملا که میں اپنی آنکھوں سے اس ماحول اور گردو پیش کے حالات کو دیکھه سکوں جہاں اقبال نے اپنی زندگی کے دن گذارے هیں اور اس مطالعه سے اقبال کا مرتبه میری نگاهوں میں بلند تر هوگیا هے۔ پاکستان آنے سے پہلے بهی میں اقبال کو ایک بہت بلند شخصیت سمجھتا تها لیکن اب جب که میں یہاں سے واپس جارها هوں اس کا مقام میرے لئے پہلے سے بہت بلند هوگیا هے'۔ کیونکه جو معجزانه کام اس نے اس ملک میں انجام دیا هے میں اپنی آنکھوں سے دیکھه چکا هوں۔



اقبال در آن زیسته است روز بروز این مرد بزرگ را در نظر من بزرگ تر کرد . من پیش از آن که بپاکستان بیایم اقبال را بزرگ میدانستم امروز که از پاکستان می روم او در نظر من بسیار بزرگ تر شده است زیرا خود دیدم وی چگونه درین سر زمین اعجاز کرده است .

اقبال اور ڈاکٹر حسین خطیبی

ڈاکٹر حسین خطیبی تہران یونیورسٹی کے ہر دل عزیز پروفیسر اور شیر و خورشید سرخ (ایرانی ریڈ کراس) کے سکریٹری ہیں۔ خطیبی مرحوم ملک‌الشعرا بہار کے نہایت عزیز شاگرد تھے اور اب تہران یونیورسٹی میں اسی پوسٹ پر کام کر رہے ہیں جو بہار کے وفات سے خالی ہوئی۔ دوسرے لفظوں میں وہ "سبک شناسی" یا فن تنقید و سخن سنجی کی تدریس میں مشغول ہیں۔ خطیبی کا ذوق شعر اور حافظہ حیرت انگیز ہے انکو ہزارہا چیدہ چیدہ اشعار اور مختصر قطعات یا رباعیات کے علاوہ قدما اور متوسطین کے سینکڑوں مفصل قصائد اول سے آخر تک حفظ ہیں۔ اور جب وہ ان طویل قصائد کو اپنی مخصوص تحت اللفظ طرز میں پڑھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اشعار آسمان سے ان پر نازل ہو رہے ہیں۔

میری جس ایرانی ادیب سے سب سے پہلے ایران میں ملاقات ہوئی ڈاکٹر خطیبی ہیں اور بعد میں جب کبھی مرحوم ملک‌الشعرا سے بعض ادبی موضوعات پر راہنمائی چاہی تو انہوں نے ہمیشہ ڈاکٹر خطیبی کا نام لیا۔ مجھکو یہ فخر ہے کہ سب سے پہلی تقریر اور سب سے پہلا مقالہ جو بہار کی شاعری پر ڈاکٹر خطیبی نے لکھا وہ میرے لگاتار اصرار کا نتیجہ تھا اور اس امر کا ذکر خاص طور پر انہوں نے اپنے مقالہ میں کیا ہے۔

اقبال کے متعلق رسمی اور سطحی قسم کی تقریریں اور مقالات تو ایران میں عام ہونے لگے تھے مگر کسی ایرانی کو اقبال کا باقاعدہ مطالعہ

کرنے کا حوصلہ نہ ہوا تھا - ۱۹۵۳ میں ڈاکٹر خطیبی نے اقبال کی ساری فارسی تصنیفات کا مطالعہ کیا اور اپنے خیالات کا اظہار یوم اقبال کے جلسہ میں فرمایا - اس دفعہ یوم اقبال کے پروگرام میں صرف ڈاکٹر خطیبی ھی کی تقریر تھی جسکو حاضرین نے اور ایران کے طول و عرض میں سامعین نے ریڈیو پر سنا - اسکے بعد انکی تقریر کا خلاصہ بعض اخبارات اور رسائل میں چھپا اور یونیورسٹی کے ادبی حلقوں میں اقبال کی شاعری پر فنی اعتبار سے گفتگو ہونے لگی - خطیبی نے اقبال کے اسٹائل اور نفس مضمون کا بغور مطالعہ کیا اور کسی حد تک ایرانی شعرا سے مقابلہ اور مقایسہ کرنے کی کوشش کی تا کہ ایرانی اہل ادب تاریخی پس منظر کی روشنی میں اقبال کو بہتر پہچان سکیں -

ڈاکٹر خطیبی کی ایرانی ادبی حلقوں میں مقبولیت اور اس کے نظریات کی تاریخی اهمیت کے پیش نظر میں نے انکی انتخاب کردہ غزلیات اور قطعات وغیرہ کو نقل کر دیا ھے تا کہ قارئین پاکستان ایک ایرانی ادیب کے ذوق سے آشنا ہو سکیں - چونکہ خطیبی کے مقالات سے اقتباسات زیادہ تر ایک خاص طبقہ کے ادبا کے لئے ھیں اسلئے فارسی اشعار کا ترجمہ کرنیکی ضرورت محسوس نہیں کی گئی -

(اقتباس از مقدمہ ,, رومی عصر،،)

,, ... اس عظیم الشان پاکستانی شاعر اقبال لاہوری (جس نے ہم فارسی زبانوں پر اتنا بڑا احسان کیا ہے) کے متعلق سوائے اسکے نام کے میں نے کچھ نہیں سنا تھا - اور میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ان مشکلات کے ہوتے ہوئے جو فارسی زبان کی ترقی کے راستے میں حائل تھیں اس ملک میں اتنا بلند طبع اور پر مغز شاعر پیدا ہو سکتا ہے - ایسا شاعر جسکی نظیر آخری چند صدیوں میں ایران سے باہر یقیناً نہیں ملتی - اور جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ اقبال نے با این ہمہ تصنیفات کے جو اس نے فصیح فارسی زبان میں یادگار چھوڑی ہیں زبان فارسی فقط کتابیں پڑھکر سیکھی، تو مجھے نہایت تعجب ہوا - میں نے اقبال کی تمام تصنیفات کا غور سے مطالعہ کیا ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ اسکے تمام اشعار میں کوئی ایسی ترکیب یا لفظ نہیں پایا جاتا جس پر زبان

,, ...من از این شاعر بزرگوار پاکستانی مرحوم اقبال لاهوری که این همه حق بگردن ما فارسی زبانان دارد جز نام چیزی نشنیده بودم و هرگز تصور نمیکردم باهمه موانعی که در راه پیشرفت زبان فارسی ایجاد شده است این کشور بتواند چنین شاعر پرمایه بلند طبعی را بوجود آورد که بطور یقین میتوان گفت نظیر او در قرون اخیر بین شعرای فارسی زبان خارج از ایران دیده نمیشود و بیشتر موجب تعجب شد وقتی دانستم کو مرحوم اقبال با اینهمه آثار فصیح که بزبان فارسی از خود برجای گذاشته این زبان را فقط بدرس خوانده و تمام آثار این شاعر را بدقت مورد مطالعه و امعان نظر فاتر قرار دادم و دیدم که در سراسر اشعار او لفظی یا ترکیبی که بتوان از نظر فارسی آنطور که ما ایرانیان این زبان را می دانیم و می خوانیم

فارسی کے لحاظ سے (جیسا کہ ہم ایرانی اس زبان کو سمجھتے اور پڑھتے ہیں) اعتراض کیا جا سکے۔

آقائی خطیبی لکھتے ہیں:-

اقبال کے اشعار کا اسٹائل لفظی لحاظ سے سبک ہندی کے شعرا کی مانند زبان کی مخصوص ترکیبوں لفظوں اور دقیق مضامین پر مبنی نہیں بلکہ ایران کے قدیم شعرا کے کلام سے شباہتؑ رکھتا ہے۔ الفاظ کے استعمال کے لحاظ سے اسکی شاعرانہ روش مشہور خراسانی اور عراقی روش کے نزدیک ہے لیکن بلحاظ معنی، وسعت فکر اور باریک بینی اس کا کلام ایک سمندر کے مانند ہے اور اگر چاہوں کہ مختصر الفاظ کی مدد سے جو میرے محدود اختیار میں ہیں اسکے متعلق کچھ بیان کروں تو رومی کا یہ مشہور شعر یاد آتا ہے۔

گر بریزی بحر را در کوزہ ای
چند گنجد قسمت یکروزہ ای

مورد ایراد قرار داد اگر نگویم وجود ندارد باید اقرار کنم آنقدر کم است کہ میتوان گفت نیست.

پایۂ اشعار مرحوم اقبال از جنبۂ لفظی بخلاف تمام شعر ای کہ بعد از دورۂ سبک معروف بہندی در خارج از ایران شعر گفتہ اند بر ترکیبات و الفاظ و افکار و معانی این سبک متکی نیست بلکہ چون در آثار شعرای قدیم ایران، روش او در شاعری از جنبۂ لفظی بسبک ہای معروف بخراسانی و عراق قدیم نزدیک تر است اما از جنبۂ معنی و وسعت فکر و دقت نظر آثار او بمنزلۂ دریائی است کہ اگر خواستہ باشم آنرا بمدد الفاظ مختصر و نارسائی کہ باختیار من است بیان کنم و شرح دہم بیت معروف مولوی را بخاطر می آورد کہ: گر بریزی بحر را در کوزہ ای (الخ)

اقتباس از مقاله بعنوان ,,سبک اقبال،،
اقبال کا سٹائیل یا طرز بیان

اس عنوان کے تحت ڈاکٹر خطیبی فرماتے ہیں: -

*اگر ہم چاہیں کہ اقبال لاہوری کے سٹائیل کو چند الفاظ میں بیان کریں تو کہیں گے اس شاعر کا ایک اپنا مخصوص سٹائیل ہے جس کو ,,سبک اقبال،، (طرز اقبال) کا نام دینا مناسب ہوگا۔ اقبال نے عام توقع کے خلاف سبک ہندی کی طرف بہت کم توجہہ دی ہے اور بہت کم اس سٹائیل کا تتبع اور پیروی کی ہے۔ اقبال نے اس کی بجائے ایران کے قدیم شعرا مثلاً منوچہری، ناصر خسرو، سنائی، عطار، رومی، سعدی، حافظ، جامی کا گہرا مطالعہ اور پیروی کی ہے اور اپنے شعر میں زیادہ تر انہی شعرا کی روش کو استعمال کیا ہے اور اپنے مخصوص سٹائیل کی حدود کے پیش نظر اس قدیم فارسی شاعری کی طرز کو محفوظ رکھا ہے۔

سبک اقبال

* اگر خواسته باشیم سبک اشعار علامه محمد اقبال لاهوری را در چند کلمه خلاصه کنیم باید بگوئیم این شاعر سبکی مخصوص بخود داشت که شاید مناسب باشد آنرا بنام ,,سبک اقبال،، بخوانیم . اقبال بعکس آنچه ممکنست در بادی امر تصور شود کمتر بسبک هندی متوجه بوده و از آن اقتباس و پیروی کرده است بلکه با مطالع و تتبع عمیق در اشعار شعرای قدیم ایران از قبیل منوچهری و ناصر خسرو و سنائی و عطار و مولوی وسعدی و حافظ و جامی بیشتر روش آنانرا در شعر و شاعری بکار می بست و حدود سبک خود را بهمان پایه اسالیب قدیم شعر فارسی نگاه میداشت .

اقبال کو گر چہ اہل زبان سے میل ملاپ اور مصاحبت کا موقع نہ ملا لیکن مطالعہ اور تتبع سے اس نے زبان فارسی میں ایسی مہارت پیدا کرلی کہ دقیق ترین عرفانی افکار اور مشکل ترین فلسفی و علمی اور اخلاق معانی کو فارسی زبان کی فصیح ترین ترکیبات اور کامل ترین الفاظ میں آسانی اور روانی سے بیان کرجاتا ہے ۔ اور مبہم مضامین و سست الفاظ اور نا درست کلمات کے استعمال سے پرہیز کرتا ہے اور چند ایک استثنا' سے قطع نظر اس نے اپنے سٹائل کو لفظی حیثیت سے بھی قدیم فارسی کی بنیاد پر مستحکم طور پر قائم کیا ہے اور مضامین اور زبان کی مشکلات کے باوجود خوب نباہا ہے ۔ اس کے اشعار میں کوئی لفظ یا ترکیب یا طرز استعمال نہیں پائی جاتی جس پر اصول اور قواعد زبان فارسی کے لحاظ سے اعتراض کیا جاسکے ۔

مرحوم اقبال با آنکه زبان فارسی را بدرس خوانده و در طول عمر بر ثمر خویش فرصت آنکه با اهل این زبان معاشرت داشته باشد نیافته بود بر اثر همین ممارست و تتبع چنان در زبان فارسی مهارت یافت که توانست دقیقترین افکار عرفانی و مشکل ترین معانی فلسفی و علمی و اخلاق را در قالب فصیح ترین الفاظ و کاملترین ترکیبات زبان فارسی بریزد و بآسانی و روانی بیان کند و نه تنها از ایراد مضامین دشوار و لغات سست و کلمات نادرست احتراز جوید بلکه باستثنای مواردی معدود از جنبه لفظی هم سبک خود را بهمان پایه اشعار قدیم فارسی استوار سازد و نگاه دارد و با کمال استادی از مضامین سخن و دشواریهای کلام بیرون آید و در اشعار لفظی یا ترکیبی یا نحوه استعمالی که از نظر اصول قواعد زبان فارسی بتوان آنرا مورد و انتقاد قرار داد تقریباً دیده نشود .

اقبال کی توجہ زیادہ تر افکار و معانی پر ہے اور الفاظ کو صرف اسی حد تک اہمیت دیتا ہے کہ اس کے دقیق اور عمیق معانی و مطالب کا اظہار کرسکیں وہ لفظی اور شعری صنعتوں اور تکلفات سے (جو عموماً کم‌مایہ شعرا اپنے افکار اور معانی کی سستی کی تلافی کیلئے کام میں لاتے ہیں) بالکل بے پروا ہے کیونکہ اس کی عروس افکار سادہ اور صریح الفاظ میں زیادہ خوبصورت اور کامل تر معلوم دیتی ہے۔ اقبال شعر کی مختلف اقسام میں پوری مہارت رکھتا ہے. فن شعر میں اس نے کچھہ تبدیلیاں بھی کی ہیں اور فنی لحاظ سے بھی مجموعی طور پر اس کو اس درجہ کا کامل اور جامع شاعر سمجھا جاسکتا ہے جس کی نظیر ایران سے باہر کے فارسی گو شعرا میں کئی آخری دوروں میں نہیں دیکھی گئی۔

(نشریہ انجمن روابط فرہنگی ایران و پاکستان تہران)

اقبال در شاعری بیشتر متوجه معانی و افکار است و بلفظ همانقدر ارزش میدهد که وسیله ای برای ابراز معانی و مفاهیم دقیق و عمیق او باشد خارج از این حدود به پیرایه های لفظی و صنایع شعری و تکلفاتی که معمولا شاعران و نویسندگان کم مایه در اشعار خویش بکار می بندند تا سستی افکار و نقص معانی خود را باین طریق جبران کنند بکلی بی اعتناست زیرا عروس افکارش در لباس ساده عبارت زیبا تر تمامتر جلوه می کند.

بعضی تصرفات هم در نوع شعر کرده است و روبهمرفته میتوان از این حیث نیز اقبال را شاعری تمام و جامع و کامل دانست که نظیر او درمیان شعر ای پارسی گوی خارج از ایران در ادوار اخیر دیده نشده است.



مجتبی مینوی مولف اقبال لاہوری



ڈاکٹر حسین خطیبی



علی صدارت نسیم



ڈاکٹر ناظر زادہ کرمانی

اقبال کی شاعری

کسی شاعر کی اہمیت اور اسکا مقام اس وقت معلوم ہو سکتا ہے جب ہم اسکا اسکے زمانے کے اور ہم عصر شاعروں سے مقابلہ کریں اور پھر اسکے ماقبل اور بعد کے دوروں میں شعر کے تحول کا مطالعہ کریں اور اسے جانچیں اور مجموعی طور پر ان باتوں اور باریکیوں کے مد نظر اس شاعر کے متعلق اظہار نظر کریں اور فیصلہ دیں –

محمد اقبال لاہوری کے متعلق اگر ہمارا مقصد صحیح اور دقیق فیصلہ کرنا ہو تو ضروری ہے کہ اسی طریق سے شعر فارسی میں تحول کی تاریخ کا ایران اور ایران سے باہر مطالعہ کریں اور مختلف دوروں میں شعر کی لفظی اور معنوی خصوصیتوں سے واقفیت حاصل کر کے انکا آپس میں

"ارزش و مقام شاعر موقعی معلوم میشود که نخست او را در زمان خود و با شاعران هم عصرش مقایسه کنیم و سپس دورهٔ قبل و بعد از او را نیز از نظر تحولات شعری مورد مطالعه قرار دهیم و با توجه بمجموع این نکات و دقایق دربارهٔ آن شاعر نظری اظهار بداریم و قضاوتی بکنیم.

در مورد استاد محمد اقبال لاهوری نیز اگر خواسته باشیم و سخن ما مقرون بصحت و دقت باشد باید بهمین کیفیت تاریخ تطور شعر فارسی را در ایران و خارج از ایران مطالعه کرده و مختصات لفظی و معنوی شعر را در هر یک از این او را بدانیم و باهم مقایسه کنیم تا بدورهٔ اقبال و شعر او

۱ـ متن خطابه ایست که در جشن اقبال در سفارت کبرای پاکستان ایراد شد.

مقابلہ کریں اور اس ترتیب سے اقبال کے زمانے اور اسکے شعر تک رسائی حاصل کریں۔ پھر ہمیں اسکے کلام پر دو مختلف پہلوؤں سے نظر ڈالنا ہوگا۔ پہلے ہم دیکھیں گے استعمال لفظ اور اس مہارت کے لحاظ سے جو اس استاد شاعر کو کلمات سے انتخاب اور ترکیبوں کی ساخت اور کلام میں ظاہری حسن پیدا کرنے میں حاصل ہیں۔ اس کے بعد معنوی لحاظ سے ہم دیکھیں کہ شاعر نے مضامین تلاش کرنے اور انکو مناسب الفاظ کے سانچے میں ڈھالنے میں کتنی توجہ دی ہے۔

اگر اقبال کے کلام کو اسی قوت فکر، جودت طبع، صفائی قریحہ و ذوق اور دائرہ خیال کی وسعت، اسکی جدت تخیل اور تقلید و تتبع کرنے میں مہارت کو مد نظر رکھتے ہوئے دقیق امتحان کے ترازو پر تولیں، تو اسکا مقام اور مرتبہ ہم فارسی زبانوں کی نظر میں (جو اس زبان کے قیمتی اور گراں بہار آثار کے حقیقی وارث ہیں) اسکے موجودہ مقام سے بدرجہا بلند ہو جائیگا۔ اور یہ امتحان اور مطالعہ شعر و شاعری کے لحاظ سے اسکو ایران کے باہر کے طراز اول کے معدودے چند فارسی گو شاعروں کی صف میں

برسیم ـ آنگاه در آثار وی از دو جنبهٔ مختلف نظر کنیم یکی از جهت لفظ و مهارتی که این سخن سرای استاد در انتخاب کلمات ساختن ترکیبات و آرایش ظاهر کلام داشته، و دیگر از نظر معنی و دقتی که در یافتن مضامین و ریختن آن بقالب الفاظ مناسب بکار برده است با توجه بقدرت فکرو جودت ذهن و صفای قریحه و وسعت دایرهٔ خیال و همچنین حد ابتکار و تقلید او در هر یک از این دو جنبهٔ مختلف، و یقین است کهٔ اگر آثار اقبال را باین طریق در ترازوی دقیق امتحان و اختیار بسنجیم مقام و مرتبت او در پیش چشم ما فارسی زبانان که وارث حقیقی آثار پرارزش و گرانبهای این زبان

جگہ دلائے گا اور وسعت فکر اور کمال معنوی کے لحاظ سے (جسمیں شاعر کے ہنر کو بیشتر جستجو کرنا چاہئے) اسکو بطور مطلق فارسی گو شعرا کے درمیان بہت بلند مقام اور درجہ مل جائیگا۔ جب میں نے ابھی دقت اور انتقاد کی نظر سے اقبال کا مطالعہ نہیں کیا تھا اسکے متعلق بعض باتوں یا نظریات کو جو اسکی تعریف میں دوسروں کی زبان سے سنتا تھا مبالغہ یا محض رسمی کلمے (جو ایسی محافل میں معمولاً کہے جاتے ھیں) خیال کرتا تھا۔ لیکن جب سے میں نے اقبال کے اشعار کا اچھی طرح مطالعہ اور تحقیق کی تو میں نے محسوس کیا کہ جو کچھ اس کے متعلق پہلے سے سنا ھے قطعاً مبالغہ نہیں تھا —

میں نے دیکھا کہ اقبال مختلف انواع شاعری کے فنون میں ماہر ھے وہ قدیم اسلوب شعر فارسی کو خوب سمجھتا ھے اور اس سے اقتباس کرتا ھے اور اسکے ساتھ ھی وہ ایک نئی طرز کا موجد اور بانی ھے۔ شعر

هستیم، بمراتب بیش از آن خواهد شد که اکنون هست و یقیناً این سنجش و مقایسه او را از نظر شعر و شاعری در ردیف چند شاعر طراز اول پارسی گوی خارج از ایران جای خواهد داد و از نظر وسعت و کمال معنی که بیشتر هنر شاعر را در آن باید جست ویرا درمیان شعرای پارسی زبان بطور مطلق نیز مقام و موقعی بس ارجمند خواهد نهاد.

این بندهٔ خود پیش از آنکه با نظر دقت و انتقاد آثار این شاعر را بخواند و بداند، قسمتی از آنچه را در حق او از زبان دیگران می شنید علی‌الرسم مبالغهٔ درستایش و از نوع سخنانی می پنداشت که معمولا در این قبیل مجالس گفته میشود. لکن از زمانی که خود بر اثر تتبع و تحقیق خوب با آثار اقبال آشنا شدم از آنچه پیش از آن در حق او شنیده بودم کمتر سخنی را مبالغه

فارسی کی بعض قسموں اور فنون کے لحاظ سے جو اقبال نے استعمال کئے ھیں ایران سے باھر کے ممالک میں اسکا وھی مقام و مرتبہ ھے جو صفوی دور کے بعد ,,ادبی باز گذشت،، کے علمبردار شعرا کا ھے۔ اقبال کے کلام کا تتبع اور مطالعہ کرنے سے یہ امر مجھہ پر ثابت ھو گیا کہ اس شاعر کو معروف سبک ھندی (ھندی اسٹائل) کی شاعری میں وھی عیب اور سستی نظر آئی جو دورہ صفویہ کے بعد ایران کے شعرا نے محسوس کی اور جسکا نتیجہ یہ ھوا کہ اسٹائل میں تبدیلی آگئی اور قدیم اسلوب شاعری نے دو بارہ رواج حاصل کیا۔

میرا خیال ھے کہ اسکے متعلق مختصر سی تشریح کی ضرورت ھوگی:—

نویں صدی (ھجری) کے بعد فارسی شاعری (جسکو بعض وجوھات کی بنا پر سبک ھندی کہا جاتا ھے) کی بنیاد ابتدا میں صحیح پائے پر

آمیز یافتم چنانکه نتوان آنرا بطریقی توجیه و تفسیر نمود، زیرا اقبال را شاعری دیدم در انواع مختلف شعر متفنن هم متوجه با سالیب کهن شعر فارسی و مقتبس از آن و هم در حد خود مبتکر طریقه ای جدید در بعضی از اقسام و فنون شعر و در بین شعر ای فارسی زبان خارج از ایران دارای همان مقام و مرتبت که شعرای دورهٔ باز گشت ادبی بعد از صفویه در ایران داشته اند زیرا مطالعه و تتبع در آثار او برمن ثابت کرد که این شاعر در سبک معروف بهندی همان معایب و سستی ها را دیده و یافته است که بعد از دورهٔ صفویه توجه شعرای ایران را بخود جلب کرده و منجر بتغیر سبک و باز گشت اسالیب قدیم شده است.

در این باره گمان میرود مختصر توضیحی لازم باشد:

می دانیم سبک شعر فارسی از قرن نهم ببعد — که از آن بعلل و جهاتی

قائم تھی لیکن صفوی دورہ کے بعد یہ طرز شعر رو بانحطاط تھی اور یہ انحطاط ایران سے باہر کے فارسی گو شعرا کے کلام میں زیادہ‌نمایاں ہے۔ ایران میں اگر بڑے بڑے شاعر قدیم اسلوب شعر مخصوصاً عراقی طرز شاعری کو دوبارہ رواج دینے کی طرف توجہ نہ کرتے اور ہندی اسٹائل جوں کا توں جاری رہتا تو ایران میں بھی یہ انحطاط اور ابتذال زیادہ نمایاں ہوتا۔

دسویں صدی بلکہ گیارھویں صدی کے کچھ حصہ میں نسبتاً قیمتی اور گراں بہا تصنیفات شعری وجود میں آئیں اور بعض صاحب طبع شعرا نے اس طرز میں ایسے شعر کہے ہیں جنکو بہترین فارسی اشعار کا ایک جز شمار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن شاعروں کی اس کوشش کا کہ نئے نئے مضامین اور جدید معانی پیدا کئے جائیں یہ نتیجہ ہوا کہ تخیل محض اور اغراق کے دائرے نے وسعت پیدا کر لی اور شعر فارسی ایک ایسی

بسبکه هندی تعبیر میشود — هر چند در ابتدای کار بر پایه و اساس صحیحی استوار بود لیکن بتدریج بعد از دوره صفویه راه انحطاط در پیش گرفت و این انحطاط درمیان شعرای پارسی گوی خارج از ایران بیشتر پدیدار گشت.

در ایران هم اگر کوشش شعرای بزرگ ببازگشت اسالیب قدیم و بخصوص سبک عراقی معطوف نمی شد و دنبالهٔ سبک هندی بهمان صورت که پیش میرفت ادامه مییافت یقیناً آثار این انحطاط و ابتذال محسوس تر میگشت زیرا سبک هندی هر چند — چنانکه گذشت — تا قرن دهم و قسمتی از قرن یازدهم آثار نسبته پر ارزشی بوجود آورد و شعرای صاحب طبعی بدین سبک شعر گفتند که آثار شان را میتوان در شمار یک قسمت از بهترین اشعار زبان فارسی بحساب آورد لیکن میل زیاد شاعران با بداع مضامین جدید

صورت میں ظاہر ہونے لگا جو غیر قدرتی اور بہت زیادہ پر تکلف اور عقل اور فہم کی حد سے باہر تھی اور اسی وجہ سے سست اور کم اہمیت مضامین فارسی شاعری میں داخل ہو گئے۔ اسکا دوسرا اثر یہ ہوا کہ مبہم تشبیہیں، کنائے، استعارے جو ذہنی کیفیات سے دور اور دشوار تھے پیدا ہو گئے۔ اور اپنے ہنر شاعری کے اظہار کے لئے شاعر ہر قسم کے استعارے، تشبیہ اور کنائے کو جائز خیال کرنے لگے۔

تیسری بات یہ تھی کہ الفاظ کے استعمال کی حدیں وسیع تر ہو گئیں اور پرانے شاعروں کی روش کے بر عکس یہ شاعر اپنے آپ کو کسی قید اور شرط کا پابند نہیں سمجھتے تھے۔ اور اپنے اشعار میں وہ عامیانہ اور مبتذل الفاظ کو فارسی زبان کے اصیل اور فصیح الفاظ کے دوش بدوش (جو صدیوں سے بلند طبع خراسانی اور عراقی طرز کے شعرا کے ہاں مستعمل رہے) استعمال کرنے لگے۔ اور نئی ترکیبیں بنانے میں بھی انھوں نے یہی

و یافتن معانی نو موجب آمد که بتدریج اولا دائیرهٔ تخیل و اغراق درشعر فارسی وسعت پیدا کند و بصورتی بسیار متکلف و خارج از حد طبیعت و بیرون از دایرهٔ عقل و فهم بکشد و در نتیجه مضامین سست و کم ارزش در شعر فارسی راه پیدا بکند . ثانیا تشبیهات مبهم و کنایات و استعارات دور از ذهن و دشوار بوجود آید و شاعر برای ابراز هنرایراد هر گونه تشبیهه و استعاره و کنایا ای را در شعر جایز بداند . ثالثا بهمین علت حدود استعمال الفاظ وسعت یا بد و شاعر در انتخاب و استعمال کلمات درست بعکس شعرای قدیم خود را مقید بهیچگونه قید و شرطی نداند و در ضمن کلام الفاظ عامیانه و مبتذل را با کلمات اصیل و فصیح زبان فارسی — که قرن ها مورد استعمال شعرای بلند طبع خراسانی و عراقی بوده است. بیک رشته بکشدو در ترکیب سازی نیز

آسان راستہ اختیار کر لیا اور انہوں نے شعر فارسی کا دروازہ اس قسم کی غیر صحیح اور سست ترکیبوں کے لئے کھلا چھوڑ دیا ۔

اسی سبب سے ہندی طرز کی شاعری آہستہ آہستہ انحطاط اور ابتذال کے راستہ پر جانے لگی ۔

بہر حال ایران میں صاحب ذوق شعرا نے اس طرز کے نقص کی طرف توجہ کی اور اگرچہ انکی کوشش کوئی جدید اسٹائل پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہوئی لیکن اسکا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ شعر فارسی اپنے قدیم اور ہموار راستے پر پھر واپس آگیا ۔ اور دورۂ بعد کے معروف شاعروں کو موقع مل گیا کہ قدیم طرز میں بعض تصرفات کرکے اور کچھ نئی باتیں پیدا کرکے قدیم طرز شاعری کو از سر نو زندہ کریں ۔

لیکن ایران سے باہر سبک ہندی اپنی اسی روش پر قائم رہا اور اسی وجہ سے گذشتہ سو دو سو سال کے عرصہ میں دیگر ممالک کے شعرا

همین راه سهل و ساده را در پیش بگیرد و عرصهٔ شعر فارسی را برای ورود اینگونه لغات و ترکیبات نادرست و سست باز بگذارد .

این مقدمات موجب آمد که سبک هندی اندک اندک در سراشیب انحطاط و ابتذال بیفتد منتهی در ایران شعر ای صاحب قریحه زود متوجه این نقصیه شدند و هر چند کوشش آنها بایجاد سبک جدیدی نیانجامید لیکن این فایده را داشت که شعر فارسی را بجادهٔ هموار قدیم خود باز گرد اند و فرصت آن داد که در دورهٔ بعد شعرای معروف با تصرفات و ابتکاراتی سبک های قدیم شعر را از نو احیا کنند . اما خارج از سر حدات ایران سبک هندی همان طرق را که در پیش گرفته بود ادامه داد و بهمین علت هم در یکی دو قرن

(بر خلاف دورہ ہائے قبل) قابل ارزش اور قابل توجہ کلام پیش نہیں کر سکے -

اس دوران میں فقط علامہ محمد اقبال لاہوری ہے جس نے فارسی شاعری کے نیم مردہ چراغ کو اپنے ملک میں از سر نو روشن کیا اور اس نے اس آسمانی نور اور جاویدان فروغ سے نہ صرف اپنے وطن پاکستان کو بلکہ زبان فارسی کے اصلی گہوارے یعنی ملک ایران کو بھی روشنی دی ہے - اور اسنے ایرانیوں کی آنکھوں کو (جو حسرت اور اندوہ سے ہندوستان میں فارسی ادب کی شمع فروزان کو بجھا ہوا اور تاریکی میں دیکھ رہی تھیں) روشنی بخشی ہے اور اسنے ایرانیوں کے دل میں یہ امید پیدا کر دی ہے

اخیر شعرای پارسی گوی کشور های دیگر بخلاف دوره های قبل نتوانستند آثار نسبه با ارزش و قابل توجهی داشته و باید گفت که تنها در این میان استاد محمد اقبـال لاهوری بود که توانست چراغ نیم مردهٔ شعر فارسی را در کشور خود از نو بر افروزد و از فروغ جاودانی و نور آسمانی آن نه تنها کشور پاکستان وطن خود را منور سازد بلکه از دور دور لمعه ای و فروغی بس تابناک بکشور ایران مهد زبان پارسی نیز بتابد و چشم ایرانیان را که با حسرت و اندوه نگران خاموشی و تیرگی شمع فروزان شعر و ادب پارسی در هندوستان بودند روشن کند و آنان را امیدوار و مطمئن سازد که ممکن است بار دیگر در این کشور پهناور زبان فارسی مقام و موقع دیرین خود را بدست آورد و باز هم سر زمین هنر دوست و ادب پرور هندوستان و پاکستان شعرای مانند مسعود سعد سلمان و امیر خسرو و امیر حسن و صائب و کلیم و عرفی و فیضی و بسیاری

که ممکن ہے که اس وسیع ملک میں زبان فارسی اپنا قدیمی مقام اور مرتبه دوباره حاصل کر لے ۔

غزل سرائی اقبال

میں اس مقاله میں اقبال کے کلام پر هندی، عراقی اور خراسانی طرز کے کلام کے اثر پر بحث کروں گا اور اپنے نظریات کو اسکی غزلیات سے چند نمونے نقل کر کے ثابت کروں گا ـ

هندی طرز شاعری کا جو تھوڑا بہت اثر اقبال کے بعض مضامین اور افکار میں اور کہیں کہیں اسکی غزلیات ، مثنوی اور دیگر اشعار میں نظر آتا ہے اور اسکے متعلق مشکل هی سے کہه سکتے هیں که یه سبک هندی ہے ۔ اسکے علاوه بعض ترکیبیں اور اصطلاحیں هیں جو ہمارے

دیگر از سخن سرایان فارسی زبان را بسر خوان بیدریغ خویش مہمان کند و در امان مہر و عطوفت خود بپرورد .

غزل سرائی اقبـال

در این خطابه آثار اقبـال را از نظر تاثیری که سبک هندی سبک های عراق و خراسانی در آن داشته است مورد بحث و امعان نظر قرار میدهیم و مدعای خود را با شواهدی چند که از غزلیات او انتخاب شده است ثابت می کنیم .

از سبک هندی اثری که در اشعار اقبـال دیده میشود یکی گا، گاه مضامین و افکاری است که در ضمن غزل و مثنوی ها و سایر آثار او مشاهده

ھاں کی مستعمل فارسی سے مختلف ھیں ۔ اور انھیں ھم سبک ھندی کی باقی ماندہ اصطلاحات و ترکیبات کا حصہ خیال کر سکتے ھیں اور بعض کو وہ اصطلاحات اور الفاظ شمار کر سکتے ھیں جو مخصوصاً ھندوستان اور پاکستان میں استعمال ھوتے رھے ھیں ۔ اور غالباً اسی قسم کے بعض الفاظ ھیں جو ھمیں کہیں کہیں اقبال کی غزلیات اور دیگر کلام میں ملتے ھیں در حقیقت یہی الفاظ وغیرہ ھیں جو اسکے کلام کو کسی حد تک عراق طرز کی قدیم شاعری سے جدا کرتے ھیں ۔

ان دو حالتوں کے علاوہ اقبال کے اشعار اس اسٹائل کا نمونہ ھیں جسکی طرف اسکی پوری توجہ تھی اور جس کی اسنے تقلید کی ھے ۔ اس اسٹائل میں سب سے پہلے طرز عراقی اور دوسرے درجے پر طرز خراسانی کا نام لینا چاھئے ۔

میکنیم که تا اندازه ای ــ آنهم نه با دشواری و تکلف ــ بسبک هندی نزدیک میگردد و دیگر بعضی از اصطلاحات و ترکیبات که با اصطلاحات و ترکیبات زبان فارسی مستعمل درمیان ما تفاوت است و میتوان قسمتی از آن را باقیمانده اصطلاحات و ترکیبات سبک هندی و دنباله آن دانست و قسمتی دیگر را در شمار لغات اصطلاحات فارسی معمول در هندوستان و پاکستان محسوب داشت و همین گونه کلمات است که در بین غزلیات و سایر آثار او گاهگاه بچشم می خورد و در حقیقت مهمترین وجه امتیاز آثار او از اشعاری شعرای سبک قدیم عراق بشمار می آید .

غیر از این دو مورد اشعار اقبال نمودار کامل سبکی است که بیشتر بدان توجه داشته و از آن تقلید میکرده است و در این توجه و تقلید باید نخست سبک عراق و سپس سبک خراسانی را نام برد .

مجموعی طور پر اگر دیکھا جائے تو طرز اور ترکیب کی کیفیت کے لحاظ سے اقبال کا کلام چھٹی، ساتویں اور آٹھویں ھجری کے فارسی شعر کی (یعنی عراق طرز) کی تقلید ھے۔ اور معنی اور تفکر کے لحاظ سے (ان مواقع کو چھوڑ کر جہاں جلال‌الدین محمد مولوی سے اثر پذیر ھے اور اسکی پیروی اور تقلید کرتا ھے) اسکا کلام اسکا اپنا طبع زاد اور آزاد ھے —

اقبال نے اپنی مثنوی زیادہ تر رومی کی طرز میں اور اسی وزن میں لکھی ھے اور اپنے دوسرے کلام میں جسمیں غزلیں بھی شامل ھیں (اور جس کے متعلق ھم جدا گانہ اظہار نظر کریں گے) دوسرے شعرا کی نسبت اسکی توجہ رومی پر متمرکز رھی ھے۔

مثنوی سرائی میں رومی کے بعد اسکی توجہ شیخ محمود شبستری کی طرف ھے اور مثنوی گلشن راز جدید کو اس نے اسی شاعر کی روش پر

بطور کلی شعر اقبـال از نظر اسلوب و کیفیت و ترکیب کلام تقلیدی است از سبک قرن ششم و هفتم و هشتم هجری در شعر فارسی، یعنی دورهٔ سبک عراق، و از نظر معنی و فکر، جز در مواردی که تحت تاثیر افکار جلال الدین محمد مولوی قرار میگیرد و از او کاملا و تقلید میکند، در سائر موارد استقلال و ابتکار دارد.

اقبـال بیشترمثنوی های خود را بروش مثنوی مولوی و باهمان سبک و وزن سروده است و در سایر آثار خود و از جمله در غزلیات هم — چنانکه خواهد آمد — باشعار مولوی بیش از شعرای دیگر توجه داشته.

بعد از مولوی در مثنوی سرائی بشیخ محمود سبستری توجه داشته و

لکھا ھے - اسکے علاوہ اپنی بعض مختصر مثنویوں میں بوستان سعدی، لیلی و مجنوں نظامی کی بھی اس نے پیروی اور تقلید کی ھے - اس طرز شاعری کے شاعروں میں سے اسکو شیخ فخرالدین عراقی سے بھی دل بستگی تھی اور اس نے بار بار اس شاعر کا ذکر کیا ھے اور اسکے بعض شعروں پر تضمین لکھی ھے -

دو بیتی میں زیادہ تر اسنے بابا طاھر کی روش کی پیروی کی ھے اور غزلسرائی میں حافظ اور رومی کا پیرو ھے -

سبک خراسانی کے معروف شعرا میں سے منوچھری اور ناصر خسرو کا اثر اسکے دیوان میں پایا جاتا ھے اور معلوم ھوتا ھے کہ اس طرز کا بھی اس نے کافی مطالعہ کیا ھے لیکن اس طرز کی شاعری کی تقلید اور پیروی کی طرف اسکا رحجان نہیں ھے لہذا قصیدہ اسکے کلام میں بہت کم پایا

مثنوی گلشن راز جدید را بروش این شاعر سروده . گذشته از این قسمت در بعضی از مثنوی های کوتاه خود از بوستان سعدی و لیلی و مجنون نظامی هم اقتباس و تقلید کرده است . همچنین از میان شعرای این سبک بشیخ فخرالدین عراقی نیز توجهی داشته و از این شاعر در ضمن آثار خود مکرر نام برده و بعضی از ابیات او را هم تضمین کرده است . در ساختن دو بیتی های خود بیشتر روش دو بیتی های بابا طاهر را بکار بسته و در غزلسرائی چنانکه بتفصیل خواهد آمد، پیرو حافظ و مولوی بوده است . از میان شعر ای معروف سبک خراسانی فقط بطور مستقیم آثاری از منو*چهری و ناصرخسرو در دیوان او دیده میشود و معلوم است که در این سبک هم مطالعهٔ کافی محموده ولی تمایلی به پیروی و تقلید از آن نداشته است و بهمین مناسبت قصیده در

جاتا ہے لیکن اس امر کے ثبوت میں کہ اس نے خراسانی طرز شاعری کا مطالعه اور تتبع کیا ہے بعض مخصوص اصلاحات طرز خراسانی اس کے اشعار سے بطور دلیل کے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ یہ مخصوص الفاظ سبک عراقی کے دور دورے میں استعمال سے گر چکے تھے اور سبک ہندی میں بالکل استعمال ہی نہیں ہوئے۔

اقبال کی غزل گوئی پر ڈاکٹر خطیبی نے ایک جداگانہ مقالہ لکھا جس سے ذیل کا اقتباس درج کیا جاتا ہے۔

اس مقالہ میں ہمارا موضوع سخن اقبال کی غزل سرائی ہے۔

شعر کی دیگر اقسام میں بھی جدت مضمون ، شعر کی ظاہری شکل وزن اور قافیہ کے لحاظ سے اقبال نے اپنے کلام کی عراق طرز کے نزدیک لانے کی کوشش کی ہے۔ اور جیسا کہ اوپر اشارہ کرچکے ہیں اس نے صرف اسی حدتک ہندی طرز کلام کیطرف توجہ دی ہے اور اسکی پیروی کی ہے۔

دیوان او بسیار کم دیده میشود لیکن بر ای اثبات مطالعه و تتبع و در سبک خراسانی استعمال بعضی از مختلف لفظی سبک خراسانی را در اشعار وی میتوان بعنوان بهترین دلیل ذکر نمود زیرا یقین است که این مختصات در دورهٔ سبک عراقی از درمیان رفته و در سبک هندی بکلی مورد استعمال نه داشته است

در سایر اقسام شعر نیز در ابتکار از نظر مضمون و گاه تصر فاتی در قالب شعر و وزن و قافیه حدود سبک را بطور کلی متناسب با سبک عراقی نگاه داشته و در این قسمت از آثار خود هم فقط بهمان اندازه که در سایر موارد اشاره شد سبک هندی توجه نموده و از آن اقتباس و تقلید کرده است .

اس طرز شعر میں اقبال بہت بلند طبع اور صاحب ہنر ہے اور اسکی دو تصنیفات یعنی زبور عجم اور پیام مشرق کا زیادہ تر حصہ غزلیات پر مشتمل ہے —

ان غزلیات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے —

اول — وہ غزلیات جنمیں لفظ اور معنی کے لحاظ سے اس نے سبک عراق کے معرف غزلسرا شعرا خاص طور پر حافظ اور رومی کا تتبع اور اقتباس کیا ہے ۔ ان غزلیات میں وزن و قافیہ اور ردیف کے علاوہ وہ حافظ اور رومی کے استعمال شدہ ترکیبات کو بعینہ استعمال اور اقتباس کرتا ہے ۔ بعض موقعوں پر تو مضمون اور طرز تفکر میں حافظ اور رومی کے بہت ہی زیادہ نزدیک ہے —

اما در غزلسرائی که بیشتر در این خطابه موضوع سخن ماست اقبال شاعریست بسیار بلند طبع و هنر مند و قسمت زیادی از دو جلد اثر معروف او بنام ”زبور عجم“ و ”پیام مشرق“ را غزلیاتش تشکیل میدهد که میتوان آنرا بسه قسم تقسیم کرد .

اول — آنچه از حیث لفظ و معنی اقتفا و اقتباسی است از شعرای معروف غزلسرائی سبک عراق بخصوص حافظ و مولوی . در این آثار گذشته از وزن و قافیه و ردیف قسمتی از ترکیبات مستعمل در غزلیات حافظ و مولوی را نیز عینا اقتباس کرده و بکار برده و در بسیاری از موارد از حیث مضمون و فکر هم بحافظ و مولوی سخت نزدیک میشود .

دوم — اقبال کا وہ کلام جسمیں مستقیم طور پر گو حافظ اور رومی کی پیروی اور تقلید نہیں کرتا (لیکن بعض الفاظ اور اصطلاحات سے قطع نظر جو بعض اوقات سبک عراقی کی حدود سے باہر استعمال کرتا ہے) ان دو مشہور شاعروں کے زیر اثر ہے۔ اقبال کے کلام کا یہی وہ حصہ ہے جسمیں اس نے غزل کے لئے ایسی ردیفیں انتخاب کی ہیں جو حافظ اور دوسرے عراقی اسٹائل کے شعرا کے کلام میں موجود نہ تھیں۔

سوم — وہ غزلیں ہیں جو عموماً سبک ہندی کے زیادہ نزدیک ہیں۔ ایسی غزلوں کی تعداد نسبتاً کم ہے۔ لیکن اس حصہ میں بھی اقبال کی توجہ زیادہ تر سبک ہندی کے پہلے دور کی طرف تھی اور اسلئے اسکے کلام میں لفظ و معنی کے لحاظ سے اس اسٹائل کے آخری دوروں کا تکلف اور معنوی اور لفظی سستی نہیں پائی جاتی۔

دوم — آثاری کہ هر چند مستقیماً اقتفا و تقلید غزلیات حافظ و مولوی نیست لیکن در آن از حیث سبک و اسلوب باستثنای لغات و اصطلاحاتی کہ گاهگاه چنانکه گذشت خارج از حدود سبک عراقی بکار میبرد کاملا تحت تاثیر روش این دو شاعر غزلسرائی معروف قرار دارد و در همین قسمت است کہ ردیف های برای غزل انتخاب میکند کہ در غزلیات حافظ و بعضی دیگر از غزلسرایان سبک عراقی سابقه نداشته است.

سوم — غزلیاتی کہ رویهم رفته بسبک هندی نزدیکتر شده و تعداد آن نسبت به سایر غزلیات او کمتر است در این قسمت کم و نیز بیشتر توجه او بدورهٔ اول سبک هندی بوده و اشعارش از حیث لفظ و معنی از تکلفات و سستی های معنوی و لفظی او اخر این سبک بکلی دوراست.

اختصار کے طور پر اقبال کے غزلیات کے متعلق (اور کئی وجوہات سے اسکے دیگر کلام کے متعلق) کہا جا سکتا ہے کہ وہ سرشار طبع اور خلاق ذوق کا مالک تھا اور اسکو فارسی زبان پر (جو اس نے صرف کتابوں سے مطالعہ کی اور تتبع اور تحقیق کے ذریعہ سیکھی) پورا تسلط تھا۔ اقبال مشکل ترین افکار اور دقیق ترین معانی کو لفظوں کے قالب میں لانے میں کامیاب رہا ہے اور اس کا بیان حشو و زوائد سے مبرا اور مختصر، فصیح، سلیس اور صحیح ہے۔ اور اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس سے کسی قسم کی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔

مجموعی طور پر فقط ایک اعتراض اسکے کلام پر وارد ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ سارا کام یکساں اور ایک جیسا نہیں اور اسکی قوت بیان، اعلی قسم کی غزلیات اور دیگر اشعار کے پہلو بہ پہلو کہیں کہیں

آنچه بطور اختصار در باب غزلیات اقبال میتوان گفت و آنرا بسیاری جهات در مورد سایر آثارش نیز تعمیم داد طبع سر شار و قریحهٔ عالی و ذوق خلاق او در شاعری و تسلط کامل وی بزبان فارسی است که آنرا تنها بدرس خوانده و از راه تتبع و تحقیق در آثار شعر و نثر فارسی آموخته توانسته است مشکل ترین افکار و دقیقترین معانی را در قالب لفظ بریزد و با کمال دقت بدون حشو و زوائد با ایجاز توام با فصاحت و سلاست و صحت بیان کند و هیچگونه دچار اشتباه نشود. فقط تنها ایرادی که میتوان بطور کلی بر اشعار او گرفت آنست که آثاری یکدست نیست یعنی درمیان ابیات محکم و متین و غزلیات شیوه و سایر آثار او گاهگاه بنمونه ابیاتی بر می خوریم که ازحیث استحکام لفظ و لطف و معنی و جمال اسلوب در درجهٔ فروتری قرار دارد و

یسے اشعار بھی ملتے ھیں جو استحکام لفظی ، لطف معنی اور طرز کی زیبائی کے لحاظ سے اسکے بیشتر اشعار سے کم درجہ کے ھیں۔

اب ھم نمونے اور مقابلہ کی غرض سے اور ساتھ ھی اس پرمایہ شاعر کے سرشار ذوق کے ثبوت کے طور پر چند غزلیں جو اس نے حافظ و رومی کی پیروی میں اور دو ایک غزلیں جو اسکی اپنی طبع زاد ھیں پیش کرتے ھیں —

حافظ کی اس غزل کی تقلید میں :

سرم خوش است و ببانگ بلند می گویم
که من نسیم حیات از پیاله می جویم

اقبال نے یہ غزل کہی ہے :

باین بہانہ دریں بزم محرمی جویم
غزل سرایم و پیغام آشنا گویم
بخلوتی که سخن میشود حجاب آنجا
حدیث دل بزبان نگاه می گویم
بی نظاره روی تو می کنم پاکش
نگاه شوق بجوی سرشک می شویم

بپایهٔ سایر ابیات نمیرسد .

اینک بعنوان نمونه و برای مقایسه و نیز از جهت اثبات قریحهٔ سرشار این شاعر پرمایه چند غزلی از او را که بتقلید حافظ و مولوی سروده با یکی دو غزل از مبتکرات طبع وی در اینجا می آورد . بتقلید این غزل حافظ که میگوید :

سرم خوش است و ببانگ بلند می‌گویم (الخ)
بایں بہانه دریں بزم محرومی جویم (الخ)

چو غنچه گرچه بکارم گره زنند ولیک
ز شوق جلوه گه آفتاب میرویم
چو موج ساز وجودم ز سیل بی پرواست
گمان مبر که در این بحر ساحلی جویم

حافظ کی اس مشہور غزل:

جز آستان توام در جہان پناہی نیست
سر مرا بجز این در حوالہ گاہی نیست

کا جواب یوں ہے:

اگرچه زیب سرش افسر و کلاهی نیست
گدای کوی تو کمتر ز پادشاهی نیست (الخ)

حافظ کی ایک اور غزل جسکا مطلع ہے:

کنون که در چمن آمد گل از عدم بوجود
بنفشه در قدم او نهاد سر بسجود

یہ غزل کہی ہے:

بهار تا به گلستان کشید بزم سرود
نوای بلبل شوریده چشم غنچه کشود

اور یہ غزل:

به شاخ زندگیٔ ما نمی ز تشنه لبی است
تلاش چشمه حیوان دلیل کم طلبی است

حافظ کی اس غزل کے جواب میں ہے:

اگرچه عرض هنر پیش یار بی ادبی است
زبان خموش ولیکن دهان پر از عربی است

اور حافظ کے اس مطلع کی غزل:

نه هر که چهره بر افروخت دلبری داند
نه هر که آئینه سازد سکندری داند

کے جواب میں اقبال کی غزل کے پہلے دو بیت یہ ھیں:

جہان عشق نہ میری نہ سروری داند
همیں بس است کہ آئین چاکری داند
نہ ھر کہ طوف بتی کرد و بست زناری
صنم پرستی و آداب کافری داند

اور پھر حافظ کی مشہور غزل جسکا مطلع ھے:

خیزو در کاسه زر آب طربناک انداز
بیشتر زانکه که شود کاسه سرخاک انداز

مندرجہ ذیل مطلع کی غزل جواب میں کہی ھے:

دگر آشوب قیامت بکف خاک انداز
ساقیا بر جگرم شعله نمناک انداز

مندرجہ بالا چند نمونے ھیں ان غزلوں کے جو اس نے حافظ کی پیروی میں کہی ھیں اسکے علاوہ حافظ کی بہت سی اور غزلوں کے قافیہ میں تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ جواب کہے ھیں۔ اب ھم چند نمونے ان غزلوں کے پیش کرتے ھیں جو اس نے رومی کی غزلیات کے طرز پر کہی ھیں—

صورت نپرستم من بتخانه شکستم من
آن سیل سبک سیرم ھر بند گستم من
در بود و نبود اندیشه گما نها داشت
از عشق هویدا شد این نکته که هستم من
در دیر نیاز من در کعبه نماز من
زنار بدوشم من تسبیح بدستم من

صورت نپرستم من بتخانه شکستم من (الخ)

سرمایهٔ درد تو غارت نتوان کردن
اشکی که زدل خیزد در دیده شکستم من
فرزانه بگفتارم دیوانه بکردارم
از بادهٔ شوق تو هشیارم و مستم من

اسی طرز میں یہ غزل ہے:

فرقی ننهد عاشق در کعبه و بتخانه
این جلوت جانانه ، آن خلوت جانانه
شادم که مزار من در کوی حرم بستند
راهی ز مژه کاوم از کعبه به بتخانه
هر کس نگهی دارد ، هر کس سخنی دارد
از بزم تو می خیزد افسانه ز افسانه
در دشت جنون من جبریل زبون صیدی
یزدان بکمند آور ای همت مردانه
اقبال به منبر زد رازی که نباید گفت
نا پخته برون آمد از خلوت میخانه

یہ دلکش غزل بھی رومی کی پیروی میں ہے:

گریهٔ ما بی اثر ناله ما نارساست
حاصل این سوز و ساز یک دل خونین نواست
در طلبش دل طپید، دیرو حرم آفرید
ما به تمنای او، او به تماشای ماست

فرقی ننهد عاشق در کعبه و بتخانه (الخ)
گریه ما بی اثر ناله ما نا رساست (الخ)

پردگیان بے حجاب من بخودی در شدم
عشق غیورم نگر میل تماشا کراست
مطرب میخانہ دوش نغمۂ دل کش سرود
بادہ چشیدن خطاست بادہ کشیدن رواست
زندگی رہروان درتگ و تاز است و بس
قافلہ موج را جادہ و منزل کجاست
شعلہ در گیر زد بر خس و خاشاک من
مرشد رومی کہ گفت منزل ما کبریاست

ذیل کی دو غزلیں اقبال کی مخصوص طرز غزل سرائی کا ایک اعلی نمونہ ہے اور ان میں اسکا ابتکار (Originality) اور تقلید دونوں ظاہر ہیں :

تو باین گمان کہ شاید سر آشیانہ دارم
بطواف خانہ کاری بخدائے خانہ دارم
شرر پریدہ رنگم مگذر ز جلوۂ من
کہ بتاب یکدو آنی تب جاودانہ دارم
نکنم دگر نگاہی برہی کہ طی نمودم
بسراغ صبح فردا روش زمانہ دارم
یم عشق کشتیٔ من ، یم عشق ساحل من
نہ غم سفینہ دارم نہ سر کرانہ دارم
شرری فشان ولیکن شرری کہ وا نسوزد
کہ ہنوز نو نیازم غم آشیانہ دارم

تو بایں گمان کہ شاید سر آشیانہ دارم (الخ)

از همه کس کناره گیر صحبت آشنا طلب
هم ز خداخودی طلب هم ز خودی خدا طلب

از خلش کرشمه ای کار نمی شود تمام
عقل و دل و نگاه را جلوه جدا جدا طلب

عشق بسر کشیدن است جمله کائنات را
جام جهان نما مجو، دست جهان کشا طلب

راهروان برهنه پا راه تمام خار زار
تا بمقام خود رسی راحله از رضا طلب

چون بکمال می رسد فقردلیل خسروی است
مسند کیقباد را در ته بوریا طلب

پیش نگر که زندگی راه بعالمی برد
از سر آن چه بود رفت درگذر انتها طلب



از همه کس کناره گیر صحبت آشناطلب (الخ)
(نقل از مجله یغما ۱۹۵۳)

آقای مجتبی مینوی اور اقبال

آقای مجتبی مینوی فارسی ، عربی اور انگریزی ادبیات میں غیر معمولی دسترس رکھتے ہیں ۔ علمی ، ادبی ، تنقیدی اور تاریخی مسائل پر صدہا مقالے اور متعدد کتابیں آپکے قلم سے نکل چکی ہیں اور آپ کا شمار ایران کے چوٹی کے علما اور ادبا میں ہوتا ہے ۔

آپ کی تالیف " اقبال لاہوری ،، سب سے پہلی کتاب ہے جو اقبال اور اسکے کلام کو اہل ایران سے روشناس کرانے کی غرض سے لکھی گئی ہے ۔ یہ کتاب ۱۹۴۹ میں مجلہ یغما کی طرف سے شائع کی گئی ۔

مجتبی مینوی کئی سال لندن میں مقیم رہے اور لندن ہی کے قیام کے زمانے میں بعض پاکستانیون کے توسط سے وہ اقبال کے کلام اور پیام سے آشنا ہوئے ۔ جیسا کہ انکی تحریروں اور تقریروں سے ظاہر ہے وہ اقبال کی شاعری اور اسکے وسیع علمی اور ادبی مطالعہ سے بہت متاثر ہوئے ہیں ۔

آقای منیوی لکھتے ہیں :۔

,,اقبال کی شاعری کا مہم ترین پہلو اسکا نفس مضمون اور اسکے مقاصد ہیں اور چونکہ اس رسالے میں جو اقبال سے آشنائی کرانے کی غرض سے لکھا گیا ہے اس کے کچھ اشعار بھی درج کئے گئے ہیں ، اس لئے

مہمترین جنبہ شاعری اقبال معانی و مقاصد اوست و چون در این رسالہ ای کہ بر ای معرفی او نوشتہ ام مقداری از اشعار او درج است لازم میدانم کہ قبلاً ذہن شما را متوجہ این مطالب کنم کہ از قرن ہشتم

لازم ہے کہ میں آپ کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کروں کہ آٹھویں صدی ھجری کے بعد ایران اور ھندوستان کی فارسی میں کچھ فرق پیدا ہوگیا تھا اور ان دو ملکوں میں زبان فارسی نے مختلف راھیں اختیار کرلیں۔ قدیم زمانے میں فارسی کی انشا میں جو جملہ بندی کا طریقہ رائج تھا ایران معاصر میں متروک ہو چکا ہے لیکن ھندوستان میں ابھی تک قائم ہے۔ مثال کے طور پر اقبال کا مصرع ''سر آمد روزگار این فقیری،، شباھت رکھتا ہے کلیلہ دمنہ بہرام شاھی کی اس عبارت سے کہ '' وآن لذت حقیر چنین غفلتی عظیم در راہ داد،، اور اسی سے ملتی جلتی مثال میں نے ملک الشعرا بہار کے کلام میں بھی دیکھی ہے۔ لیکن اصولاً جب کبھی کسی کلمہ کو یای وحدت کے ساتھ 'آن'، 'این'، کے بعد استعمال کریں تو لازم ہے کہ اسکے بعد ایک توصیفی جملہ جو حرف 'کہ' کے ذریعہ موصوف سے مربوط ہو لایا جائے مثلاً ''این فقیری کہ دست بجانب ما دراز کردہ است۔۔۔،،

هجری ببعد بتدریج بین فارسی هندوستان و فارسی ایران تفاوتی پیدا شده است و در هریک از دومملکت این زبان در خط خاصی سیر کرده و بنوعی تحول پذیرفته است.

در تلفیق جمل شیوه های در قدیم الایام در زبان فارسی مرسوم بوده است که امروز در ایران متروک شده است ولی در هندوستان هنوز هم متداول است مثل این مصرع اقبال . سر آمد روزگار این فقیری، که شبیه است باین عبارت کلیله و دمنه بهرام شاهی ,, و آن لذتی حقیر چنین غفلتی عظیم بدو راه داد ،، و من جمله ای شبیه باین دریکی از اشعار آقای ملک الشعرای بهار نیز دیده ام ولی هر گاه کلمه ای را با یائی وحدت بعد از آن یا این بیاوریم بعد از آن یک جملهٔ توصیفی باید بیاید که با حرف ,, که، بموصوف مربوط شده باشد مثلا ,, این فقیری که دست بجانب ما دراز کرده است. . . . .

جسطرح ہم کئی عربی کلمات کو انکے عربی زبان میں اصلی معنوں سے مختلف معنوں میں استعمال کرتے ہیں اور ترکی کے لوگ فارسی اور عربی کے الفاظ کو انکے اصلی مفہوم سے مختلف معنوں میں استعمال کرتے ہیں اسی طرح ہندوستانیوں (اور افغان اور تاجیک لوگوں) نے بھی فارسی اور عربی کے بہت سے الفاظ کے معنوں کو بدل دیا ہے۔ اور اردو یا فارسی اشعار میں بہت سے الفاظ کام میں لاتے ہیں جو شکل کے لحاظ سے تو فارسی یا عربی ہیں لیکن ان الفاظ کا مفہوم اہل ہند کے لئے اس مفہوم سے جو ہمارے ذہن میں آتا ہے کچھ مختلف ہوتا ہے۔ اسی قسم کا فرق ان کتابوں میں یا شعروں میں بھی پایا جاتا ہے جو ایران کے مختلف حصوں میں لکھے گئے ہیں۔ مثلاً غزنوی اور سلجوقی بادشاہوں کے عہد میں قم میں تصنیف شدہ کتاب یا اصفہان میں کہے ہوئے اشعار استعمال الفاظ و بیان

همانطور که ما بسیاری از کلمات عربی را بتغیر از آن معنائی که در زبان عربی دارد بکار میبریم و ترکها خیلی از کلمات فارسی و عربی را بمعنای دیگر استعمال میکنند هندیها (و افغانیها و تاجیکها) هم معنای عده زیادی از الفاظ فارسی و عربی را تغییر داده اند وچه در اردو و چه در اشعاری که بفارسی میسر ایند الفاظی بکار میبرند که صورت آنها فارسی یا عربیست ولی مفهومی که از آنها بذهن ما میاید یا مفهومی که بذهن اهل هندوستان میاید اندك تفاوتی دارد . این اندازه تفاوت گاهی در کتابها و اشعاری نیز که در ولایت مختلفه ایران نوشته و سروده شده است مشهود میشود چنانکه در عصر غزنویان و سلجوقیان کتابی که در قم نوشته میشد یا شعری که در اصفهان سروده میشد یا شعری که در طوس گفته میشد یا کتابی که در هرات تصنیف میشد از حیثیت استعمال کلمات و معانی برخی از الفاظ قدری متفاوت بود . در

معنی کے لحاظ سے طوس اور ہرات کے علاقہ میں لکھی ہوئی کتابوں سے کسی حد تک تفاوت رکھتے تھے ـ

ہندوستان، افغانستان اور تاجیکستان میں یہ فرق گذشتہ ڈیڑھ سو سال میں اور بھی بڑھ گیا ہے ـ حتی کہ بعض الفاظ جو ایران میں عامیانہ خیال کئے جاتے ہیں اور ادبی شعر میں استعمال نہیں کئے جاتے ہندوستان میں فصیح اور ادبی خیال کئے جاتے ہیں ـ

اس کے علاوہ اقبال کو اپنا مطلب اور مقصد بیان کرنے کے لئے گاہ گاہ ایسے الفاظ کی ضرورت پیش آئی جو فارسی زبان میں موجود نہ تھے یا اسکو دستیاب نہیں ہوئے اور اس نے مجبوراً عام رائج فارسی سے ایک لفظ انتخاب کر کے مجازاً اسے اپنے مطلب کے مطابق وسیع تر معنوں میں استعمال کر لیا ہے ـ مثلاً 'خودی' کا کلمہ ـ بہر حال اس بات کو ہمیشہ مد نظر رکھنا چاہئے کہ اقبال کی اپنی زبان اردو تھی پرورش اس نے پنجاب میں پائی اور فارسی ایسے اساتذہ سے پڑھی جنکی مادری زبان فارسی نہ تھی ـ

ہندوستان و افغانستان و تاجیکستان مخصوصاً در این صد و پنجاه ساله اخیر دامنه این تفاوت بتدریج و سیعتر نیز شده است و حتی این که برخی از کلمات که در ایران جزء الفاظ عامیانه محسوب میشود و در شعر حسابی استعمال نمیشود در هندوستان بلقب فصیح ادبی شمرده میشود .

از این گذشته اقبـال برای بیان معانی و مقاصد خود گاهی محتاج الفاظی شده است که در فارسی وجود نداشته و یا اینکه او پیدا نکرده است و بناچار یکی از الفاظ معمولی و متداول فارسی را گرفته و از طریق مجاز و توسیع بمعنائی که در نظر داشته است بکار برده مثل لفظ خودی که بعدها در معنی و مفهوم آن بحث خواهیم کرد .

اسکی فارسی زبان سے آشنائی ہندوستان اور ایران کے قدیم شعرا اور انشا پردازوں کی تصنیفات کے ذریعہ سے ہوئی اور اسے ایران آنیکا کوئی موقع نہیں ملا۔ اور بہت ممکن ہے کہ جو ایران معاصر میں کتابیں لکھی گئی ہیں اسکی نظر سے نہ گذری ہوں۔

بہر حال اقبال ایک عظیم المرتبت اور صاحب قدرت شاعر ہونیکی حیثیت سے حق رکھتا ہے کہ اپنے مطلب کو بیان کرنے کی غرض سے کلمات کے استعمال میں اپنی مرضی کے مطابق تبدیلی اور تصرف کرلے۔

مقام اقبال

جب تک میں نے محمد اقبال کی تصنیفات کا مطالعہ نہیں کیا مجھے

بهر حالت این را هموارا باید در نظر داشت که محمد اقبال اردو زبان بوده و در پنجاب نشو و نما کرده و پیش استادانی که فارسی زبان نبوده اند درس فارسی خوانده و آشنائی او با زبان فارسی از راه کتب شعرا و نویسندگان هندوستان و گویندگان قدیم ایران بوده و هرگز پا بایران نگذاشته است و از آنچه در عصر او در ایران نوشته و منتشر شده است شاید چیزی ندیده و نخوانده باشد و بواسط اینکه شاعر بزرگ و گویندۂ قادریست باید او را محق و مجاز بدانیم که بعضی تصرفات در کلمات که برای ادعای مقاصد خود بکار میبرد، بنماید و بجای آنکه الفاظ و تعبیرات او را مورد عیبجوئی و خورده‌گیری قرار دهیم باید ممنون باشیم که این شاعر بزرگ که زبان مادریش اردو بوده است زبان فارسی را وسیلۂ بیان مقاصد فلسفی و علمی خود و افکار بلند شاعرانۂ خود کرده است .

من تا وقتی که تالیفات و تصنیفات محمد اقبال را نخوانده بودم

سمجھ نہیں آیا کہ ہندوستان کے مسلمان کیوں اسکی اسقدر تعریف کرتے ہیں - لیکن اب جبکہ میں اقبال کی تصنیفات سے واقف ہو چکا ہوں میں ان کی تعریف کو بالکل جائز سمجھتا ہوں - اسمیں کوئی مبالغہ نہیں اور جو کچھ وہ اقبال کے متعلق خیال کرتے ہیں سب بجا ہے - اقبال ایک صاحب قدرت شاعر اور بلند خیال فلاسفر تھا اور وہ زندگی کے لئے سعی و کوشش کا معتقد تھا - وہ چاہتا تھا کہ لوگوں کو زندگی کی حقیقت سے واقف کرے - اسکی قوت کلام اور شعر کا اثر اس قدر تھا کہ اگرچہ اس نے نبوت کا دعوی نہیں کیا ہندوستان کے کئی کروڑ مسلمان اس کے لئے ایسے ہی احترام کے قائل ہیں جو ایک ملہم اور صاحب کتاب پیغمبر کے پیرو اپنے نبی کے لئے - ہندوستان کی آزادی کے لئے جوش و خروش اور پھر ہندی مسلمانون کی ایک اسلامی حکومت کی تشکیل کے لئے سعی و کوشش اقبال کی سیاسی تعلیم کا نتیجہ تھی - جب ہم اقبال کی زندگی پر مختلف

نمیدانستم که چرا مسلمین هند درباره او این اندازه غلو و مبالغه میکنند . اما اکنون که بازادگان طبع او آشنا شده ام عقیدهٔ ایشان را موجه میبینم بعبارة الاخره مبالغه نیست. آنچه درباره او معتقدند بجاست اقبـال شاعر قادر و حکیم بلند فکری بود که او خود اهل کار و کوشش و زندگی بود و میخواست که دیگران را نیز بکار و کوشش وادارد و از معنای زندگی مستحضر سازد وقوت کلام و نفوذ سخن او بجای بود که بی آنکه ادعای رسالت کرده باشد امروزه میلیونها نفر از مسلمین هند بی آنکه او را فرستاده خدا بدانند نسبت با و احترامی دارند که پیروان یک نبی ملهم و پیغمبر صاحب کتاب نسبت با او دارند و مقدار زیادی از شور و شوق اهل هند بآزادی و سعی مسلمین هند در راه تشکیل یک دولت اسلامی در هند بر اثر تعلیمات سیاسی محمد اقبـال

مختلف پہلوؤں سے غور کرتے ھیں تو اس نتیجه پر پہنچتے ھیں که گذشته سو سال کے عرصه میں یقیناً ایران میں کوئی ایسی شخصیت پیدا نہیں ھوئی جسکو من حیث‌المجموع محمد اقبال کے مقابلے میں پیش کیا جا سکے ۔ اور ممکن ھے که مشرق ممالک بھی اس لحاظ سے ھم سے بہتر ثابت نه ھوں ۔

اس بیان سے میرا مطلب یه ھے که محمد اقبال ایسا شاعر نه تھا جسکو عام طور پر بڑا شاعر کہا جاتا ھے ۔ وہ شاعر تھا جُس نے اپنے زمانه کے علوم اور فضائل کو حاصل کیا اور اپنی زبان کے علاوہ خارجی زبان میں شعر کہے ۔ اس نے یورپ کی زبان (انگریزی) میں تحقیقی علمی اور فلسفانه کتابیں لکھیں ۔ اگرچه اسکا رسمی شغل وکالت تھا وہ سیاسی کشمکش میں بھی حصه لیتا تھا ۔ اس نے علمی زندگی کے لئے ایک خاص طریقه اور تصور کی بنیاد رکھی اور لوگوں میں اسکی تلقین کی ۔

اقبال کے عقائد

اقبال اور اسکے عقائد اور تعلیم کے متعلق متعدد کتابیں انگریزی میں لکھی گئی ھیں اور میں نے ان میں سے سات آٹھ کا مطالعه کیا ھے ۔

اقبال کا شعر اسکے مقاصد کے بیان کا ایک ذریعه تھا اور اس کا

بود . وقتی که در همه جنبه های مختلف زندگانی او مینگرم می بینم در ایران مسلما ما هیچکس در این یکصد ساله اخیر نداشته ایم که من حیث‌المجموع با محمد اقبال قابل قیاس باشد و شاید ممالک دیگر مشرق‌نیز از این حیث نظیر ما باشند من نمیدانم .

اقبال شعر را وسیله پیش بردن مقصودی کرده بود که انگیختن

مقصد لوگوں کو بیدار کرنا اور انکو ایک واحد تصور اور مقصود کے جھنڈے کے نیچے اکھٹا کرنا تھا۔

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوی قـطار میکشم ناقـه بی زمام را

محمد اقبال اپنے آپ کو اہل درد شعرا میں شمار کرتا ہے اور وہ ، شوق اور آرزو، کو لوگوں کے دلوں میں جوش زن دیکھنا چاھتا ہے۔ وہ ان شعرا کے مخالف ہے جو درد سے بیگانہ ھیں اور دوسروں کے مصائب سے متاثر نہیں ہوتے۔

اسکے مضامین عاریتی نہیں ھیں ۔ جب کوئی نیا مضمون اسکے ذھن میں آتا ہے تو اس کا دل دھڑکنے لگتا ہے۔

خیالم کو گل از فردوس چیند
چو مضمون غریبی آفریند
دلم در سینه میلرزد چو برگی
که بر وی قطرۂ شبنم نشیند

مردم و جمع کردن و متحد کردن ایشان در زیر لوای یک فکرو مرام اساسی باشد . نغمه کجا و من کجا؟ ساز سخن بهانه ایست (الخ)

محمد اقبـال خود را از شعرای صاحب درد میشمارد و میخواهد که شوق و آرزو را در دل دیگران بجنب و جوش آورد. با شعرائی که درد ندارند و از عذاب دیگران متاثر نمیشوند مخالف است .

مضامین او عاریتی نیست و هر گاه مضمون تازه ای بفکرش میرسد دلش میطپد : خیالم کو گل از فردوس چیند (الخ)

اور بعض اوقات اقبال قدما کے مضامین کو اخذ کر کے اس سے نئی قسم کے بدیع اشعار پیدا کرتا ہے ۔ اسکی مثال سعدی کی حکایت ہے جس سے تمام اہل مطالعہ آشنا ہیں ۔ اقبال یوں شروع کرتا ہے —

مرا معنی تازہ ای مدعا است
اگر گفته را باز گویم رواست
,, یکی قطره باران ز ابری چکید
خجل شد چو پهنای دریا بدید
که جائی که دریاست من کیستم؟
گر او هست حقا که من نیستم،،

اقبال قدیم شعرا میں سے ان صوفی شاعروں کا جو ترک دنیا کی تعلیم دیتے ہیں مخالف ہے ۔ اسرار خودی میں بھیڑوں کے پیغمبر کی زبان سے انکی تعلیم کو بیان کرتا ہے جو صوفیوں کے اس خیال کے مترادف ہے کہ :—

چشم بند و گوش بند و لب ببند
تا رسد فکر تو بر چرخ بلند

و گاهی مضمونی ازگفتهٔ قدما گرفته در آن دست میبرد و شعر بدیع تازه ای از آن بوجود می آورد مثل این حکایت که اصل آن از سعدی است و لابد همهٔ خوانندگان آنرا میشناسند : مرا معنی تازه ای مدعا است (الخ)

از میان شعرا و گویندگان قدیم بالاخص با صوفیای که بترک دنیا گفته بودند و نفس خود را کشته بودند مخالفت دارد . در اسرار خود. قول پیغمبر گوسفندگان این گفته را نقل میکند که نظیر عقیدهٔ صوفیه است
چشم بندو گوش بندو لب ببند (الخ)

لیکن اقبال اسکے بر عکس کہتا ہے۔

چشم و گوش و لب گشا ای هوشمند
گر نبینی راه حق بر من بخند

اقبال مشرقی تصوف اور قدیم عقلی فلسفه کو جو افلاطون کے افکار کے زیر اثر ہے انسان کی پسماندگی کا سبب سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ دنیا کو یوں نہیں خیال کرنا چاهئے بلکه اسکو ذات انسانی کی وسعت اور اسکے مقام کو بلند کرنیکا ذریعه گرداننا چاهئے۔

کوه و صحرا دشت و دریا بحر و بر
تختهٔ تعلیم ارباب نظر
ای که از تاثیر افیون خفته ای
عالم اسباب را دون گفته ای
خیز و واکن دیدهٔ مخمور را
دون مخوان این عالم مجبور را
غایتش توسیع ذات مسلمست
امتحان ممکنات مسلمست

ولی اقبال میگوید : چشم گوش و لب گشا ای هوشمند (الخ)

تصوف شرقی و فلسفهٔ عقلانی قدیم که از فکر افلاطون آب خورده است هر دو را مایهٔ عقب ماندن از کاروان تمدن تشخیص میدهد و میگوید که دنیا را نباید دون خواند بلکه آن را وسیلهٔ توسعهٔ ذات و بالا بردن مقام نفس دانست : کوه و صحرا دشت و دریا بحرو بر (الخ)

اقبال کے نزدیک حتی موت کی آرزو کرنا اور اس جہان میں زندگی سے دلبرداشتہ ہو جانا جائز نہیں

سخن از بود و نابود جہان با من چہ میگوئی
من این دانم کہ من ہستم ندانم این چہ نیرنگیست

اگرچہ اقبال صوفیانہ زندگی اور صوفیوں کی عملی روش کا مخالف ہے اسکے بعض افکار کا سر چشمہ قدما کا عرفان اور تصوف ہے۔ مثلاً وحدت وجود کا مسئلہ جسکو صوفیہ ,, اتحاد،، کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس سے انکی مراد یہ ہے کہ دنیا اور ما فیہا میں سوائے خدا کے کوئی چیز وجود نہیں رکھتی اس لحاظ سے ہر شخص خدا ہے اور اسی بنا پر حسین بن منصور حلاج ,, اناالحق،، کا نعرہ لگاتا تھا۔ اقبال بھی اس اصول کو مانتا ہے مگر اقبال کے نظریہ میں یہ فرق ہے کہ صوفی کہتا ہے انسان اپنے نفس کو فنا کردے اور خدا کی ذات میں غرق ہو جائے۔ لیکن محمد اقبال کہتا ہے کہ اپنے نفس سے آشنائی پیدا کرو اور اپنی خودی پر دھیان دو اپنی ذات

و حتی این کہ تمنای مرگ کردن و از حیات این جہانی دل برداشتن جایز نیست : سخن از بود و نابود جہان با من چہ میگوئی (الخ)

با آنکہ محمد اقبال با زندگانی صوفیان و در رویہ عملی آنان مخالف است بعضی از افکار و اصول عقاید او از عرفان تصوف قدما آب میخورد. از آن جملہ است اصل وحدت وجود کہ صوفیہ از آن بلفظ ,, اتحاد،، تعبیر میکنند و مراد از آن اینست کہ دنیا و ما فیہا جز خدا نیست و باین اعتبار ہر کسی ہم خداست و حسین بن منصور حلاج از این جہت بود کہ انالحق میگفت . اقبال نیز این اصل را قبول دارد منتہی با این تفاوت کہ صوفی میگفت باید انسان نفس خود را فانی کند تا در خدا مستغرق شود ولی محمد اقبال دستور

اور شخصیت کو تربیت اور وسعت دیکر اس قابل بناؤکہ زمین پر خدا کی نیابت حاصل کر لے اور خدا کو اپنے اندر سمیٹ لے اور اسکے ساتھ ملکر ایک ہوجائے:-

کرا جوئی چرا در پیچ و تابی؟
که او پیداست تو زیر نقابی
تلاش او کنی جز خود نبینی
تلاش خود کنی جز او نیابی

اور ایک اور جگہ کہتا ہے:

چنان با ذات حق خلوت گزینی
ترا او بیند و او را تو بینی
بخود محکم گذار اندر حضورش
مشو ناپید اندر بحر نورش

دوسری بات جسمیں اقبال صوفیا کی پیروی کرتا ہے یہ ہے کہ انسان کا طرہ امتیاز،، عشق،، ہے۔ عاشق طالب خواہ کسی دین اور مذہب سے تعلق

میدهد که نفس را بشناسید و در خودی خود غور تعمق کنید و ذات خود را تربیت و توسعه داده مستعد آن کنید که نایب خدا در زمین بشود و سایهٔ خدا بشود و خدا را در خود بگنجانید و با او یکی شود .

کرا جوئی چرا در پیچ و تابی (الخ)

و در جای دیگر گوید : چنان با ذات حق خلوت گزینی (الخ)

امر دیگری که در آن اقبال اقتدا بصوفیه میکند اینست که امتیاز

رکھتا ہو معشوق تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ اقبال کہتا ہے :

دماغم کافر زنار دار است
بتان را بنده و پروردگار است
دلم را بین که نالد از غم عشق
ترا با دین و آیئنم چه کار است؟

———————

از حرف دلاویزش اسرار حرم پیدا
دی کافر کی دیدم در وادی بطحا مست

مغرب کے صاحب نظروں اور مشرق کے صاحب دلوں کے درمیان بڑا فرق یہ ہے کہ مشرق ,عشق و نظر، کو اہمیت دیتے ھیں اور اسکی پیروی کرتے ھیں اور اھل غرب عقل و خبر کے دلدادہ ھیں۔

نشان راه ز عقل هزار حیله مپرس
بیا که عشق کمالی ز یک فنی دارد
فرنگ گرچه سخن با ستاره میگوید
حذر که شیوهٔ او رنگ جوزنی دارد

انسان بعشق است و عاشق طالب بهر مذهب و دینی که باشد بدوست راه خواهد برد : دماغم کافر زنار دار است (الخ)

و تفاوت عمده ای که بین صاحب نظران مغرب زمین صاحبدلان مشرق زمین موجود است از همین رهگذر است شرقیان عشق و نظر را مهم میداند و از آن پیروی میکنند و اهل غرب بعقل و خبر گرائیده اند
نشان راه ز عقل هزار حیله مپرس (الخ)

لیکن حق بات تو یہ ہے کہ انسان کو چاہئے مغرب کے عقلی علوم اور مشرق کے عشق و عرفان دونوں سے بہرہ مند ہو۔

خرد افزود مرا درس حکیمان فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبت صاحبنظران

مغرب کے فلاسفر اور حکما کا اقبال احترام کرتا ہے اور مغربی علم و حکمت کا حاصل کرنا اہل مشرق کے لئے ضروری سمجھتا ہے لیکن اسکے باوجود اسکا اصلی عقیدہ یہ ہے کہ مغربی علم و حکمت اہل مشرق کے لئے نجات اور رستگاری کا راستہ نہیں کیونکہ ان کا تفکر عشق سے خالی ہے:

حکمت و فلسفہ کاریست کہ پایانش نیست
سیلی عشق و محبت بدبستانش نیست
دشت و کہسار نوردید و غزالی نگرفت
طوف گلشن زد و یک گل بگریبانش نیست
چارہ اینست کہ از عشق گشادی طلبیم
پیش او سجدہ گذاریم و مرادی طلبیم

حق اینستکہ انسان از عقل مغربیان و عشق مشرقیان ہودو با نصیب باشد
خرد افزود مرا دوس حکیمان فرنگ (الخ)

با وجود احترامی کہ نسبت باین فلاسفہ و حکما مغرب زمین دارد و با آنکہ تحصیل علم و حکمت و فلسفہ غربی را بر ای مشرقیان ضروری میشمارد معتقد است کہ نجات و رستگاری مشرقیان از این راہ نیست زیرا کہ فلسفہ و حکمت از عشق خالیست.
حکمت و فلسفہ کا ریست کہ پایانش نیست (الخ)

ڈاکٹر کچکینہ کاظمی اور اقبال

ڈاکٹر کچکینہ کاظمی ایران کی مایہ ناز خاتون پر ایران اور پاکستان کو ہمیشہ فخر رہے گا۔ نہ صرف اس لئے کہ تحصیلات علوم، اور وسعت معلومات اور مطالعات گونا گوں کے لحاظ سے وہ کم نظیر ہیں بلکہ اس لئے کہ اپنی شدید سرکاری اور غیر سرکاری اور شخصی مصروفیتوں کے باوجود اس خاتون نے انجمن فرہنگی ایران و پاکستان کی بنیاد ڈالی اور تقریباً ایک سال تک کے تمام اخراجات اپنے ذمہ لئے اور بیشمار جلسوں کا انتظام اپنے ہی مکان پر کیا۔ انجمن خواتین ایران کے متعدد جلسوں میں پاکستان اور اقبال پر مسلسل تقریریں کیں اور اپنی معنوی اور اخلاقی کمک کے علاوہ پاکستان اور اقبال کو ایرانی حلقوں سے روشناس کرانے کے لئے ہزارہا روپئے اپنی جیب سے خرچ کرنے میں دریغ نہ کیا۔ ڈاکٹر کاظمی اکثر کہا کرتی ہیں کہ ہم ایرانی خواہ کتنی ہی کوشش کریں اقبال کا احسان نہیں اتار سکتے۔ اس نے نہ صرف فارسی زبان کو بلکہ ہماری روایات اور علمی ادبی تاریخ کو شبہ قارہ ہند و پاکستان میں زندہ کیا اور خود ہمیں اپنی گذشتہ کلچرل عظمت کا احساس دلایا ہے۔

۱۹۵۲ میں انجمن کل خواتین پاکستان کے جلسے میں ایران کے نمائندہ کی حیثیت سے ڈاکٹر کاظمی نے شرکت کی۔ ڈاکٹر کاظمی تقریباً دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک کا سفر کر چکی ہیں اور انکی تالیفات فارسی، انگریزی، فرانسیسی اور جرمن میں طبی، سوشل اور ادبی موضوعات پر موجود ہیں۔

•

پاکستان کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے خواتین اور ان کے جلسہ میں ڈاکٹر کاظمی نے فرمایا "میں کئی ترقی یافتہ ممالک میں اس سے پہلے سفر کرچکی ہوں اور میرے لئے اس نئے ملک میں جانا کوئی نئی بات نہیں تھی۔ لیکن جو کچھ میں نے پاکستان میں دیکھا دنیا کے کسی اور ملک میں نہیں دیکھا تھا۔ اور وہ چیز پاکستان کے لوگوں کی ایران سے غیر معمولی محبت اور دوستی ہے جسکا بیان کرنا میری طاقت سے باہر ہے پاکستانی ہمارے ادب اور ہمارے بڑے بڑے عالموں اور ادیبوں پر اسقدر فخر کرتے تھے کہ مجھے دیکھکر حیرت ہوتی تھی کیونکہ آجکل کی دنیا میں ایسے پاکیزہ احساسات بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ سب سے دلچسپ چیز جو میں نے پاکستان میں دیکھی شہر لاہور ہے۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے لاہور غزنویوں کا پایہ تخت تھا اور اسوقت کے بعد

من قبلا به چند کشور مترقی دیگر مسافرت کرده بودم لذا مشاهده این کشور جدید برایم تازگی نداشت اما در پاکستان من چیزی دیدم که در هیچ کشور دیگری مشاهده نکرده بودم و آنچیز فوق‌العاده علاقه و دوستی زائدالوصف اهالی پاکستان نسبت به ایران بود. پاکستانیها بحدی به ادبیات بزرگان علم و ادب ما افتخار میکردند که مرا دچار شگفت و تعجب نمودند زیرا در دنیای امروز چنین احساساتی پاک کمتر نظیر دارد. بزودی دریافتم که چرا ملت پاکستان اینقدر ابراز احساسات دوستانه با ایران مینماید و چرا اهل علم و ادب آنکشور افتخار میکنند از مقام بزرگان گذشته و معاصر ایران سخن بگویند و بشنوند. جالب ترین چیزی که در پاکستان دیدم خود شهر لاهور بود. لاهور بطوریکه همه میدانند سالها پایتخت غزنویها بوده و از آن موقع مهد شعر و ادب ایران میباشد و تا بامروز در نتیجهٔ خدمات

همیشه ایرانی شعر و ادب کا مرکز رہا اور آج بھی اقبال مرحوم کی خدمات کی وجه سے اس شہر نے اپنا مقام بحیثیت ایرانی ادب اور زبان کے مرکز کے محفوظ رکھا ہے ۔ میں نے یہاں بعض ایسے مردوں اور عورتوں سے ملاقات کی جو زبان فارسی میں شعر بھی کہه سکتے ہیں ۔ ممکن ہے یه بات میرے محترم سننے والونکے لئے تعجب کا باعث ہو ۔ لیکن فی الحقیقت تعجب کی کوئی بات نہیں ۔ پاکستان ۱۹۴۷ میں اس کلچرل اور ادبی بیداری اور تحریک کی بنا پر وجود میں آیا جسکی بنیاد اقبال نے رکھی تھی اور آج سے کوئی پچاس سال پیشتر اقبال ہی نے فارسی ادب ، افکار اور زبان کو زندہ کرنے کے لئے کوشش شروع کی تھی ۔

اقبال نے نه صرف پاکستانیوں کو رومی ایسے بڑے شعرا اور مفکرین کا مطالعه اور پیروی کرنیکی نصیحت کی بلکه اس نے خود نہایت

مرحوم اقبال موقعیت خود را بعنوان مرکز زبان و ادبیات ایران حفظ کرده است . من در اینجا مردان و زنانی را ملاقات کردم که حتی میتوانستند بزبان فارسی شعر بسازند شاید این حقیقت باعث تعجب شنوندگان محترم بشود ولی در واقع جای تعجب نیست .

پاکستان در اثر بیداری و جنبش معنوی و ادبی که شالوده آن از طرف علامه اقبال گذاشته شده بود در سال ۱۹۴۷ بوجود آمد . در حدود پنجاه سال قبل اقبال برای احیای زبان فکرو ادبیات ایرانی در شبه قاره هند و پاکستان شروع بمبارزه کرد .

او زبان فارسی را بر ای ابراز مهمترین افکار و عقاید خود انتخاب نمود . اقبال نه تنها بپاکستانیان توصیه کرد که آثار شعراء و متفکرین بزرگ

بلند پایه اشعار لکھے جن میں آجکل کے جوانوں کی بیداری کے لئے نئے خیالات بیان کئے۔ یہ بڑی حد تک اقبال کے اشعار کا اثر تھا کہ ملت پاکستان میں ایک نئی روح پیدا ہو گئی۔ اسی وجہ سے رفتہ رفتہ ہمارے دل میں اس مرد بزرگ کے متعلق گہرے احترام کے احساسات پیدا ہو گئے ہیں اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ جسطرح اقبال پاکستان کا قومی شاعر ہے ایران کا بھی اسی حد تک قومی شاعر ہے۔ میرے خیال میں اقبال نے جو ایرانی ادب اور زبان کی خدمت کی ہے کسی بیرونی ملک کے شاعر نے نہیں کی۔ افسوس کی بات ہے کہ گذشتہ سالوں میں ایرانیوں اور پاکستانیوں کے درمیان میل ملاپ نہیں تھا اور اسوجہ سے اقبال اس ملک میں جہاں سے اس نے فیض حاصل کیا مشہور نہ ہوا۔ لیکن اب ایرانیوں اور پاکستانیوں میں روز افزوں دوستانہ تعلقات کے زیر اثر ایرانی نہ صرف اقبال کے اعلی کلام کی تعریف کرتے ہیں بلکہ اس کے وجود پر فخر محسوس کرتے ہیں —

مانند رومی را مطالعه و پیروی کنند بلکه یک سلسله اشعار عالی سرود که در آن برای بیداری جوانان امروزی افکار جدید بکار برد. تاثیر شعر اقبال بود که تا حد زیادی یک روح جدید در ملت پاکستان بوجود اورد. از اینروست که بتدریج احترام و احساسات عمیق نسبت باین مرد بزرگ پیدا کردیم. ما حس میکنیم که اقبال همان اندازه که شاعر ملی پاکستان میباشد شاعر ملی ایران نیز هست بنظر من خدمتی که اقبال بزبان و ادبیات ایران کرده کمتر شاعر خارجی در کشور دیگر نیست بکشور ما نموده است.

متاسفانه در طی سالهای گذشته ایرانیان و پاکستانیها چندان رابطه و تماس نزدیکی نداشته اند و بهمین علت اقبال هرگز در کشوری که تمام الهامات خود را از آنجا اخذ نموده شهرتی نداشت ولی اکنون در اثر دوستی

ان دنوں جب مشرق کے لوگ عام طور پر مغرب کے شعرا اور مفکرین (جنکے ساتھ انکو کسی قسم کا روحانی تعلق نہیں) کی پیروی کرتے تھے اقبال اپنی شیراز اور تبریز سے وابستگی پر فخر کرتا تھا۔ ,, مجھے دیکھو کیونکہ میرے بغیر ہندوستان میں کسی اور کو نہیں دیکھ سکو گے که ایک برهمن زاده روم اور تبریز کے اسرار سے آشنا ہے،،۔

اقبال کے اشعار ایسے رواں اور محرک ہیں اور ہر شخص کو جسے فارسی شاعری سے دلچسپی ہے محظوظ کرتے ہیں لیکن جس چیز کو اسکی شاعری میں نفاست اور زیبائی کلام سے کہیں بڑھکر اہمیت ہے اسکے معانی ہیں اس کا عقیدہ یہ تھا کہ انسانی ترقی اور سعادت خشک منطقی مباحثات میں نہیں بلکہ روحانی ادراک میں مضمر ہے۔ اقبال کہتا ہے کہ خشک

روز افزون مردم ایران و پاکستان ایرانیان نه تنها شروع بتحسین از اشعار شیوای اقبال نموده اند بلکه از اینمرد بزرگ احساس افتخار میکنند. در زمانیکه مردم شرق عموما عادت کرده بودند از شعراء و متفکرین غرب که هیچگونه پیوستگی معنوی با آنها ندارند پیروی کنند اقبال افتخار میکرد که خود را وابسته تبریز و شیراز بداند. میگوید :—

مرا بنگر که در هندوستان دیگر نمی بینی

برهمن زادهٔ رمز آشنای روم و تبریزاست

بعضی از اشعار او هم محرک میباشد که هر شخص علاقمند بشعر فارسی را محظوظ میسازد. ولی آنچه بیش از شیوائی و زیبائی در شعر او اهمیت دارد توجه او به معنویات است. اقبال معتقد بود اسرار پیشرفت و سعادت مربوط بمباحثات خشک منطقی نیست بلکه در ابراز احساسات معنوی نهفته است.

ظاهری احساسات انسان کی سعادت پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ اور اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم روحانی احساسات کو قبول کر لیں۔ اقبال اپنے پیام میں یورپ کے علماء کو یوں خطاب کرتا ہے:—

اے باد صبا میری طرف سے دانای فرنگ کو کہو
کہ جب سے عقل نے پر کھولے ہیں پہلے سے بھی زیادہ گرفتار ہوگئی ہے
یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ تو اعجاز مسیح اپنے اندر رکھتا ہے
تعجب تو اس بات پر ہے کہ تیرا بیمار پہلے سے زیادہ بیمار ہے
تونے علم تو حاصل کر لیا ہے مگر دل کو کھو دیا ہے
افسوس کہ یہ گران مایہ چیز تونے کھو دی—

اقبال اسی ضمن میں تاکید کرتا ہے کہ ایران کے بڑے شعراء اور مفکروں کی جو تفکر اور احساسات کے درمیان امتزاج پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں

اقبال میگوید که احساسات خشک ظاهری تاثیری در سعادت بشر ندارد و اکنون موقع آنست که ما خود را تسلیم احساسات دوستی و معنوی نمائیم. اقبال در پیام خود بدانشمندان غرب چنین میگوید:

از من ای باد صبا گوی بدانای فرنگ
عقل تا بال گشوده است گرفتار تراست
عجب آن نیست که اعجاز مسیحا داری
عجب اینست که بیمار تو بیمار تراست
دانش اندوخته‌ٔ دل ز کف انداخته‌ٔ
آه از آن نقد گرانمایه که در باخته‌ٔ

اقبال همچنین با پیروی از متفکرین و شعراء بزرگ ایرانی که

پیروی کرو۔ اقبال کہتا ہے۔ ,,مرشد رومی کو اپنا ہمراھی بناؤ۔ تا کہ خدا تمھیں سوز و گداز عطا کرے،، اس طرح اقبال نے نہ صرف مشرق کے طرز فکر کی راھنمائی کی بلکہ عصر حاضر کے لوگوں کے افکار کو مغرب کے بے جان اور مادی افکار سے نجات دلائی اور معنویت و روحانیت کو زندہ کرنے میں مدد کی ہے —

اقبال کی کتابوں میں فارسی شاعری کی تمام طرزیں اُور خوبیاں جمع ہوگئی ھیں۔ جب ہم اقبال کے نامساعد ماحول کو جسمیں وہ رھتا تھا تصور میں مجسم کرتے ھیں تو اسکی کامیابی جو اسے مختلف اور گوناگوں انواع کے اشعار لکھنے میں ہوئی ایک علمی اور ادبی معجزہ معلوم دیتی ہے —

رباعی، مثنوی، غزل و قطعات اخلاقی جو ہم اقبال کے کلام میں دیکھتے ھیں نہ فقط ھمیں بزرگترین شعراء اور عرفا کی یاد دلاتے ھیں بلکہ

توانسته اند ارتباطی بین فکر و احساسات پیدا کنند تا کید کرده و میگوید .

پیر رومی را رفیق راه ساز
تا خدا بخشد ترا سوز و گداز

بنا بر این اقبـال نه تنها از جهت طرز فکر مشرقیان را راهنمائی نموده بلکه برای آزاد نمودن‌نسل حاضر از مادیات و افکار بیروح غرب و همچنین احیای معنویات و ایمان کمک نموده است . در آثار اقبـال تمام زیبائیهای و شیوه‌های و سبکهای مختلف شعر فارسی جمع است . موقعیکه ما محیط نامساعدی را که اقبـال در آن زیست میکرد بخاطر بیاوریم موفقیت او در بکار بردن انواع مختلف متنوع شعر فارسی ماند یک معجزه ادبی و علمی بنظر میرسد . رباعی ،مثنوی، غزل و قطعات اخلاقی که در آثار اقبـال بآنها بر میخوریم نه فقط

ہماری توجہ اور اشتیاق کو انکی روحانی عظمت کی طرف مبذول کراتے ہیں ـ

لیکن جو چیز سب سے زیادہ اقبال کے اشعار کو دلپذیر بناتی ہے اور اسکی ہر دل عزیزی کو بڑھاتی ہے اسکا اختصار و ایجاز کلام، اسکا نیا پن اور اسٹائل اور معنی میں تنوع ہے جو اسکے اشعار میں پایا جاتا ہے شعر میں فلسفیانہ باتیں پڑھنے والے کو تھکا دیتی ہیں ـ لیکن اقبال فلسفی اور عرفانی باتوں کو رنگ تغزل کی شیرینی میں ایسے سمو دیتا ہے کہ پڑھنے والے کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ اقبال کا کلام اسپر اثر کر گیا ہے ـ اقبال نے خود کہا ہے کہ: اقبال کے دلکش شعر سے معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ فلسفے کا سبق بھی دے رہا ہے اور عشق و عاشقی میں بھی مشغول ہے،، ـ

اقبال نے نہایت خوبی اور بے طرفی سے مغرب کے مادی نظریات کی تنقید کی ہے اور ساتھ ہی مشرق کی برخود غلط روحانیت پر جو مشرق کی

ما را بیاد بزرگترین شعراء و عرفا میاندازد بلکه توجه و اشتیاق ما را دوباره بعظمت معنوی آنها معطوف میدارد . ولی آنچه پیش از هر چیز اشعار اقبال را دلپذیر میسازد و بر محبوبیت او میافزاید ایجاز کلام و اختصار بیان و ابتکار و تنوع سبک و مطالبی است؟ که در آثار او یافت میشود . مطالب فلسفی شعر را بشکل خسته کننده ای در می آورد . اما اقبال مطالب فلسفی و عرفانی را با شرینی تغزل چنان آمیزش میدهد که خواننده بدون اینکه متوجه باشد تحت تاثیر کلام او قرار میگیرد . خودش گفته است :-

ز شعر دلکش اقبال میتوان دریافت

که درس فلسفه میداد و عاشقی ورزید

ترقی اور مادی بہبودی کی راہ میں حائل ہے حملہ کرتا ہے۔ وہ مشرق و مغرب کو صالح و صحت مند تفکر کی دعوت دیتا ہے اور نصیحت کرتا ہے کہ مادی اور معنوی افکار کی صحیح طورپر آمیزش کریں۔ اقبال کے خیالات اور اس کے کلام سے سیاسی اجتماعی اور اخلاقی مسائل کے حل کے لئے ایک نیا طریقہ وجود میں آیا ہے اس کے خیال میں یہ ضروری نہیں کہ مغرب اپنے طرز فکر کو مشرق پر یا مشرق اپنے عقائد کو زبردستی مغرب پر ٹھوسنے کی کوشش کرے۔ اقبال کے نزدیک روح انسانی کے ٹکڑے نہیں کئے جا سکتے اور ہماری زیادہ تر مصیبتیں شخصیت انسانی کے ظاہر اور باطن کے افتراق کا نتیجہ ہیں۔ اقبال نے کہا ہے:

مشرق نے حق کو تو دیکھا مگر کائنات کو نہ دیکھا
مغرب کائنات میں کھو گیا اور حق سے دور ہو گیا

اقبال با مہارت و بیطرفی از نظریات مادی مغرب انتقاد نمودہ و از طرف دیگر (روحانیت) دروغی کہ شرق را از ترقی و بہبودی مادی دور نگاهداشته است محکوم میسازد. او ہر دو را دعوت بہ فکر صالح و سالم نمودہ سازش و امتزاج افکار مادی و روحی را توصیه مینماید.

آثار و عقاید اقبال زمینه نوینی بر ای حل مشکلات اجتماعی و سیاسی و اخلاقی بوجود آوردہ است. بعقیدہ او موجبی ندارد کہ غرب طرز فکر خود بر شرق و یا برعکس مشرق عقاید خود را بر مغرب تحمیل نماید. اقبال میگوید کہ روح انسانی غیر قابل تفکیک است و بیشتر بد بختیهای روحی و مادی مادر نتیجه افتراق در ظاهر و باطن شخصیت بشر بوجود آمدہ است.

شرق حق را دید و عالم را ندید
غرب در عالم خزید از حق رمید

اقبال نے عقاید کی جنگ اور ایسے بحث اور مباحثہ کی جس سے کوئی مثبت اور مفید نتیجہ ھاتھ نہ آئے مخالفت کی ھے وہ لگاتار کوشش کرنیکی تلقین کرتاھے :

تیشہ کی ضرب سے کوہ بیستون کو توڑ دے
کیونکہ وقت کم ھے اور آسمان پر کچھ اعتبار نہیں کیا جا سکتا —
اور فلسفیوں کو اس بحث میں مشغول رھنے دے
کہ آیا شرر تیشہ سے نکلتا ھے یا پتھر سے —

مقـــام اقبــــال

ایران کے ایک شہری کے لئے (ایران جس نے رومی، حافظ، سعدی، فردوسی اور بیسیوں دیگر شعرا کو جنم دیا) پاکستان کے فلسفی شاعر اقبال سے آشنائی اور ارتباط پیدا کرنا باعث فخر ھے —

ایران اپنی تاریخ کی تاریک ترین مراحل میں بھی اپنی ان غیر فانی اور جاودان خدمات کی وجہ سے جو اس نے دنیا کے علوم و ادبیات اور تمدن کے لئے انجام دی ھیں احترام اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا رھا ھے —

اقبـــال بحث و مباحثہ و جنگ عقاید را کہ نتیجہ مثبت و مفید ندارد بشدت محکوم نمودہ و بہ سعی پیہم توصیہ کردہ است .

بضرب تیشہ بشکن بیستون را
که فرصت اندک وگردون دو رنگ است
حکیمان را در این اندیشہ بگذار
شرر از تیشہ خیزد یا ز سنگ است

کئی مصنف گذشتہ اور حال میں ایران کی ادبی اور تمدنی وراثت پر کتابیں لکھ کر اپنے لئے حیات جاوید حاصل کر چکے ھیں اور انھوں نے ایران کی ادبی، فلسفیانہ اور تمدنی عظمت کو خراج تحسین پیش کیا ھے۔

لیکن آج ایران اقبال کی خدمت میں خراج تحسین پیش کرتا ھے۔ ایرانی ادب کی فکر و تخیل اور طرز بیان کے لحاظ سے جتنی اصناف ھیں وہ سب کی سب اقبال کے کلام میں جمع ھیں۔ اقبال کے لئے شاعر مشرق کا لقب نہایت مناسب ھے۔ اور یہ ایرانیوں کے لئے مزید افتخار کا موجب ھے کیونکہ جیسا کہ اقبال کے "پیام مشرق" سے ظاھر ھے ایران ھی اقبال کے مشرق کی نمائیندگی کرتا ھے۔ "پیام مشرق" سر زمین مشرق کے پھولوں کا ایک گلدستہ ھے۔

پیام مشرق میں ھم رباعیات، قطعات، منظر کشی، ساقی نامہ، خالص اخلاقی شاعری، گذشتہ اور حال کی سیاسی اور معاشرتی تحریکیں، تنقید، تعریف سے دو چار ھوتے ھیں لیکن سب سے بڑھکر دلربا اور سحر آمیز اقبال کی شاعری کا غنائی پہلو ھے جو ایرانیوں کو بہت زیادہ اپیل کرتا ھے اور اور انسان اقبال کے الفاظ اور ترکیبات کے انتخاب پر تعجب کرتا ھے۔

رخت بکاشمر کشا کوہ تل و دمن نگر
سبزہ جہان جہان بببین لالہ چمن چمن نگر
لالہ زخاک بردمید موج بہ آبجو تپید
خاک شرر شرر ببین آب شکن شکن نگر

یہ خالص شعر کی دنیا ھے اور اقبال کو اسپر پورا تسلط ھے۔

کشمیر کی پر بہار فضا سے اقبال نہایت آسانی سے ھمیں خاک عرب کے

کے وسیع ریتلے ٹیلونکی طرف کھینچ لیجاتا ہے ۔ جہاں ہم ایک بدوی کو اونٹ پر سوار ریت کے سمندر پر گامزن دیکھتے ہیں اور شتر سوار کا گیت ہمارے کانوں میں گونجنے لگتا ہے ۔

ناقۂ سیار من ،آہوی تاتار من، درہم و دینار من، اندک و بسیار من، دولت بیدار من

تیز ترک گامزن منزل ما دور نیست

در تپش آفتاب، غوطہ زنی در سراب، ہم بشب ماہتاب، تند روی چوں شہاب، چشم تو نادیدہ خواب

نیز ترک گامزن منزل ما دور نیست

اقبال اپنی پہلی مثنوی کے مقدمہ میں کہتا ہے کہ مجھسے خوانساری اور اصفہانی فصاحت اور قوت بیان کی توقع نہ رکھی جائے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم اقبال کے کلام میں خوانسار و اصفہان کی فنی اور ہنری خوبیوں کے علاوہ شیراز کے نغمہ کی شیرینی اور آتش تبریز بھی موجود پاتے ہیں ۔

فصل بہار این چنیں بانگ ہزار این چنین
چہرہ کشا، غزلسرا، بادہ بیار این چنین
باد بہار را بگو پی بخیال من برد
وادی و دشت را دہد نقش و نگار این چنین
اور
ما از خدای گم شدہ ایم او بجستجو است
چوں ما نیازمند و گرفتار آرزوست

گاهی بہ برگ لالہ نویسد پیام خویش
گاهی درون سینہ مرغان بہ ها و هوست

در خاکدان ما گہر زندگی گم است
این گوهری کہ گم شدہ ما ایم یا کہ اوست

ان اشعار میں ایرانیوں کو دیوان شمس تبریزی کا جلوہ رومی کے مخصوص والہانہ پن اور جوش و حرارت کے همراہ نظر آتا هے۔

اقبال کے شعروں کا رومی کے اشعار سے مقابلہ کرنے سے هم اس نتیجہ پر پہنچتے هیں کہ اگرچہ اقبال اور رومی کی روح ایک هی هے اقبال کے طرز بیان میں ایک نیا پن اور تازگی پائی جاتی هے جو فقط اقبال هی کا حصہ هے۔

اقبال کی روح شیراز اور تبریز کے سر چشموں سے سیراب هوئی اور هم ان شہروں کے شعرا سے اسکی عقیدت کا راز بخوبی سمجھ سکتے هیں۔ لیکن جو چیز همیں حیرت میں ڈالتی هے یہ هے اسکی بے سابقہ قوت بیان اور اسکا ابتکار (Originality) هے جو اقبال پرانے فرسودہ مضامین اور روایاتی تشبیہوں اور استعاروں کے استعمال میں دکھاتا هے۔ اس کے لئے نئے لفظ اور ترکیبیں تراشنا تو ممکن نہ تھا مگر اس نے پرانے الفاظ اور اصطلاحات کو نئے معنی بخشے هیں۔

اگرچہ راہ همان است کاروان دگر است

***

اقتباس از مقالہ سید محمد علی داعی الاسلام

مرحوم داعی الاسلام نظام کالج حیدرآباد میں فارسی کے معلم تھے اور اپنے وسیع مطالع اور علوم نقلی و عقلی میں دسترس کی وجہ سے اہل علم میں بڑی قدر و منزلت رکھتے تھے۔ داعی الاسلام (جہانتک مجھے معلوم ہے پہلے ایرانی ہیں جنھوں نے اقبال کے کلام اور اسکے پیغام پر اظہار نظر کیا ہے۔ داعی الاسلام مدت سے حیدرآباد میں مقیم تھے اور چند سال ہوئے وہیں انکا انتقال ہوا۔ ایران میں اقبال بہت دیر سے پہنچا اور پہلا نسبتاً مفصل مقالہ جو ایران میں (۱۹۴۵) میں منتشر ہوا سید محیط طبا طبائی کے قلم سے ہے۔

اگرچہ مرحوم کی زندگی کا بیشتر حصہ ہندوستان میں گذرا، داعی الاسلام معاصر ایران کے ادبا اور فضلا میں شمار ہوتے ہیں اور ان کا مقالہ سب سے پہلا مقالہ ہے جو اقبال کے متعلق فارسی زبان میں لکھا گیا۔ اور خاص بات جسکا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں یہ ہے کہ یہ مقالہ اقبال کی سب سے مہم فارسی تصنیف جاوید نامہ کے منتشر ہونے سے کئی سال پہلے لکھا گیا تھا مگر داعی الاسلام اسکی پہلی تصانیف کی بنا پر بھی اقبال کے لئے ایک بہت بلند اور غیر معمولی شاعر اور متفکر کے رتبہ کے قائل ہیں اور انکی یہ پیشگوئی کہ اقبال کے کلام کی بدولت فارسی شاعری کو ہندوستان میں دوام حاصل ہو جائیگا درست ثابت ہو رہی ہے۔ اسکے علاوہ داعی الاسلام نے محسوس کیا کہ باوجود گذشتہ شعرا کی تقلید اور پیروی کے اقبال کے کلام میں ایک نیا پن اور جدت ہے جو اسکو دیگر شعرا سے ممتاز کرتی ہے اور اسنے بعض معاصر علما کے بر خلاف اقبال کے حملہ کی جو اس نے قدیم بے جان تصوف پر کیا، تائید کی ہے۔ ذیل میں آقای سید داعی الاسلام مرحوم کے مقالہ سے جو ڈاکٹر اقبال اور شعر فارسی کے عنوان کے تحت انہوں نے تقریباً تیس سال قبل لکھا اور حیدرآباد میں چھپوا کر منتشر کیا اقتباس درج کرتے ہیں۔

ڈاکٹر اقبال اور شعر فارسی

آجکل ہندوستان کا عالی قدر فلسفی سر محمد اقبال متخلص باقبال ہے۔ اقبال نے اپنے اردو اشعار کے ذریعے اپنے ہموطنوں کے لئے لطف اندوزی کا سامان فراہم کیا ہے لیکن اسکے پہلو بہ پہلو اسکے فارسی زبان میں شیریں نغمے تمام ایشیا میں گونج رہے ہیں۔ قریباً پچیس سال سے اقبال اردو کے استاد شعرا میں شمار ہوتا ہے اور اسنے اردو شاعری میں نئے فلسفیانہ مضامین، حب وطن اور حب ملت کے جذبات داخل کئے مگر آخر کار اس نے محسوس کیا کہ زبان اردو اسکے خیالات کے اظہار کے لئے کافی وسعت نہیں رکھتی اور صرف فارسی زبان میں جو ایشیا کی عام اور قدیم سے علمی زبان کی حیثیت رکھتی ہے، وہ اپنے تصورات اور مکنونات کو بہتر بیان کر سکتا ہے۔ اس لئے اب چند سال سے اقبال اپنے عالی خیالات کو فارسی زبان کے قالب میں ڈھال کر طوطی شکر شکن یا بلبل شیراز کی شکل میں نمودار ہوا ہے۔

فیلسوف بزرگ امروز هند دکتر سر محمد اقبال است متخلص به اقبال که نه تنها گوش هموطنان خود را از سرود های اردو متلذذ ساخته بلکه در فضای تمام آسیا نغمه های شیرین فارسی او طنین انداز است دکتر اقبال یک ربع قرن از اساتذه مبرز شعر اردو بوده قدمهای سریعی در تجدید شاعری اردو، ادخال مضامین جدیدۀ فلسفه و حب‌الوطن و المله در آن برداشته آخر احساس نمود که قالب اردو برای افکار وسیعهٔ او تنگ است و فقط فارسی که زبان عام آسیا و زبان علمی قدیم دنیا بوده میتواند خزانه گنج تصورات او باشد از این جهت چند سال است که افکار عالیه خود را در قالب فارسی میریزد و طوطی شکر شکن شده یا بلبل شیراز گشته است. اقبال یک شاعری عادی

اقبال کوئی معمولی شاعر نہیں ہے جس نے اپنے آپ کو ایک عاشق تصور کر لیا ہو اور گل و بلبل شمع و پروانہ ، قمری و سرو کے ارد گرد فصاحت اور بلاغت کے نمونے گڑھ کر سننے والوں کے لئے محض ایک سماعی لذت پیش کی ہو۔ اقبال ایک فصیح البیان اور ایک معین نصب العین رکھنے والا راھنما ہے۔ اقبال کا بلبل کرۂ مریخ کے شاھین کا شکار کرتا ہے۔ اسکے گلاب کی بو ناھید تک پہنچتی ہے اور اسکی شمع تمدن عالم کی بزم کو روشن کرتی ہے۔ اسکی قمری سرو بوستان کی بجائے طوبی کی بلندیوں پر بیٹھکر حقیقی معرفت کی جستجو میں کوکو کر رھی ہے۔

اقبال چاھتا ہے کہ نسل انسانی بہتر اور بلند تر مقام پر پہنچنے اور مادی ترقی کے ساتھ ساتھ روحانی ترقی کو بھی پیشنظر رکھے۔ اقبال چاھتا ہے کہ ملت اسلامی کے افراد جو تمام زمین پر منتشر ھیں یک دلی اور یک جہتی کے طفیل ایک ملت واحد بن جائیں اور مادی اور معنوی ترقی حاصل کرکے دوسری قوموں کے لئے قابل رشک مقام حاصل کر لیں۔ اقبال

نیست که خود را عاشق فرضی ساخته از تلفیق گل و بلبل و شمع و پروانه و قمری و سرو و فصاحتی یا بلاغتی احداث کرده فقط یک لذت استماعی به سامع دهد بلکه یک قائد نطاق دارای نصب‌العین است بلبل اقبال شاهین کرهٔ مریخ را صید میکند و بوی گلش به ناهید میرسد شمعش بزم تمدن عالم را روشن می سازد. قمریش عوض سروبستان برفراز طوبی درتجسس معرفت حقیقی کوکو میگوید.

اقبال میخواهد نسل انسانی بهتر شود و بالاتر رود و باوجود ترقیات مادیه تجلیات روحانیه را هم مطلوب خود سازد. اقبال میخواهد تمام افراد امت اسلامیه که بر بسیط زمین منتشر نزدیک دل و یک جهت و یک ملت شده در دانش جسمانی و تعالی روحی رشک ملل دیگر انسانی گردند. مقصود اقبال

کا مقصود تمام افراد اسلامی کا اتحاد ھے مگر اس کے مخاطب صرف پڑھے لکھے اور اھل علم لوگ ھیں جن کے ھاتھ میں اس ملت کی قیادت ھے۔ اس لئے اس نے اپنے اشعار علمی زبان میں کہے ھیں تا کہ اسکے اسرار نامحرموں کے کانوں تک نہ پہنچیں اور نا اھل اشخاص کا دماغ انکو غلط طور پر تعبیر نہ کرے جیسا کہ اسرار خودی میں خود کہتا ھے:

نکته ها چون تیغ فولاد است نیز
گر نمی فهمی ز پیش ما گریز

یعنی ,,جو نکتے میں بیان کر رھا ھوں فولادی تلوار کی مانند بران ھیں— اگر تو نہیں سمجھہ سکتا تو میرے سامنے سے دور ھو جا،، اقبال عصر جدید کے بہترین تعلیم یافتہ اور عالم لوگوں میں سے ھے اور اس نے قدیم اور جدید علوم کا گہرا مطالعہ کیا اور علم و دانش کے خزانوں سے شاھوار موتی چن لئے اور انکو شاعری کے بازار میں پیش کر رھا ھے۔ اقبال ان

تمام افراد اسلام است لیکن مخاطب او طبقهٔ عالم و دانشمندان است که قیادت ملت را در دست دارند از ازین جهت اشعار خود را در زبان علمی میگوید تا اسرار او را گوش نا محرم نشنود و مغز نا اهل کج نفهمد چنانچه در کتاب ,,اسرار خودی،، خود میگوید .

نکته ها چون تیغ فولاد است تیز
گر نمی فهمی ز پیش ما گریز

اقبال از بهترین علما و تربیت یافتگان عصر جدید است که در علوم قدیمه و جدیده تخصص یافته از گنج دانش خود گوهر های شاهوار بر چیده در بازار عام شاعری بمعرض بیع در آورده بهای که میخواهد مغز بیدار و دل

موتیوں کی جو قیمت چاھتا ھے وہ صرف ایک بیدار مغز اور دردمند دل ھے تا کہ اس سودے سے قائدین اسلامی فائدہ اٹھا سکیں ۔

اگرچہ ھندوستان کے فارسی شعراء کا ایک خاص رنگ ھے جو انکے کلام میں نمایاں ھے لیکن اقبال کا طرز مرزا اسد اللہ خان غالب سے (جو نصف صدی پہلے گذر چکا ھے اور اردو کا بہت بڑا شاعر تھا) زیادہ شباہت رکھتا ھے ۔ اس خیال کے پیش نظر ھم کہہ سکتے ھیں کہ غالب کے بعد ھندوستان اقبال کے وجود سے روشن ھے ۔

کسی قدیم شاعر نے اساتذہ سخن کی جا نشینی کے متعلق ایک مثنوی لکھی ھے جسکا آخری شعر یہ ھے :

ز خسرو چو نوبت به جامی رسید

به جامی سخن را تمامی رسید

دردمند است اقبال افکار تازه آورده و میخواهد کاروان قائدان اسلام را مستفیض سازد .

اگرچه در اشعار اساتذهٔ که در هندوستان نمایان شدند یک رنگ مخصوص است که در کلام تمام نمایان است لیکن سبک اقبال شباهت بیشتری بسبک میرزا اسد الله غالب مرحوم که نیم قرن قبل در هند میزیسته و استاد شعر فارسی و اردو بوده دارد و ازین جهت میتوانیم و بگوئیم بعد از غالب چشم هندوستان بوجود اقبال روشن است یکی از شعرای قدیم مثنوی ای در باب جا نشینی اساتذه سخن از یکدیگر گفته که شعر آخرش این است .

ز خسرو چو نوبت با جامی رسید

به جامی سخن را تمامی رسید

غالب مرحوم نے اس پر یہ شعر اضافہ کیا۔

زجامی بہ عرفی و طالب رسید

زعرفی و طالب بہ غالب رسید

اور اب ہم یہ دو شعر اور بڑھا سکتے ہیں:

چو غالب ز ہندوستان رخت بست

بجای وی اقبال دانا نشست

یقین دان سخن دانی باستان

بماند بہ ہندوستان جاودان

اقبال ایک ایسے زمانے میں پیدا ہوا جبکہ تمام مسلمان سست اور کاہل اور سعی و عمل کو چھوڑ چکے ہیں اور اسی لئے تمدن کے کاروان سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ وہ جو ہر انسانی اور خودی کی قوت سے بے خبر اور

غالب مرحوم بر آن این شعر را اضافه نموده.

ز جامی به عرفی و طالب رسید

ز عرفی و طالب به غالب رسید

حالا ما میتوانم بر آن این دو شعر را اضافه کنیم.

چو غالب ز هندوستان رخت بست

بجای وی اقبال دانا نشست

یقین دان سخن دانی باستان

بماند به هندوستان جاودان

اقبال در عصری است که همه تمنبل شدند و دست از سعی و عمل بر داشته از قافلهٔ تمدن خیلی عقب افتاده و از قدرت جوهر انسانیت و

تمدنی ترقی سے مایوس نظر آتے ہیں ۔ مسلمانوں کی پچیس آزاد حکومتیں تھیں ان میں سے اب تین باقی ہیں اور وہ بھی متزلزل اور عاشق کے دل کی طرح لرزاں ہیں ۔ قریباً چالیس کروڑ مسلمانوں میں سے صرف پانچ کروڑ آزاد ہیں اور باقی سب کے سب غیر اسلامی حکومتوں کی پناہ میں ہیں ۔ ان حالات میں ایک عالی تعلیم و تربیت یافتہ اقبال جیسا مسلمان کس قسم کے تصوف کی پیروی کریگا ۔ اسکے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ اسرار خودی کو بیان کرے اور ثابت کرے کہ جسمانی اور روحانی ہر قسم کی ترقی ، خودی کی تربیت اور نشو و نما میں مضمر ہے۔

بارہ سو سال سے اصول تصوف کو تدوین اور ترتیب دیا جا چکا ہے اور فارسی صوفی شعرا نے بیخودی اور فنا کو تصوف کا اصول قرار دیا ہے ۔ کیا اقبال کا فلسفہ خودی تصوف میں دلچسپی لینے والوں کو برا نہیں لگتا

و خودی بی خبر شده از ترقیات تمدنیه مایوس و در نتیجه از بیست و پنج سلطنت مستقله ای که داشتندفقط سه سلطنت از ایشان باقی مانده آنها هم متزلزل و مثل دل عاشق لرزان و از قریب چهار صد میلون نفوس اسلامیه فقط قریب پنجاه ملیون ایشان آزادند باقی همه در پناه سلطنت های غیر اسلامیه افتاده. در این صورت یک نفر مسلمان تربیت شده و تعلیم اعلی یافته این عصر مثل اقبال چه قسم صوفی بیرون میآید بجز آنکه اسرار خودی را بیان کند و ثابت نماید که تمام ترقیات جسمانی و روحانی در نشو و نما دادن خودی است.

حالا حرف در این جا است که هزار و دویست سال است تصوف در اسلام مرتب و مدون شده و شعر ای تصوف فارسی بیخودی و فنا را یکی از اصول تصوف قرار دادند آیا فلسفهٔ خودی دکتر اقبال علاقه مندان به تصوف را دل تنگ

ہوگا۔ کیا اس سے سنائی ، عطار ، رومی اور حافظ جیسے بزرگوں کی توہین نہیں ہوتی؟ اسمیں شک نہیں کہ اسرار خودی کے منتشر ہونے کے بعد بعض لوگوں کی طرف سے شور و غوغا بلند ہوا اور حتی اقبال بعد کے اڈیشن سے وہ اشعار جو اس نے واضح طور پر حافظ کی تنقید میں لکھے تھے خارج کرنے پر مجبور ہو گیا، لیکن انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اگر اقبال سے اس امر میں غلطی بھی سرزد ہوئی تو نہایت اچھی غلطی تھی کیونکہ مسلمان بیخودی کی تعلیم سے گمراہ ہو چکے تھے اور انھوں نے سعی و عمل سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور معاشی ترقی سے نا امید اور ترک دنیا سے مایوس ہو چکے تھے۔ بیخودی کی تعلیم کا مسئلہ اور ,, تقدیر،، کے تصور نے مسلمانوں کو بجائے دلیر اور نڈر اور محنتی بنانے کے ان کو ڈرپوک اور سست بنا دیا ہے۔ اپنی ہر برائی کو ,, تقدیر،، کے سر تھونپتے ہیں اور اسباب کے لئے تیار ہیں کہ جو کچھ انکے پاس ہے وہ بھی ترک کر دیں

نمی سازد و آیا توہین بہ اولیای سلف مثل سنائی و عطار و رومی و حافظ و امثال ایشان نمیشود؟ در این شکی نیست کہ بعد از انتشار (اسرار خودی) قر قر جمعی بلند شد و حتی اقبال مجبور گشت در طبعہای بعد اشعار صریح راجع بہ رد حافظ را از کتاب حذف نماید لیکن انصاف این است کہ اقبال اگر اشتباہ ہم کردہ خوب اشتباہی است بجہت اینکہ مسلمانان از تعلیم ,, بیخودی،، گمراہ شدند و دست از سعی و عمل بر داشتہ از ترقیات معاشیہ مایوس و از ترک دنیا ذلیل گشتند مسئلہ تعلیم , بیخودی ، ہم مثل مسئلہ ,, تقدیر،، عوض این کہ ایشان را دلیر و جدی و فعال قرار دہد تنبل و ترسو ساختہ ہر بد ی خود را نسبت بتقدیر میدہند و بر آن حاضر اند ہر چہ دارند ترک کردہ بہ رقیبان سپارند—تقدیر و بیخودی بجای خود صحیح است لیکن

اور اپنے حریفوں کے سپرد کر دیں ۔ تقدیر اور بیخودی کا تصور اپنی جگہ پر درست ہے اسکی غلط فہمی اور اسکے غلط استعمال کی اصلاح لازم تھی ۔ اقبال نے اسکی یوں اصلاح کی کہ خودی کو حقیقت اور بیخودی کو موہوم قرار دیا ۔ لیکن میرے خیال میں یہ محض لفظوں کی بحث ہے ۔ خودی کی ترقی اور وسعت عین بیخودی ہے ۔ اگر دانہ اپنی خودی کو خود تک محدود رکھے تو پودا نہیں بن سکیگا ۔ اور پودا اگر اپنے آپ کو وسعت نہ دے تو درخت نہیں بنیگا ۔ خودی کے حفظ کے یہ معنی ہیں کہ ذات نفس نچلے درجہ سے بلند تر درجہ حاصل کرلے ۔ ہمارے متصوفین اور فلاسفہ نے انسان کو ایک قابل ترقی جوہر کہا ہے اور خودی کی ترقی کی تعلیم بھی دی ہے ۔

اتحاد اسلام

مرحوم داعی الاسلام نے اقبال کی اتحاد اسلام کے متعلق کوشش کا حالات حاظرہ کی روشنی میں جائزہ لیا ہے اور اس خیال سے کہ عام مسلمانوں کو معاصر سیاسی کشمکشوں سے آشنا کریں انہوں نے اتحاد اسلام کی مختصر تاریخ اور اسکے متعلق بعض اسلامی ممالک کے نظریات اور اتحاد اسلام کے مستقبل کے متعلق اظہار خیال کیا ہے داعی الاسلام لکھتے ہیں :

سوء ادراک و استعمال اصلاح لازم داشت و دکتر اقبال این طور اصلاح کردہ است کہ بیخودی موہوم است و خودی حقیقت اما بنظر بندہ نزاع لفظی است چہ ترقی و توسعہ خودی ہم عین بیخودی است کہ اگر دانہ خودی خود را نگاہ دارد ہیچ وقت نہال نمی شود و نہال اگر خودی خود را نگاہ دارد درخت نمی گردد توجہ بخودی عین خود شدن از مرتبہ پائین و گرفتن مرتبہء بالا تراست اہل فلسفہ و تصوف ما انسان را جوہر قابل ترقی دانستہ تعلیم ترقی خودی ہم میداند .

"*یہ موضوع تقریباً پچاس سال پہلے تمام اسلامی ممالک میں زیر بحث تھا اور سید جمال الدین افغانی، شیخ محمد عبدہ صدر جامعہ ازہر مصری میرزا آقا خان کرمانی جیسے اسلامی مفکرین نے اسپر نہ صرف مفید باتیں کہی ہیں بلکہ اسپر جانفشانی بھی کی ہے۔ اسکے علاوہ عبدالحمید خان عثمانی بھی اتحاد اسلام کے مہم قائدین میں سے تھا لیکن اقبال نے اس موضوع کو زندہ کیا اور اپنے مخصوص فلسفہ کے ذریعے اسکی اہمیت کو مدلل طور پر پیش کیا ہے۔

ابتدای اسلام سے ہم دیکھتے ہیں کہ جس قوم نے اسلام قبول کیا اسکی قومیت اسلام میں مدغم ہوگئی . اس ملت کے افراد اپنے آپ کو دوسرے ممالک کے مسلمانوں کا بھائی سمجھتے تھے اور اپنے عام کاموں میں بھی انکا نصب العین عام مسلمانوں کی بہبودی ہوتا تھا۔

---

*اگرچه این موضوع نیم قرن قبل در تمام بلاد اسلام محل بحث بوده و جمعی از فیلسوفان اسلام مثل سید جمال‌الدین مشهور به افغانی و شیخ محمد عبده رئیس جامعه ازهر مصری و میرزا آقا خان کرمانی در آن در فشانیها بلکه جان فشانی کردند و پهلوان اتحاد اسلام هم عبدالحمید خان عثمانی بوده لیکن اقبال آن موضوع را تجدید نموده با فلسفه مخصوص خود اهمیت آن را مدلل ساخته است .

از ابتدای ظهور اسلام هر ملتی که مسلمان میگشت ملیتش در اسلام مستهلک میشد و تمام افراد آن ملت خود را با مسلمانان ممالک دیگر برادر دانسته در هر کار عمومی نصب‌العین خود را خیر عموم مسلمانان دنیا قرار میداند و مزاوجه بین‌المللی و مهاجرت به ممالک هم جریان یافت . اگرچه

امیہ خلفا نے البتہ کوشش کی کہ اپنی ملیت کو عرب تک محدود کر دیں اور مفتوحہ علاقوں کی حکومت معمولا وہ عربوں کے ہاتھ میں ہی دیتے تھے - لیکن عباسیوں کے زمانے میں دوبارہ ملیت کا مدار اسلام قرار پایا اور اسلامی برادری کی روح پھر زندہ ہوگئی - اس زمانے میں بعض علما نے جنکو شعو بی کہا جاتا ہے نسلی اور قومی فضیلت کا راگ چھیڑا اور یہ لوگ غیر عربوں خاص طور پر ایرانیوں کو دوسروں سے برتر خیال کرتے تھے اور قرآنی آیت وجعلنکم شعوبا و قبایل کہ یہ تاویل کرتے تھے کہ شعوب سے مراد عجمی قومیں ہیں اور چونکہ شعوب کالفظ عربی قبایل سے پہلے استعمال کیا گیا ہے اسلئے یہ عربوں پر فضیلت رکھتے ہیں - لیکن کوئی زیادہ وقت نہ گذرنے پایا تھا کہ سب نے پھر اسلام کی اصلی تعلیم کی طرف یعنی مساوات کی طرف رجوع کیا اور برتری کا معیار ,, ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم ،، قرار پایا -

---

در مدت قلیل خلافت امویه اعراب سعی نمودند که مناط ملیت خود را عربستان قرار دهند و اشغال دولتی را اغلب به اعراب میداند لیکن در خلافت عباسیه باز مدار ملیت اسلام گردید و اخوت اسلامیه تجدید گشت . هر چند جمعی از علمای آن عصر بنام شعوبی زمزمهٔ فضیلت نسلی و ملی را در کار آوردند و ملل غیر عرب خصوص ایرانی را افضل میدانستند و در آیه شریفه وجعلنکم شعوبا و قبایل این طور تاویل میکردند که مقصود از شعوب ملل اعجام است و از قبائل اعراب و چون شعوب مقدم آمده ایشان افضل از اعرابند . اما طولی نکشید که باز همه بتعلیم اصلیٔ اسلام بر گشتند که مساوات ملل است و مدار فضیلت تقوی (ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم) در

یورپ میں بھی ملیت کا مدار مذہب (کلیسا) تھا نہ کہ وطن اور زبان۔ یہ جنگ‌های ناپلیون کے بعد کی بات ہے کہ اسکے دشمنوں نے ناپلیون کی فتوحات کا اثر زائل کرنے کی غرض سے ملیت کا معیار وطن اور زبان مقرر کیا اور ہر وطن کے لئے جداگانہ آزاد حکومت کا حق تسلیم کر لیا۔ اس زمانے میں مسلمانوں پر جو (اغلب مشرق میں ہیں) کوئی اثر ظاہر نہ ہوا مسلمانوں کی سلطنت رو بزوال تھی۔ بعض مسلمان مفکرین نے مسلمانوں کی کمزوری اور سستی کا علاج یہ سوچا کہ ان کے اسلامی جذبات کو تحریک اور انکو باہم متحد کیا جائے۔ انھوں نے سلطان عبدالحمید عثمانی کو اس تحریک کا علمدار انتخاب کیا۔ ان دنوں ترکی میں استبدادی طرز کی حکومت تھی اور اپنے ضعف کی وجہ سے یورپین سیاست کے زیر اثر تھی۔ سلطان کا خیال تھا کہ اتحاد اسلامی کی تحریک کی کامیابی میں ترکی کی سلطنت کی نجات مضمر ہے۔ اس لئے وہ اسکی تبلیغ میں کوشش کرتا رہا۔

اروپا هم مدار ملیت کلیسا بوده نه حدود وطن و زبان تا بعد از جنگ ناپلیون که دشمنانش خواستند فتوحات او را خنثی گذارند مدار ملیت را وطن و زبان قرار داده و برای هر وطنی حق حکومت مستقله تصدیق نمودند لیکن در آن زمان در مسلمانان که اغلب در مشرق بودند اثری پیدا نشد و بر سلطنت اسلامیه رو بزوال میرفت جمعی از فیلسوفان اسلام علاج ضعف و تنبلی مسلمانان را در هیجان ایشان و اتحاد باهم تشخیص داده سلطان عبدالحمید خان عثمانی را علمدار نهضت انتخاب نمودند چون سلطنت استبدادیه، ترک ضعیف و در چنبر سیاست اروپا افتاده بوده سلطان نجات خود را در همراهی باآن نهضت دانسته در تبلیغ آن کوشید. آن وقت استبداد ناصرالدین شاه

اس زمانے میں ایران میں ناصر الدین شاہ کی مستبد حکومت ایرانیوں پر سخت دباؤ ڈال رہی تھی پس ایرانیوں نے اس تحریک پر لبیک کا نعرہ لگایا اور بعض ایرانیوں نے جنمیں سید جمال الدین افغانی اور میرزا آقا خان کرمانی نے اس مقصد کے حصول کے لئے نمایاں کوشش کی۔ اس تحریک کے آخری ایام میں میں نے ایران کے عام شہریوں کی زبان سے کئی مرتبہ سنا جو کہتے تھے کہ تمام مسلمانوں کا بادشاہ اور نگہبان سلطان عبدالحمید ھے۔ لیکن آخر کار سید جمال الدین کو نہایت ذلت سے ایران سے جلا وطن کر دیا گیا اور مرزا آقا خان نے اپنی جان اس راہ میں قربان کر دی۔ اسکے بعد ایرانی حکومت مشروطہ ہوگئی اور ۱۳۱۴ھ میں عبدالحمید خان بھی تخت سے علیحدہ کر دئے گئے اور ترکی کی سلطنت بھی مشرطہ ہوگئی۔ ایرانیوں اور ترکوں نے بتدریج یورپین طرز اور اصول سیاست کو قبول کر لیا۔ اور سب سے مہم یہ کہ انھوں نے بھی ملیت کا مدار وطن ھی کو بنا لیا اور ترکوں نے بھی وطن پرستی کو اسقدر اھمیت دی کہ انھوں نے

داشت قوای ایران را تحلیل می برد پس ایرانی ها هم آن ندا را لبیک گفته مخصوصاً چند نفر ایشان مثل سید جمال الدین و میرزا آقا خان کرمانی سعیهای بلیغ در آن مقصود نمودند من در او اخرآن نهضت در بازار های ایران می شنیدم بازاریها میگفتند شاه تمام مسلمانان و نگهبان ایشان سلطان عبدالحمید است . اما آخر سید جمال الدین با کمال ذلت از ایران تبعید شد و میرزا آقا خان هم جان خود را باخت . در آن بین سلطنت ایران مشرطه شده سنه ۱۳۱۴ و بعد هم عبدالحمید خان خلع و سلطنت ترکی هم مشروطه شد و ایرانیها و ترکها متدرجا اصول سیاست و تمدن اروپا را قبول نمودند از جمله آنکه مدار ملیت خود را وطن خود ساختند و ترکها هم بوطن پرستی بقدری

اپنی کئی سو سال کی خلافت کی عظمت کو اپنانے سے انکار کر دیا۔ اور آج ہر ایرانی بھی یہی کہتا ہے کہ میں پہلے ایرانی ہوں بعد میں مسلمان اور چند سال پہلے تک ہر ترک مجلس شورای میں یہی الفاظ دھراتا تھا۔

اور ایران میں مدرس نے جو مجلس شورای کے ممبر ہونے کے علاوہ ایک مذہبی مجتہد کا مرتبہ بھی رکھتے ہیں یوں کہا: ہم ایرانی ہیں اور جو کوئی بھی بغیر ہماری اجازت کے ہمارے مُلک میں داخل ہوگا ہم سب سے پہلے اسے قتل کریں گے اور قتل کرنے کے بعد دیکھینگے اگر وہ مختون ہے (یعنی اگر وہ مسلمان ہو) تو اسے دفن کر دینگے۔

ایرانی نسل اور وطن کو اتنی اهمیت دیتے ہیں کہ ایک ایرانی عالم آقای سید احمد کسروی نے مجلہ ,, آینده ،، میں جو تہران میں چھپتا ہے ایک تاریخی مقالہ لکھا ہے جسمیں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سلاطین صفویہ سید نہیں تھے بلکہ سیروس اور دارا کی نسل سے تھے اور انکی

اهمیت دادند که دست از عزت چند صد سالهٔ خود خلافت برداشتند . امروز هر ایرانی میگوید من اول ایرانیم و بعد مسلمان همین طور هر ترک . چند سال قبل در مجلس شورای ملی ایران مدرس که وکیل مجلس و یکی از مجتهدین است گفت ,, ما ایرانی هستیم و هر کس بی اجازهٔ ما وارد وطن ما شود او را میکشیم و بعد از کشتن می بینم اگر مختون است او را دفن میکنیم ،، ایرانیها به نسل و وطن بقدری اهمیت میدهند که یک فاضل ایرانی (آقای سید احمد کسروی) چند سال قبل در مجله ,, آینده،، تهران مقالهٔ تاریخی مفصلی نوشته سعی نمود ثابت کند سلاطین صفویه سید نبودند بلکه خون سیروس و داریوش در بدن شان بود و سلطنت شان را باید ایرانی خالص شمرد . تعجب این

سلطنت کو خالص ایرانی تصور کرنا چاہئے۔ تعجب کی یہ بات ہے کہ مقالہ نویس خود سید ہے۔

اسوقت اتحاد ملت کا احساس بالکل مٹ چکا ہے اور تمام مسلمان راھنما وطن پرستی کی آھنگ پر ھی عمل کر رہے ھیں ۔ صرف ھندوستان کے مسلمان لیڈروں کے ذھن میں اتحاد اسلام کا خیال موجود ہے۔

ھمارے ڈاکٹر اقبال کے دل میں اتحاداسلام کا خیال ایسے وقت پیدا ھوا ہے جبکہ ھر جگہ مسلمان اس خیال سے دست بردار ھو چکے ھیں اور وہ خود بھی اپنے انگلستان کے سفر سے پہلے وطن پرستی کا پیرو تھا اسکے اغلب اردو اشعار میں یہی خیال ہے ۔ اسوقت اقبال کہتا تھا ,, ھندی ھیں ھم وطن ہے ھندوستان ھمارا،، اور اب اسکا نعرہ یہ ہے ,, مسلم ھیں ھم وطن ہے سارا جہاں ھمارا،، لیکن افسوس کہ اسکی دونوں آرزوئیں پوری نہیں ھوئیں ۔ نہ ھندوستان ھمارے ھاتھ میں ہے اور نہ باقی دنیا۔

است کہ نویسندہ خود سید است. موضوع اتحاد اسلام بکلی مردہ است و تمام قائدان اسلام امروز در زمینہ وطن پرستی کار میکنند و فقط در ھندوستان خیال اتحاد اسلام۔در سرقائدان ملت است دکتر اقبال ما وقتی بخیال اتحاد اسلام افتاد کہ مسلمانان ھمہ جا از آن دست بر داشتند و خود او ھم قبل از سفر فرنگستان خود و بعد از ان ھم مدتی در وطن پرستی قدم میزد و اشعار اردویش اغلب در آن زمینہ است آن وقت میگفت ,, ھندی ھیں ھم وطن ہے ھندوستان ھمارا،، و حالا میگوید،، مسلم ھیں ھم وطن ہے سارا جہاں ھمارا،، اما متاسفانہ ھیچکدام از دو آرزویش بر آوردہ نیست نہ ھندوستان مال ما است و نہ تمام جہان چون در ایام توقف اقبال در فرنگستان (از سال ۱۹۰۵ تا

جن دنوں اقبال انگلستان میں موجود تھا (۱۹۰۵-۱۹۰۸ میلادی) اس زمانے میں لندن میں ایک انجمن تھی جسکا نام انجمن اتحاد اسلام (Pan-Islamic Society) اور عین ممکن ہے کہ اس انجمن کا وجود اور اسکی کوششوں نے اقبال کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی ہو اور اسکو اتحاد اسلام کا حامی بنا دیا ہو۔ اور اب اقبال خیال کرتا ہے کہ اپنے فکر اور زبان کی قوت سے مسلمان لیڈروں کو نسل اور وطن پرستی سے ہٹا کر اسلامی اتحاد کی طرف لے آئے۔

ایک اور وجہ یہ بھی ہے۔ اقبال ہندی مسلمان ہے اور ہندوستان کے مسلمانوں کی بقا انکے ہند سے باہر کے مسلمانوں کے سے ارتباط پر منحصر ہے۔ بد قسمتی کی بات ہے کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہ مآل اندیش نہ تھے اور خیال کرتے تھے کہ ہند میں انکی سلطنت ہمیشہ کے لئے رہے گی اسلئے انہوں نے تبلیغ اسلام اور مسلمانوں کی تعداد بڑھانے

۱۹۰۸م در لندن یک انجمن اتحاد اسلام (Pan-Islamic Society) بوده ممکن است اساس و اعمال آن انجمن ایشان را جذب کرده اتحاد پرست ساخته است و تصور میکند میتواند بقوهٔ فلسفه و زبان خودش باز قائدان اسلام را از نسل و وطن پرستی بیزار کرده بطرف اتحاد اسلام بر گرداند. سبب دیگر این است که اقبال مسلمان هندی است و بقای مسلمانان هند به تعلق و ربط ایشان با مسلمانان بیرون است. بد بختانه سلاطین اسلام هند مآل بین نبودند و خیال کردند سلطنت ایشان در هند دائمی است از این جهت بخیال زیاد کردن عدد اسلامیان هند بر نیامدند و نتیجه این شد که چون سلطنت اسلامیه در هند زوال یافت مسلمانان در اقلیت واقع شده این خوف در ایشان پیدا شد

کی طرف توجہ نہ دی اور اسکا نتیجہ یہ ہوا جب اسلامی سلطنت کو زوال آیا تو مسلمان ہندوستان میں اقلیت کی حالت میں رہ گئے اور انکے دل میں یہ درد پیدا ہوا کہ کہیں انکا بھی وہی حال نہ ہو جو اندلس میں مسلمانوں کا ہوا۔ جو بات ان کے اس خوف کو کسی حد تک دور کر سکتی ہے ان کا وہ ربط ہے جو انکو بیرون ہند کے آزاد مسلمانوں سے ہے۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ہند کے مسلمان تمام دنیا کے مسلمانوں کے غم خوار ہیں اور جب کبھی کسی اسلامی ملک پر کوئی مصیبت آئے تو فوراً ہندوستان میں ہمدردی کے اظہار کے لئے جلسے کئے جاتے ہیں اور چندہ وغیرہ جمع کر کے انکی مدد کے لئے بھیجا جاتا ہے پس یہ قدرتی امر ہے کہ اس قوم میں جو فلسفی پیدا ہوگا وہ اقبال کی طرح اپنے فلسفہ کے ذریعے تمام روی زمین کے مسلمانوں کو اتحاد کی دعوت دیگا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آیا اسکے اثر کا دائرہ صرف ہندوستان تک ہی محدود رہتا ہے یا دوسرے مسلمان ممالک کو بھی اپنے حلقۂ اثر میں کھینچ سکتا ہے۔

که مبادا ما هم مثل مسلمانان اندلس شویم و فقط چیزی که خوف ایشان را زایل میکند تعلق با مسلمانان مستقل بیرون است از این جهت ما می بینیم مسلمانان هند غمخوار تمام مسلمانان دنیا هستند هر وقت آفتی به هر ملت اسلامیه برسد فوراً در هند جلسات همدردی منعقد و اعانهٔ جمع و ارسال میشود پس اگر در این مسلمانان فیلسوفی پیدا بشود مثل اقبال البته با فلسفهٔ خودش. تمام مسلمانان دنیا را به اتحاد میخواند اما باید دید دائره اثرش محدود بهندوستان میشود یا ممالک دیگر اسلامیه را هم درمیان میگیرد اگرچه سیاست مغز مسلمانان را شکار کرده ایشان را در فتراک وطن پرستی بسته است لیکن اقبال تصور میکند با کمند فلسفه خودش دل مسلم را در بند

اگرچہ سیاسی تصورات مسلمانوں کے دماغ پر چھائے ہوئے ہیں اور وہ وطن پرستی کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں اقبال کا خیال ہے کہ اپنے تفکر سعی کمند سے مسلمانوں کے دل کو قابو کر لیگا۔ کیونکہ اس قسم کے معاملات میں دماغی رجحانات پر قلبی احساسات غالب آجاتے ہیں۔

یہ ضرور ہے کہ ہندی مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ کے لوگ اسکی کتاب سے متاثر ہوئے ہیں اور اسکے افکار کو غیبی فرشتہ کی آواز سمجھتے ہیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہمارا مستقبل کیا ہوگا۔ ممکن ہے کہ دیگر ممالک کے مسلمان قائدین کے خیالات میں تبدیلی پیدا ہو جائے اور دوبارہ اتحاد اسلامی بر سر کار آجائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو ہم اقبال کو ایک ولی یا سیاسی پیغمبر خیال کرنے میں حق بجانب ہونگے۔

اسلامی اتحاد کی امید ابھی باقی ہے کیونکہ ابھی تک تمام دنیا کے مسلمان اپنی دعا میں کہتے ہیں اللھم اغفر للمسلمین والمسلمات. ہندی نمیگوید اللھم اغفر المسلمی الھند و ایرانی نمی گوید اللھم اغفر لایرانین و

میاورد و در این گونہ موارد احساسات قلبیہ بر رجحانات دماغیہ غالب میشود این قدر ہست کہ طبقۂ تعلیم یافتہ مسلمانان اسلامی ہند از کتاب او متاثر شدند و افکار او را سروش غیبی میپندارند. کسی نمیداند مستقبل ما چیست شاید افکار قائدان اسلام ممالک دیگر ہم تغیر کند و اتحاد اسلامی درکار بیاید آنوقت ما اقبال را یک ولی ملہم یا پیغمبر سیاسی خواہیم دانست. امید اتحاد اسلام ہنوز باقی است چہ ہنوز تمام مسلمانان دنیا دردعای خود میگویند اللھم اغفر للمسلمین والمسلمات. ہندی نمی گوید اللھم اغفر لمسلمی الھند و ایرانی نمیگوید اللھم اغفرالایرانین و ترک ہم نمیگوید اللھم

ترک هم نمیگوید الهم اغفرلاتراک ۔ میرے خیال میں ترکوں اور ایرانیوں کی نسل پرستی پر همیشه عمل نہیں کیا جا سکتا ۔ کیونکه قبول اسلام کے بعد دوسری قوموں سے بیاہ شادی اور دوسرے ملکوں کے ساتھ آمد و رفت کے ذریعه روابط بڑھ چکے ھیں ۔ اسکے علاوہ کبھی فاتح ہوئے کبھی مفتوح اور ان باتوں کا نتیجه یه هوا که مختلف نسلین آپس میں پورے طور پر گھل مل گئیں آج کوئی ایرانی نہیں کہه سکتا که میں قدیم زردشتی نسل سے یا خالص عرب یا ترک نسل سے هوں اسی طرح کوئی ترک نہیں که سکتا که جو شخص ایران میں متولد هوا یقیناً ایرانی هے اور همیں معلوم نہیں که اسکے اجداد کہاں سے آئے هیں ۔ چند نسلیں گذر جانے کے بعد توکسی کی نژاد کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا ۔ سوائے خاندان سادات کے جنھوں نے اپنا شجره نسب محفوظ رکھا هو۔

آج ایک ایرانی اس بات پر فخر کرتا هے که میری رگوں میں ایرانی اجداد کا خون هے ترک اپنے ترک نسل هونے پر فخر کرتا هے ۔ اسلام سے

اغفر الاتراك بعقیدهٔ من نسل پرستی ترکها و ایرانیهای حال عملی نیست چه بعد از مسلمان شدن ایشان از مزاوجهٔ بین المللی و مهاجرت و غالب و مغلوب شدن نسلها بکلی مخلوط شده بطوری که هیچ ایرانی امروز نمیتواند بگوید نسل زر دشتی قدیم است یا عرب یا ترک یا قوم دیگر همین طور هیچ ترک نمیتواند بگوید هر کس در ایران متولد شد ایرانی است پدرش از کجا آمده باشد و بعد از چند پشت که بکلی نمی شود نسل کسی را فهمید مگر سادات که نسب نامه خود را نگاه میدارند . یک ایرانی امروز فخر میکند من خون اجداد ایرانی در بدن دارم و یک ترک امروز فخر میکند من خون نسل ترک باشد و آن ترک نسل ایرانی . قبل از اسلام تمام ملل

پہلے تمام قومیں نسلی تعصب میں گرفتار تھیں اور ہر ایک اپنے آپ کو دوسری قوموں سے بر تر سمجھتی تھیں ۔ اسلام نے تمام قوموں کو مساوی اور بنی آدم کو برابر کا بھائی بھائی قرار دیا ۔ افسوس کا مقام ہے کہ اسلام کے پیرو پھر زمانہ جاہلیت کے تعصب کیطرف لوٹ آئے ہیں ۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ ہر ملک کے افراد کا فرض ہے کہ اپنے ملک کی ترقی کیلئے اور اسکی حفاظت کے لئے کوشش کریں لیکن ایک قوم کا نسلی تعصب اور اپنے آپ کو دوسرے افراد بشر پر ترجیح دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

بنی آدم اعضای یک دیگرند

که در آفرینش ز یک گوهر اند

گرفتار تعصب نسلی بودند و هر یک خود را بر دیگران فضیلت میداد اسلام نسلها را مساوی و بنی آدم را در یک پله و باهم برادر قرار داد . جای تاسف است که امروز پیروان اسلام باز به حمیت جاهلیت خود بر گردند . البته فریضهٔ افراد هر ملک ترقی آن ملک و دفاع از آن است دیگر تعصبِ نسلی و ترجیح طبیعی یک دسته از افراد انسان بر دستهٔ دیگر چه معنی دارد .

بنی آدم اعضای یک دیگرند

که در آفرینش ز یک گوهرند

اقتباس از سخرانی علامہ علی اکبر دھخدا

علامہ دھخدا جنکو صحیح طور پر جدید ھلکی پھلکی پر مزاج اور پر طنز فارسی نثر کا موجد سمجھا جاتا ھے ایران کی علمی اور ادبی تاریخ میں بہت بلند مقام رکھتے ھیں - آج سے کوئی پچاس سال پہلے ایران کے مشہور آزادی خواہ اخبار صور اسرافیل میں ,, چرند پرند،، کے نام سے کالم لکھکر انھوں نے آجکل کی شگفتہ عامیانہ پر لطف اور لچکدار اور بے تکلف طرز بیان سے زبان فارسی کے لئے نئی فصل کا آغاز کیا - فارسی امثال حکم پر پانچ ضخیم جلدوں کے علاوہ ان کا زندہ جاوید کارنامہ ,, لغت نامہ،، (جو فارسی زبان میں دائرۃالمعارف کا حکم رکھتا ھے) ھے جسکی ابتک اٹھارہ جلدیں شائع ھو چکی ھیں اور بہت سی جلدوں کا مواد تیار ھو چکا ھے - علامہ دھخدا اقبال سے دیر میں آشنا ھوئے وہ سالہا سال سے اپنے لغت نامے میں مستغرق ھیں اور مدت سے گھر سے نکلنا اور جلسوں وغیرہ میں شرکت کرنا ترک کر چکے ھیں - مگر ان کو بھی بہار کی طرح اقبال سے دیر سے آشنا ھونے پر افسوس ھے - مگر اقبال نے آشنائی کے بعد نہایت ھی تھوڑے وقت میں اقبال کی روح آزادی خواھی اور مبارزہ ان کے دل میں گھر کر گئی اور نہ صرف انکو اقبال سے عقیدت پیدا ھوگئی بلکہ انھوں نے اسبات پر بھی فخر کیا ھے کہ اقبال جیسے عظیم‌الشان شاعر اور مجاھد نے اپنے خیالات اور تاثرات کے اظہار کے لئے فارسی زبان اختیار کی ھے - کہتے ھیں:—

از بعد وطن تاشان کس را بجز ایرانی \
شائستہ نہ بیند تا باوی سخن آغازد

در های ثمین خود در درج دری ریزد

از پنبه این میدان جولانگهه خود سازد

علامہ دھخدا نے ۱۹۵۱ میں یوم اقبال کے جلسہ کی صدارت کرتے" ہوئے فرمایا

پاکستان آزاد کے قائم ہونے کے بعد ایرانیوں نے اس مشرق کے مرحوم شاعر کو پہچاننا شروع کیا لیکن ابھی تک اسکی عظیم شخصیت اور اسکی خدمات کو جو اس نے پاکستان کی آزادی اور فارسی زبان کے حق میں کی ھیں پورے طور پر نہیں پہچانا گیا۔

ہمیں نہیں بھولنا چاھئے کہ ھندوستان غیر ملکیوں کے سیاسی تمدنی اور اقتصادی اثر کے نیچے تھا اور ھندوستان کے لوگوں کی طروف سے اس زمانے میں فارسی زبان سے دلچسپی کا اظہار کہنہ پرستی اور تنگ نظری کی دلیل خیال کیا جاتا تھا۔ اقبال نے اس موقع پر اپنا سر اٹھایا اور چالیس کروڑ اھالی ھندوستان کی توجہ فارسی زبان اور فارسی کے شعرا

پس از استقلال پاکستان ایرانیان این داعی شرق یعنی مرحوم اقبال را تا حدی شناختند ولی هنوز چناکه شاید بشخصیت بزرگ او خدماتیکه برای استقلال پاکستان و نیز زبان فارسی انجام داده است پی نبرده اند.

باید درنظر داشت که هندوستان تخت نفروز فرنگی و سیاسی و اقتصادی بیگانگان بود و اظهار علاقه مردم هندوستان درآن بزبان فارسی ,,کهنه پرستی و محافظه کاری شمرده میشد.

اقبال قد برافراشت و توجه چهارصد ملیون جمعیت هندوستان را بزبان

مولوی و فردوسی ، حافظ و سعدی سے لیکر بابا فغانی تک کی طرف مبذول کرائی اور سب سے بڑھکر یہ بات ہے کہ اقبال نے سب سے پہلے اس حقیقت کو سمجھ کہ ذہنی غلامی سیاسی اور اقتصادی غلامی سے کہیں زیادہ خطرناک تر ہے : اور فرمایا :—

چون شود اندیشۂ قومی خراب
ناسرہ گردد بدستش سیم ناب

جب کسی قوم کے خیالات خراب و فاسد ہو جائیں تو
اسکے ساتھ میں کھری چاندی بھی کھوٹی ہو جاتی ہے

میرد اندرسینہ‌اش قلب سلیم
درنگاہ او کج آید مستقیم

قلب سلیم اسکے سینے کے نیچے مرجاتا ہے
اور سیدھی چیز بھی اسکی نگاہ میں ٹیڑھی دکھائی دینے لگتی ہے

پس نخستین بایدش تطهیر فکر
بعد از آن آسان شود تعمیر فکر

پس سب سے پہلے خیالات کو پاک کرنا ضروری ہے
اسکے بعد ذہنی تعمیر آسان ہو جائیگی

فارسی و گویندگان بزرگ آن از مولوی و فردوسی و حافظ و سعدی تا بابا فغانی جلب کرد و نشان داد کہ رابطہ مردم ہندوستان بہ اصفہان و شیراز و تبریز بیش از رابطہ آفان بہ پاریس و برلین و لندن است.

و از ہمہ بالاتر اقبال پیش از ہرکس درک کرد کہ رقیت و بردگی فکری بمراتب خطرناکتر از بردگی اقتصادی و سیاسی است وگفت :-

اقبال مغربی تمدن کو مشرق کے لوگوں کے لئے تقلید کے قابل نہیں سمجھتا اور اسکو ایک ناکمل اور فرسودہ تمدن تصور کرتا ہے۔ کہتا ہے:—

بیا کہ ساز فرنگ از نوا بر افتاد است
درون پردہ او نغمہ نیست فریاد است

آئیے۔ دیکھئے۔ فرنگ کے ساز کی صدا خراب ہو گئی ہے
اسکے پردوں میں نغمہ نہیں نالہ و فریاد ہے

زمانہ کہنہ بتاں را ہزار بار آراست
من از حرم نگذشتم کہ پختہ بنیاد است

زمانے نے اپنے پرانے بتوں کو ہزار بار آراستہ کیا
لیکن میں نے حرم کعبہ کو نہ چھوڑا کیونکہ اسکی بنیاد مضبوط ہے

اقبال نے فرمایا ہے کہ فرنگی تمدن فرنگ کے درد کا درماں بھی نہیں کر سکتا تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ شرقی لوگوں کو انکی شاہراہ مقصود پر رہنمائی کرے:—

این خودی را جستن از ترک بدن
آن خودی را بر فسان حق زدن

ھندو بدن کو ترک کر کے اپنی خودی کو تلاش کرتا ہے
مسلمان اپنی خودی کو حق کی فسان پر چڑھاتا ہے

تمدن مادی اروپا در نظر او برای شرقیان سزا وار و درخور تقلید نیست و آنرا تمدنی نارسا و بعلاوہ فرسودہ میبیند.

تمدن مادی فرنگ از مداوای فرنگیان عاجز است چگونہ تواند شرقیان را بشاہراہ مقصود ہدایت کند:

از من ای بادصبا گوئی بدانای فرنگ
عقل تا بال کشود است گرفتار تراست

اے باد صبا میری طرف سے فرنگستان کے داناؤں کو کہہ دو کہ
کہ جب سے عقل نے اپنے پر کھولے ہیں پہلے سے بھی زیادہ گرفتار ہوگئی ہے

عجب آن نیست که اعجاز مسیحا داری
عجب اینست که بیمار تو بیمار تراست

اگر تمھارے پاس مسیح کا سا معجزہ ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں
تعجب کی بات تو یہ ہے کہ تمھارا بیمار پہلے سے بھی زیادہ بیمار ہو گیا ہے

اقبال نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف کی حقیقت کو جان لیا اسکو معلوم ہوگیا کہ ان دونوں قوموں کا ارتباط بالکل سطحی ہے مگر انکا ذہنی اختلاف گہرا ہے اور بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ ہندو فلسفہ زندگی سے فرار پر مبنی ہے لیکن حکمت اسلامی کی اساس کوشش اور مقابلہ کرنا ہے:—

زندگی آنرا سکون غار و کوہ
زندگی این راز مرگ با شکوہ

اسکے لئے (یعنی ہندو کے لئے) زندگی غار و کوہ کا سکون ہے
اور اس کے لئے (یعنی مسلمان کیلئے) ایک با شکوہ موت زندگی ہے

اقبال باختلاف بین ہندو و مسلمان پی بردہ و دانست کہ علاقہ و ارتباط این دو قوم سطحی است ولی اختلاف فکری آنان اساسی و عمیق است فلسفہ ہندو مبتنی برفرار از زندگی است ولی حکمت اسلامی مبتنی بر مبارزہ است:-

*اقبال نے دیکھا کہ یہ سطحی اتفاق غیر ملکی حکمرانوں کے ہاتھ میں ایک بہانا ہے کہ جب چاہیں ایک کو دوسری قوم کے خلاف تحریک کر کے قتل و غارت شروع کرا دیں۔ اقبال چونکہ ہر دو قوموں کی آزادی چاہتا تھا اس نے سمجھ لیا کہ اس مسئلہ کا حل سوائے اس کے کوئی نہیں کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں اسلامی مملکت قائم کی جائے اور ہندو اکثریت کے علاقوں میں ہندو کی:۔

اقبال کی نظر میں وہ لوگ جو محض ایک خاص جغرافیائی واحد میں رہتے ہیں ایک قوم نہیں کہلا سکتے کیونکہ بقول اقبال:۔

ملت از یکرنگی دلہا ستی
روشن از یک جلوہ این سینا ستی

ملت دلوں کی یک رنگی سے پیدا ہوتی ہے
یہ کوہ سینا ایک ہی جلوہ سے روشن ہوتا ہے

قوم را اندیشہ ھا باید یکی
در ضمیرش مدعا باید یکی

---

*اقبال میدید کہ این یگانگی سطحی دستاویزی برای بیگانگان است کہ ہر زمان بخواہند یکی از این دو قوم را بردیگری تحریک و قتل و غارت ایجاد کنند و چون باستقلال ہر دو قوم علاقمند بود درک کرد کہ راہ حلی جز این وجود ندارد کہ درنواحی کہ اکثریت با مسلمان است ملت و مملکتی اسلامی تشکیل شود و در نواحیکہ اکثریت با ہندو است ملتی و مملکتی ہندو. ملت درنظر او قومی نیست کہ از لحاظ جغرافیائی در جائی گرد آمدہ باشد بلکہ:۔

قوم کے خیالات ایک ہونے چاہئیں
اور اس کے دل میں ایک ہی مقصود ہونا چاہئے

اهل حق را حجت و دعوی یکی است
خیمه های ما جدا دلها یکی است

اہل حق کا حجت اور دعوی ایک ہی ہوتا ہے
اگرچہ ہمارے خیمے جدا جدا ہیں ، ہمارے دل ایک ہیں

علامہ دھخدا نے ایک اور موقع پر اقبال کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار ان اشعار میں کیا ہے —

زانگونه که پاکستان با نابغه دوران
اقبال شهیر خویش بر شرق همی نازد
زیبد وطن ما نیز بر خویش همی بالد
وا ندر چمن معنی چون سرو سر افرازد
ز آن که روی که چون اقبال خواهد که سخن گوید
گنجینه قلب خود با گفته بپردازد
از بعد وطن تاشان کس را بجز ایرانی
شایسته نه بیند تا باوی سخن آغازد
در های ثمن خود در درج دری ریزد
از پهنهٔ این میدان جولانگه خود سازد

—:o:—

انتخاب از خطابہ دانشمند شہیر جناب سید حسن تقی زادہ

۱۹۵۱ میں یوم اقبال کا جلسہ ایران کے مایہ ناز فرزند سید حسن تقی زادہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ آقای تقی زادہ بعض سیاسی وجوہات کی بنا پر کئی سال ایران سے باہر رہے اور کئی برس انہوں نے جرمنی میں گذارے اور وہیں سے فارسی زبان کا متین اور علمی مجلہ ,,کاوہ،، شائع کرتے رہے۔ اسطرح صاحب موصوف کو عصر حاضر کی سیاسی اور فلسفیانہ تحریکوں اور نظریات کو نزدیک سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ آقای تقی زادہ ایران کی تمام علمی ادبی اور سیاسی محافل میں بڑے احترام اور عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں اور ۱۹۵۱ میں متفقہ طور پر مجلس سنا (Senate) کے صدر منتخب ہو گئے. تقی زادہ اقبال کی وسعت فکر و مطالعہ سے بہت متاثر ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اقبال نے بنیادی اخلاقی اور معنوی قدروں کو زندہ کر کے عالم انسانی کی خصوصاً دنیائے اسلام کی بہت خدمت کی ہے۔

آقائی تقی زادہ نے یوم اقبال کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

,,میں اپنی زندگی کے شروع ہی سے اسی مفکر کے اس خیال سے کہ :

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

من نیز از ابتدای زندگی بہرہ ای از عقیدہ اصلی آن مرد متفکر یعنی :—

,,چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا،،

اور اتحاد ملی اسلامی کا آرزو مند رہا ہوں۔

اقبال کے خیالات و نظریات کے تین پہلو ہیں - پہلی بات اسکا فلسفہ ہے جسکی بنیاد روحانی کمال پر ہے - دوسری بات اسکا عقیدہ ہے اتحاد اسلامی کے متعلق مسلمانوں میں تبلیغ کے لئے اور تیسری بات ہے اسکا سیاسی عقیدہ اپنے ملک کے لئے اور یہ تقریباً سب پر روشن ہے کہ اس نے ہندی مسلمانوں کی سیاسی آزادی اور پاکستان آزاد کی بنیاد رکھی اور غالباً اپنے عام ہموطنوں کے درمیان اسکی شہرت اور عظمت کا بڑا سبب یہی آخری بات ہے۔

مسلمانوں کے درمیان سیاسی اتحاد کا عقیدہ اقبال سے پہلے پیدا ہو چکا تھا اور باقی تمام ملکوں کی نسبت اسکا ہندوستانی مسلمانوں میں

داشته ام و تقارب ملل اسلامی را خواهان بوده ام البته انتظار بیان کاملی در این باب که چیزی بر معلومات حضار بیفزاید نباید از من برود.

معذالک چند کلمه از آنچه از مرور ببعضی آثار اقبال درک کرده ام بیان میکنم. عقائد وفعالیت اقبال ظاهرا دارای سه جنبه بوده است. یکی فلسفه ای مبنی بر کمال روحانی و دیگری نوعی از عقیده اتحاد اسلامی برای تبلیغ درمیان مسلمین و سومی عقیده سیاسی نسبت بمملکت خود. این آخری برهمه معلوم است که در واقع وی موسس اصلی یا مبلغ با شوق و همت آزادی سیاسی مسلمین هند و ایجاد پاکستان مستقل بود و شاید بیشتر شهرت و عظمت او درمیان طبقه عامه از هموطنان خودش اهم جنبه بوده و هست.

عقیده سیاسی اتحاد مسلمین دنیا بطور کلی پیش از اقبال زائیده شده است و این عقیده هم از همه جا بیشتر در هندوستان و بین مسلمین

زیادہ چرچا ھوا اور اسکا اثر اور رسوخ بڑھتا رہا اور وھیں سے اس عقیدہ کے جوشیلے طرفدار بھی پیدا ھوئے۔

اس تحریک کا بانی غالباً سید جمال الدین افغانی تھا اور اسکو عام طور پر رواج دینے میں سلطان عبدالحمید ثانی کے دورہ کے جوان اور آزادی خواہ ترکوں کے علاوہ بعض عرب فضلا مثلاً سید عبدالرحمان کواکبی حلبی وغیرہ بھی تھے۔

اقبال کی آواز نے نہ صرف اس جنبش کو قوت اور رونق بخشی بلکہ اسکو نئے قالب میں ڈھالا اور اسکو نئی اور صحیح شکل و صورت دی اور ابھی یہ تحریک آزاد پاکستان میں ترقی کر رہی ھے اور اسکا دائرہ وسیع ہو رہا ھے۔

باوجود اسکے کہ روحانی فلسفہ کا سر چشمہ اسلام ھے۔ اقبال نے ایک نئے فلسفہ کی بنیاد رکھی جسمیں مغربی علم و حکمت اور جدید

آن خطہ تکامل و انتشار و رسوخ یافتہ و طرفداران پر شوری پیدا کردہ بود و اگرچہ شاید بانی اصلی آن نہضت سید جمال الدین افغانی و مروج گذشتہ از سیاسیوں آزادیخواہ ترک قبل از دورہ ترکان جوان سلطان عبدالحمید ثانی از سلاطین عثمانی و بعضی فضلای عرب مانند سید عبدالرحمن کواکبی حلبی وغیرہ بودند شور و تاثیر نفس اقبال نہ تنہا این عقیدہ را ریشہ و رونقی بسیار قوی بخشید بلکہ آنرا درقالبی تازہ ریخت وصورتی مرتب داد و ھنوز این نہضت در پاکستان مستقل پیش میرود وبسط می یابد.

فلسفہ روحانی اقبال اگرچہ مبنی برشالودہ اسلامی است خود اساس جدیدی است کہ در آن با اطلاع از علم و حکمت مغربی و قبول فواید

فنون کے فوائد کو قبول کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے مشرق کے روحانی فلسفہ خصوصاً روح تصوف کو اصلی علم کے سر چشمہ کے طور پر پیش کیا ہے اور جلال الدین رومی کے بلند افکار کی پیروی کی ہے۔

اقبال کے عقاید و نظریات کو بہت سے دوسرے اسلامی متصوفین کے نظریات پر یہ برتری حاصل ہے کہ اقبال عصر حاضر میں دنیاوی اور مادی ترقی کے لئے سعی و کوشش سے پہلو تہی نہیں کرتا اور علوم جدید سے بہرہ مند ہونے کی تلقین کرتا ہے اگرچہ اسکا خیال یہ ہے کہ فرنگی تمدن ہمارے لئے مفید نہیں وہ مغرب کے علمی فنون کا منکر نہیں بلکہ ان کے اخذ اور اکتساب کو ضروری سمجھتا ہے لیکن اسکے نزدیک حقیقی علم معرفت اور فلسفہ

فنون جدیده فلسفه روحانی مشرق و مخصوصاً روح تصوف مایه معرفت حقیقی شمرده شده و از افکاری مانند افکار عالیه حکیمانه جلال الدین رومی پیروی شده است. فقط مزیتی که عقاید اقبال برعقاید بسیاری از حکمای بزرگ متصوف اسلامی دارد عدم اهمال جانب سعی دنیوی و لزوم کوشش در بهره مندی از ترقیات مادی و تمدن عصری است که اقبال تبلیغ میکند و یا آنکه عقیده دارد که ظواهر تمدن مغرب زمین بکار نمیخورد.

"قوت مغرب نه از چنگ و رباب
نی ز رقص دختران بی حجاب
محکمی او را نه از لادینی است
نی فروغش از خط لاطینی است"

معذالک منکرفنون علمی مغرب نیست و اخذ و اقتباس آنرا لازم میداند ولی اصل معرفت و حکمت و علم حقیقی و فلسفه را در دانش روحانی و

کی اصلی بنیاد روحانی دانش اور روحانی (معنوی) احساسات (جنکو وہ عشق کہتا ہے) ہیں وہ یورپ کے مادیات میں محصور فلاسفہ کو خطاب کرکے کہتا ہے —

دانش اندوختہ ای، دل زکف انداختہ ای

آہ زان نقد گران مایہ کہ در باختہ ای

(تونے علم تو حاصل کر لیا لیکن دل کو ہاتھ سے کھو دیا

افسوس کہ وہ بیش بہا دولت تونے ضائع کر دی)

اقبال کے عقاید اور تعلیم کا یہ حصہ تحقیق اور توجہ کے لائق ہے اور ضرورت ہے اس امر کی کہ جن لوگوں کو مغربی فلسفہ کے متعلق گہری اور کافی اطلاع ہو وہ اقبال کے روحانی فلسفہ کا بھی غور سے اور بغیر تعصب کے مطالعہ کریں —

اقبال کا عقیدہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد پیدا کیا جائے اور جاہلانہ تعصبات اور کوتاہ نظری کو رفع اور ملل اسلامی کو روز بروز نزدیک تر کرنیکی کوشش کی جائے، بہت پسندیدہ اور ضروری ہے —

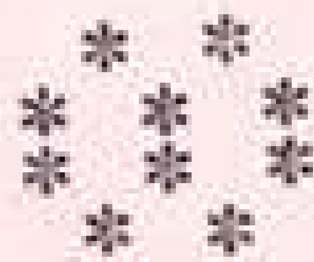
احساسات معنوی و بقول خودش عشق میشمرد و خطاب بفلاسفہ مادی فرنگ گوید:

„دانش اندوختۂ دل زکف انداختۂ

آہ زان نقد گرانمایہ کہ در باختۂ،،

اینقست از عقاید و تعلیمات اقبال شایستہ توجہ و تحقیق است و جا دارد کہ اشخاصیکہ دارای اطلاع عمیق و احاطہ کافی برفلسفہ مغرب باشند عقاید فلسفی روحانی اقبال را نیز مورد مطالعہ کامل وبی طرفانہ قرار بدھند.

بہر حال اس سے پہلے کہ اقبال کی بجائے جنیوا کے تہران کو مرکز جامعہ اسلامی بنانے کی آرزو پوری ہو اتحاد اسلامی کے متعلق ابتدائی مراحل کو طے کرنیکی کوشش مفید ثابت ہو گی۔ مجھے امید ہے کہ یہ تحریک طاقت پکڑے گی اور اقبال کی روح اس سے شاد ہو گی۔،،



عقاید اتحاد اسلامی اقبال و رفع هرگونه تعصبات جاهلانه و کوته نظرانه دربین اقوام مسلم و سعی درنزدیکی دائم التزاید ملل اسلامی بسیار پسندیده و لازم است و بهر حال سعی درمقدمات آن قبل از رسیدن بارزوی اقبال که تهران بجای ژنو مرکز جامعه ملل اسلامی شود، مفید است.
امید وارم این نهضت همواره قوت گیرد و روح اقبال شادتر گردد



ڈاکٹر منوچہر اقبال چانسلر تہران یونیورسٹی یوم اقبال کے جلسہ میں تقریر کر رہے ہیں۔

خطابہ ڈاکٹر منوچہر اقبال

جناب ڈاکٹر منوچہر اقبال چانسلر تہران یونیورسٹی کی تقریر سے اقتباس

ڈاکٹر منوچہر اقبال چانسلر تہران یونیورسٹی اور میڈیکل کالج کے پرنسپل ہونیکے علاوہ ایران کی سیاسی اور اجتماعی زندگی میں بھی ایک سربرآوردہ شخصیت کے مالک ہیں۔ کئی مرتبہ حکومت ایران کے وزیر رہے اور اپنی نیک نیتی، بے لوث خدمت اور خدا داد قابلیت کی بدولت عام لوگوں میں بھی ان کو غیر معمولی ہر دل عزیزی حاصل ہے —

ڈاکٹر اقبال ایک بلند مرتبہ طبیب بھی ہیں اور ادیب بھی شاعر تو نہیں ہیں مگر شعر و شاعری سے لگاؤ ہے۔ اپریل سنہ ۱۹۵۰ع میں پہلی مرتبہ یوم اقبال تہران یونیورسٹی کے ہال میں منایا گیا۔ ڈاکٹر اقبال نے نہ صرف یونیورسٹی کا ہال یوم اقبال کے جلسے کے لئے پیش کیا بلکہ مہمانوں کا جنکی تعداد ہزار کے لگ بھگ تھی خود استقبال کیا اور افتتاحی تقریر بھی اپنے ذمہ لی۔

یوم اقبال کے جلسے کا تہران یونیورسٹی میں منعقد ہونا اور چانسلر یونیورسٹی کی انتظامات جلسہ اور پروگرام میں شرکت ایک مہم واقعہ ہے۔ ذیل میں فاضل چانسلر کی تقریر کا اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔

,, میں علم اور تعلیم کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔ میرے لئے یہ بڑی خوشی کا مقام ہے کہ میرے عالی مرتبہ ہمنام علامہ اقبال مرحوم کی یاد

برای من که خدمتگذار کوچک دانش و فرهنگم جای بسی خوشوقتی است که مجلس یادبود علامه محمد اقبال همنام بزرگ من در محل

میں یہ جلسہ یونیورسٹی میں منایا جارہا ہے۔ اس حسن اتفاق کے متعلق عرض کرونگا کہ یہ ,,اقبال،، نہیں جو آپ سے مخاطب ہے بلکہ میرے اقبال نے میری طرف توجہ کی ہے تاکہ میں پاکستان کے قومی شاعر اقبال ایسی عظیم شخصیت کے متعلق چند کلمے آپ کی خدمت میں عرض کروں ۔

ظاہری طور پر علامہ اقبال کو پاکستان کے ایک فلسفی شاعر اور ہنرمند سخن سرا کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے ۔ لیکن اگر اسکے حالات اور اسکے کلام کی طرف صحیح طور پر توجہ دی جائے تو معلوم ہوگا کہ اقبال محض ایک مخصوص قوم یا ملک کا شاعر نہیں بلکہ ایک عالمی شخصیت کا مالک اور عالم انسانی کا راهنما ہے ۔ اور اس کو یہ عظیم شہرت اور غیر معمولی کامیابی بلا وجہ نصیب نہیں ہوئی ۔ جو لوگ زمانے کے انقلاب کے اسباب و ذرائع سے واقف ہیں خوب جانتے ہیں کہ اگرچہ اوضاع میں تغیر اور تبدیلی قوموں کے

دانشگاه برگذار میشود باین حسن تصادف میتوانم بگویم که این اقبال نیست که روی سخن باحضار محترم میدارد بلکه این اقبال است که روی بمن آورده تا چند کلمه دربارهٔ شخصیت بزرگی مانند علامه محمد اقبال شاعر ملی پاکستان ایراد نمایم.

علامه دکتر محمد اقبال بصورت ظاهر یک شاعر دانشمند و گوینده هنرمند پاکستانی معرفی شده است، لکن اگر باحوال و آثار او درست توجه شود ظاهر میگردد که او تنها یک شاعر متعلق بیک ملت و یک مملکت نیست، بلکه اقبال یک شخصیت جهانی و یک رهبر عالم انسانی است و این شهرت عظیم و موفقیت بزرگ برگزاف نصیب او نشده است.

اشخاصیکه بعلل و عوامل تحولات جهانی آشنائی دارند خوب میدانند در

ارادہ کے تابع ہوتی ہے لیکن ان بڑے بڑے اشخاص کی راہنمائی اور راہبری (جو انہی اوضاع اور زمان و مکان سے وجود میں آتے ہیں اور عام لوگوں کے افکار اور خواہشات کا مظہر ہوتے ہیں) کا مقاصد کے جلد حاصل کرنے اور قوموں کی سریع کامیابی پر گہرا اثر پڑتا ہے ۔

اسلامی اور ایرانی ہزار سالہ تمدن کے زیر اثر ہندوستان میں کئی تحریکیں وجود میں آئیں جن کے نتیجہ کے طور پر بڑے بڑے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے بنی نوع انسان کی آزادی اور حریت کے لئے کوشش کی اقبال پاکستانی آزادی پسند اشخاص میں سے تھا اور علمی اور اخلاقی صفات کا حامل اور آسمانی الہام کا ملہم ہوتے ہوئے انسان کے اس عالی مقصد کے حصول کے لئے کوشاں رہا ۔

عین حال که تحول ملل تابع اراده ملتهاست لکن رهبری و راهنمائی رجال بزرگ که خود مولود مناسبات زمان و مکان و مظهر تمایلات و رشد اجتماعند در تسریع مقاصد و موفقیت اقوام تاثیری انکار نا پذیر دارد .

نفوذ تمدن اسلام و فرهنگ ایرانی از هزار سال قبل در شبه قاره و تبدلات تاریخ دو قرن اخیر در آن سر زمین همه موجب پیدایش نهضت ها و سبب ظهور رجال و نوابغی شد که پرچمداری حریت و استخلاص ابناء نوع خود را بعهده گرفتند .

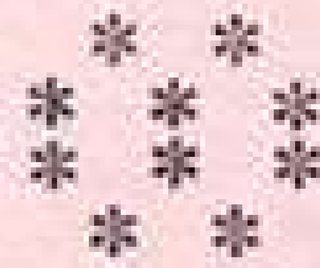
اقبال پاکستانی از زمرهٔ احراری بود که علاوه از سیر مدارج علمی از ملکات اخلاقی خود و بالهامات آسمانی ملهم بود و برای وصول بهدف عالی انسانی خود میکوشید .

اقبال نے اپنے آسمانی اشعار کی زبان سے جو موثر ترین تبلیغ کی زبان ہے۔ اپنے پیغمبرانہ کام کو انجام دیا اور اپنے محرک اور مہیج اشعار کے ذریعے اس نے اپنے ہم وطنوں کو "اسرار خودی،، بتائے اور ہندوستانیوں کے خیالات کو غلامی اور اسیری کے خلاف جنگ کرنیکے لئے تیار کیا۔ خوش قسمتی سے بیج جو اقبال نے خاک ہندوستان میں بویا بارآور ہوا۔ اور دونوں قوموں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کو اپنی حکومت، قومی افتخار اور سیاسی آزادی نصیب ہوئی۔ اگر چہ پاکستان کی آزادی اقبال کی وفات کے بعد عصر جدید کے عظیم الشان راھنما قائد اعظم محمد علی جناح کی کوشش کا نتیجہ ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کچھ قائد اعظم نے حاصل کیا اس بیج کا ثمر ہے جو اقبال نے قوم کے دلوں میں بویا تھا۔ اقبال نے ہندوستان کی اسلامی ملت کی روح کو نئی قوت بخشی اور اپنے

اقبال با زبان آسمانی شعر که نافذ ترین زبان تبلیغ است رسالتی را که بعهده داشت بمرحلهٔ اجرا گذاشت و با سخنان پر شور و هیجان خود ، اسرار خودی را بهموطنان خود آموخت و افکار اهالی هندوستان را برای مبارزه بر علیه بردگی و اسارت مهیا ساخت. خوشبختنانه بذریکه اقبال در مزرع شبه قاره هندوستان پاشید ثمر داد و هر یک از دو ملت برادر هندوستانی ما اعم از مسلمان و هندو را بحق حاکمیت و غرور ملی و استقلال سیاسی رساند . اگرچه استقلال پاکستان بعد از در گذشت علامه اقبال بدست رهبر بزرگ عصر جدید یعنی قائد اعظم محمد علی جناح انجام پذیرفت لکن بدون تردید آنچه قائد اعظم درويد محصول تخمی بود که اقبال در مبذز دلها افشانده بود. اقبال بود که نیروی ملت مسلمان هند را جوان ساخت و با نغمات شیرین خود کاروان راه

شیریں نغمے کی بدولت بھٹکے ہوئے کاروان کو عزت اور سعادت کی منزل پر پہنچایا ۔ اقبال کا کلام اس حقیقت کا شاهد هے میں اپنی تقریر کو اقبال کی ایک دوبیتی پر ختم کرتا ہوں ۔ فرمایا هے :

عجم از نغمه های من جوان شد
ز سودایم متاع او گران شد
هجومی بوده ره گم کرده در دشت
ز آواز درایم کاروان شد



گم کرده ای راه بسر منزل عزت و سعادت رسانند. سخنان اقبال همه شاهد این احوال است من سخن خود را بیک دو بیتی شیوای آن استاد روانشاد پایان میدهم که میفرماید :

عجم از نغمه های من جوان شد

اقتباس از سخنرانی ڈاکٹر لطف علی صورت گر

ڈاکٹر صورت گر پروفیسر تہران یونیورسٹی (جو آج کل شیراز یونیورسٹی کے وائس چانسلر منتخب ہوئے ہیں) ایک خوش قریحہ شاعر، ادیب، انشا پرداز اور تنقید نگار کی حیثیت سے ایران میں غیر معمولی شہرت کے مالک ہیں۔ ڈاکٹر صورت گر علاوہ فارسی کے، ادبیات انگریزی پر پورا تسلط رکھتے ہیں اور آج سے کوئی بیس سال پہلے انہوں نے لندن یونیورسٹی سے ڈاکٹر آف لٹریچر کی ڈگری حاصل کی۔ ڈاکٹر صورتگر آزاد منش اور درویش طبع واقع ہوئے ہیں اور علمی اور ادبی محافل میں نہایت احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ فارسی نثر میں مختلف مضامین پر ڈاکٹر صورت گر کی کتابیں چھپ چکی ہیں اور شعرا معاصر میں ان کا پایہ بہت بلند ہے اور وہ جدید اور کلاسیک قسم کی شاعری میں پوری دسترس رکھتے ہیں۔ ان کی شائع شدہ کتابوں میں تاریخ ادبیات انگلیسی سخن سنجی اور اصول علم اقتصاد مشہور ہیں۔ ذیل میں ڈاکٹر صورتگر کی تقریر سے جو انہوں نے یوم اقبال ۱۹۵۱ع کے موقع پر کی اقتباس درج کیا جاتا ہے۔

اقبال ان روشن ستاروں میں سے ہے جن کی روح درخشاں اور آتشیں ہے۔ جن کا ذوق لطیف اور جمال پرست اور جن کا دل اثر پذیر ہے۔ اقبال نے بابا طاہر کی پیروی کرتے ہوئے کہا ہے :—

اقبال یکی از آن ستارگان فروزان است که روحی افروختہ و ملتہب و ذوقی لطیف و جمال پرست و دلی تاثر پذیر دارد و این اوست کہ باقتفای از بابا طاہر میفرماید :

,, ہمارے سینے میں ایک دنیا نہاں ہے
ہماری خاک میں دل اور دل میں غم ہے
وہ شراب جس سے ہماری روح روشن ہوئی
ابھی تک ہمارے سبو میں باقی ہے ،،

آج کی مبارک رات جب کہ دنیا بہار کا لباس پہنے ہوئے ہے ہندوستان کی نواگر بلبل کی آواز جو سرو پر بیٹھکر فارسی طرز موسیقی میں معنوی مقامات کا سبق دوہرا رہی ہے اس نغمے کی مانند ہے جو محبت کے ساز سے بلند ہورہا ہو۔ اور اس ایک مشترک نغمہ سے دو ہمسایہ ملتیں لطف اندوز ہورہی ہوں۔ یہ وہ نغمہ ہے جو ان دو ملتوں کو ایک دوسرے کا ہمرنگ اور ایک دوسرے سے آشنا اور مانوس کرتا ہے اور ہندوستان کا شکر افشان طوطی کی ادب کے چشمہ سار پر ایرانی تذرو سے ملاقات کرادیتا ہے تا کہ

,, نہان در سنہ ما عالمی ہست
بخاک ما دلی ، در دل غمی ہست
از آن صہبا کہ جان ما بر افروخت
ہنوز اندر سبوی ما نمی ہست

و از این جہت در این شب فرخندہ کہ جہان خلعت اردیبہشتی پوشیدہ و مثال دوست بقول دقیقی بر صحرا نگشتہ شدہ است ذکری از بلبل نوا گر ہندوستان کہ بر سر سرو باآہنگ پہلوی درس مقامات معنوی میخواند مانند شنیدن نغمہ ارغنون محبت است کہ دلہای دو ملت ہمسایہ را با یک نغمہ مینوازد و آنہا را با یکدیگرہم رنگ و آشنا و مانوس میکند و طوطی شکر افشان ہندی را با تذرو ایرانی بر سر یک چشمہ سار ادب میآورد تا از آب زلال آن کام جان

دونوں اس صاف پانی سے اپنی روح کو سیراب کرلیں اور اس آسمانی پانی کے قطرے ٹپکا کر مہجوری اور مشتاق کے رموز سن سنا کر بشر کی پیاس کو بجھائیں۔

اقبال کے اشعار ایک آتشین اور حساس دماغ کا مظہر ہونے کے علاوہ ایک خاص لذت کے حامل ھیں جو آدمی کو بے اختیار مجذوب اور مست کر دیتی ھے۔ وہ خاص لطافت یہ ھے کہ اقبال نے اگرچہ ہندوستان کے نورانی آفتاب کے نیچے پرورش پائی اس کے افکار نے مشرق کے فلسفہ اور عرفان سے اور مولانا جلال الدین محمد (رومی) و حکیم غزنوی (سنائی) عارف نیشا پوری (عطار) سے فیض حاصل کیا ھے۔ اس کے بعد اقبال نے یورپ کا سفر کیا یورپ کے فلسفہ افکار کا مطالعہ کر کے انکی ایشیائی افکار سے آمیزش کی ھے۔ اقبال نے نئی نئی باتیں اور جدید خیالات کو شعر کے قالب میں ڈھالا ھے۔ اور فارسی جیسی شیرین اور ثروتمند زبان

را سیراب سازند و با قطره ای از آن رحیق آسمانی تشنگی بشر را بشنیدن رموز مهجوری و مشتاقی بر طرف کند.

شعر اقبال گذشته از آن که نماینده یک مغز افروخته و حساس است لطفی مخصوص دارد که بی اختیار آدمی را مجذوب میکند و مستی میآورد و آن لطف این است که اقبال در زیر آسمان گرم و آفتاب نورانی هندوستان نشو و نما یافته و افکارش از فلسفه و عرفان شرق و آثار مولانا جلال الدین محمد و حکیم غزنوی و عارف نیشا پوری مایه و توشه گرفته است. آنگاه در نتیجه مسافرت باروپا و مطالعه و اندیشه در فلسفه غرب افکار اروپائی را با اندیشه های آسیائی مطابقت میدهد و مطالبی تازه و نوین را که از نعمت ابداع بر خودار است بقالب شعر در میآورد و چون زبان شیرین و ثروتمند فارسی را برای ادای این

کو ادائے مطلب کا بہترین ذریعہ سمجھکر اپنے خیالات کے گوھرھای شاھوار کو اس مضبوط رشتہ میں منسلک کیا ھے۔ ایران کے عرفا اور شعرا کی اصطلاحات اور الفاظ جو مدت سے ھمسایہ ملک میں پہنچ چکی تھیں اس کے ھاتھ میں موم کی طرح نرم ھوجاتی ھیں اور جس شکل میں چاھتا ھے ان کو ڈھال دیتا ھے۔ یہ کلمات اور الفاظ ایک بڑے خاندان کا حصہ ھیں ور اب جب کہ اقبال کے ذریعہ سے سال ھا سال کی جلا وطنی کے بعد اپنے اصلی وطن میں واپس آئے ھیں اور ایران معاصر کے جدید کلمات اور مصطلحات سے آشنا ھوئے ھیں تو کسی قسم کی بیگانگی اور غربت کا احساس نہیں کرتے۔ ان کی مثال ایسی ھے جیسے کسی خاندان کے بوڑھے افراد ایک طویل مدت کے بعد اپنے جوان رشتہ داروں سے آملیں اور اپنے نوجوان بچوں کو گذرے ھوئے زمانے کی داستانیں سنائیں ۔

منظور بهترین وسیله میداند گوهر های شاهوار فکر را بدین رشته مستحکم میکشد. کلمات و تعبیرات عرفانی ایرانی و شعرای این دیار که از دیر باز بکشور دوست همسایه رفته و در آنجا بهنرنمائی پرداخته اند در دست او مثل موم نرم و بهر قالب تازه ایکه اراده میکند در میآید. این کلمات اصل و صاحب خانواده که سالها جلای وطن کرده و غربت اختیار نموده اند وقتی بوسیله اقبال از سفر دور و دراز خود بوطن اصلی خویش باز میگردند و با کلمات تازه و مصطلحات شعری امروز ایران آشنا میشوند احساس غربت نمیکنند بلکه مانند پیر خانواده ای که پس از سالیان دراز در محفل خویشا وندان جوان وارد میشوند از خاطرات ایام سلف برای فرزندان نو رسیده حکایت ها میکنند و این خود یکی از بزرگترین مزایا ی اشعار مرحوم اقبال است که این سفر کردگان کهن را بخانه پدران خویش باز گردانیده بمحفل یاران آشنا وارد کرده است.

اقبال کے اشعار میں ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے وہ قدیم زمانے کے "مہاجرین،، کو اپنے اجداد کے گھر میں اور یاران آشنا کی محفل میں واپس لے آیا ہے۔ اب ان واپس آنیوالے "دوستوں،، کا جو اپنے قدیم گھر میں آئے ہیں اس عظیم الشان مرد (اس کی روح پر خدا نور برسائے) کے کلام سے انتخاب کر کے تقریر ختم کرتا ہوں: ایک دو بیتی پیش کرتا ہوں:—

,, تیری زندگی کی قبا کب تک چاک رہیگی
چیونٹیوں کی طرح کب تک تیرا آشیانہ خاک میں رہیگا
پرواز میں بلند ہوجا اور شاہین بننا سیکھ
تو کب تک خاک میں دانہ تلاش کرتا رہیگا،،

اینک یکی دو از این یاران سفر کرده را که باصد قافله دل بسلامت باز گشته و بخانه دیرین خویش فرود آمده اند از کلام این مرد بزرگ که روحش مهبط انوار فیض یزدانی باد ختام این گفتار قرار میدهم . یکی این دو بیتی است که میفرماید:

قبای زندگانی چاک تاکی
چو موران آشیان در خاک تاکی
به پرواز آی و شاهینی بیاموز
تلاش دانه در خاشاک تاکی

***

اقتباس از مقالهٔ آقای صادق نشأت

آقای صادق نشات میر داماد کی اولاد سے ہیں۔ عربی اور فارسی ادبیات میں متبحر ہیں اور دونوں زبانوں میں ان کی تالیفات موجود ہیں۔ ۱۹۵۱ع میں پہلی مرتبہ اقبال کے کلام سے آشنا ہوئے اور کئی مرتبہ مولف سے ملاقات کی۔ اقبال کی دینی اور اخلاقی بصیرت کا ان پر بہت گہرا اثر ہوا اور وہ اقبال کو دنیای اسلام کا مشترک اور گرانبہا سرمایہ سمجھتے ہیں اور ان کی دلی خواہش ہے کہ عالم اسلام کو اقبال کے کلام اور اس کے نظریات سے آشنا کرایا جائے۔ آقای نشأت کے مقالے سے چند سطریں ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔

,, ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ بعض قوموں اور ملکوں میں نامور اشخاص وجود میں آئے ہیں لیکن اس کے مقابل میں کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ ایک واحد شخص ایک ملک اور ملت کو عدم سے وجود میں لایا ہو۔

مناسب ہوگا کہ پاکستان کے مشہور حکیم اور شاعر کا ان شخصیتوں میں شمار کریں۔ کیونکہ اس عظیم المرتبت شخص نے اپنے تفکر و تخیل

مردان نامی عالم را تا دیده و شنیده ایم ملل و ممالک آنها بوجود آورده اند. اما عکس این قاعده هیچگاه روی نداده و اتفاق نیفتاده است که یک مردی کشور یا ملتی را بوجود بیاورد.

سزاوار است که علامه محمد اقبال حکیم و شاعر بلند آواز پاکستان را در خور آن القاب بشماریم. زیرا این مرد بزرگوار در قلب آسیا مملکت و

اور ذوق سے ایشیا کے دل میں ایک مملکت اور ملت کا نقشہ مرتب کیا جس نے اس کے مرنے کے ٹھیک دس سال بعد محمد علی قائد اعظم کے ہاتھوں جامۂ عمل پہنا۔

بعض اشخاص (جن کو ہندوستان کے وسیع ملک اور وہاں کے لوگوں کے متعلق پوری اطلاعات میسر نہیں) خیال کرتے ہوں گے کہ پاکستان کی تشکیل کے سوال نے ہندوستان کے لوگوں میں دو قوموں کا تصور پیدا کردیا ورنہ وہ سب اکھٹے زندگی بسر کرسکتے تھے۔ لیکن اگر وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں کی آواز کو سن سکیں تو اس امر کی تائید کریں گے کہ تشکیل پاکستان کے لئے کوشش کرنا نہ صرف لازم تھا بلکہ ہر مسلمان کا فرض تھا کیونکہ انڈین کانگریس جب ہندوستان کی آزادی کے ابتدائی پروگرام اور اسکیمیں تیار کررہی تھی تو مسلمانوں کے نمائندوں کی (جن کے لیڈر مسٹر جناح تھے) تجویز کہ ,, مسلمان اکثریت کے علاقوں

ملتی را روی نقشه فکر و قریحه خود ترسیم نمود که درست ده سال بعد با دست محمد علی جناح قائد اعظم پاکستان عملی گردید.

شاید برخی اشخاص که اطلاع کاملی بر اوضاع مردم هندوستان و اقلیم پهناور آن ندارند گمان کنند که مسئله ایجاد پاکستان روح دو ملیت را در افراد جامعه ای که باید باهم زندگانی نمایند تولید کرده باشد ولی اگر بداد دل مسلمانان هندوستان برسند بلا شک و تصدیق خواهند کرد که مبادرت باین امر نه فقط لازم بلکه فریضه هر مسلمانی بوده است زیرا کنگره هندوستان که مقدمات استقلال هند را طرح ریزی مینمود بهیچ وجه حاضر نه گردید پیشنهاد نمایندگان اسلامی را که جناح در راس آنها بود دایر

میں مسلمانوں کی حکومت ہو،، کو ہرگز قبول کرنے کو تیار نہ تھی۔ لہذا ان کو اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کا خیال ایا جو سالہا سال پہلے اقبال نے مسلمانان ہند کی سعادت کے لئے تیار کی تھی۔ اور ان کی اپنی ان تھک قربانیوں کی بدولت ۸ کروڑ مسلمانوں کا ملک وجود میں آگیا۔

اقبال قلبا و قالبا ایک ایرانی ہے اور اس کا مرجع قرآن ہے۔ وہ جو کچھ سوچتا ہے یا بیان کرتا ہے یا لکھتا ہے ایرانی اسلوب اور طرز کے مطابق ظاہر ہوتا ہے یا یوں کہنا چاہئے کہ ایرانی علم اور طرز فکر و استدلال کو جو خواجہ عبداللہ انصاری، امام غزالی، مولوی، سعدی، حافظ خواجہ نصیر طوسی، میر داماد، اخوند ملا صدرا و علامہ سبز واری وغیرہ کے ہاں پایا جاتا ہے اپنے شعر اور نثر میں مجسم کرتا ہے۔

اقبال سنی مسلمان تھا لیکن اپنے آپ کو تشیع سے دور نہیں سمجھتا

باینکه ،،جائیکه اکثریت آن مسلمان است حکومت با مسلمین باشد،، قبول نماید. و بفکر عمل نمودن آن نقشه ای که ده سال قبل برای سعادت مسلمانان هند پیشبینی نموده بود افتادند و با فداکاری خستگی نا پذیر خود یک ملت و مملکت ۸۰ ملیون نفری را بوجود آوردند.

اقبال قلبا و قالبا یک ایرانی که رهبر او اسلام و مرجع وی قرآن است بوده باشد و آنچه میاندیشد و میگوید و مینویسد با اسلوب و شعار ایرانی جلوه گر شود یا بعبارت اخری دانش ایران و چگونگی تفکر و تعقل بزرگان ایران امثال خواجه عبدالله انصاری و امام غزالی و مولوی و سعدی و حافظ و خواجه نصیر طوسی و میر داماد و آخوند ملا صدر او علامه سبزواری را در شعر و نثر خود مجسم نماید. او مسلمان سنی بود ولی بی اینکه خود را

تھا۔ اور مختلف فرقوں کی ایک دوسرے پر ترجیح کا قائل نہیں تھا۔ وہ سید جمال الدین اسد آبادی معروف بافغانی کی طرح خیال کرتا تھا کہ تمام اسلامی فرقے ایک ھی درخت کی شاخیں ھیں اور خواہ کچھ ھی کیوں نہ ھوں ان کا پھل مشترک ھے۔ اقبال کو امید تھی کہ اسلام کا مستقبل روشن ھوگا اور اس کو عظمت اور وسعت حاصل ھوگی۔ وہ کہتا تھا کہ میرے ضمیر کے ذریعہ مجھکو الہام ھوا ھے کہ ھندوستان کے مسلمان جلد ازاد ھوجائینگے اور ان کو حکومت اور بلندی نصیب ھوگی۔ کہتا ھے۔

میرسد روزی کہ زنجیر غلامان بشکند
دیدہ ام از روزن دیوار زندان شما

یعنی وہ مرد غلاموں کی زنجیروں کو توڑ دے گا پہنچنے والا ھے میں نے تمھارے زندان کی دیوار کے روزن سے دیکھ لیا ھے۔

نہ فقط اسلام سے رابطہ کے اقتضا سے بلکہ تمام ایرانی عرفا اور شعراء

از تشیع دور بداند یا مزیتی برای یکی از فرق اسلام بر فرقہ دیگر قائل شود. مانند سید جمال الدین اسد آبادی معروف بافغانی معتقد بود کہ تمام فرق اسلام شاخہ ھای یک درختند و ھر چہ باشند باشجرہ یک میوہ و یک ثمر را بار میدھند. دکتر اقبال نسبت بآیندہ اسلام و توسعہ و عظمت آن خوش بین بود و نجات ھند را از مسائل مسلم حتمی می شمرد و میگفت بمن از راہ وجدان الہام شدہ است کہ مسلمین ھند نبرودی آزاد میشوند و بمرتبہء آقائی و سروری میسرسند.

نہ فقط بمقتضای رابطہ خود با اسلام بلکہ مانند تمام شعراء عرفانی ایرانی

کی مانند اسے شاہ ولایت (حضرت علی) سے خاص ارادت اور محبت تھی اس کے متعلق کہتا ہے :—

مرسل حق کردہ نامش بو تراب

حق ید اللہ خواند در ام الکتاب

(یعنی خدا کے رسول نے اس کو بو تراب کا نام دیا اور خدا نے اس کو قرآن میں یداللہ کا نام دیا) شیعوں کی مانند حسین ابن علی کے مصائب سے بہت متاثر تھا ۔ اور آنحضرت کے فلسفہ شہادت کے متعلق وہ کہتا ہے :—

مدعایش سلطنت بودی اگر

می نکردی با چنین سامان سفر

دشمنان چون ریگ سحرالاتعد

همرهان اوبه یزدان هم عدد

(یعنی اگر اس کا مقصد سلطنت ہوتا تو وہ اس حال میں سفر نہ کرتا کہ دشمن تو صحرا کی ریت کے مانند بے شمار تھے اور اس کے ہمراہی یزدان کے اعداد کے برابر) اس حکیمانہ بات کے مطابق کہ ,,ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ،، ۔

اس خیال سے کہ اس حکیم کے گلستان سے ایک گلدستہ علم و ادب کے دوستوں کے سونگھنے کے لئے تہیہ ہوسکے یہ چند دلپذیر اشعار جن کا

ارادات و علقہ خاصی بشاہ ولایت داشت و در معرفی او میگفت :

مرسل حق کرد نامش بو تراب الخ

مانند شیعیان از مصیبت حسین ابن علی متاثر بود و در فلسفہ شہادف آنحضرت میگفت : مدعایش سلطنت بودی اگر الخ

بمصداق جملہ حکیمانہ معروف ,, مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ،، دستہ گل از گلزار آن حکیم بمشام دوستان علم و ادب رسیدہ باشد این چند بیت دلپذیر

مضمون نیا اور کم نظیر ہے کتاب زبور عجم سے اقتباس کرکے پیش کرتا ہوں ,, غالباً اس کا خطاب ملت ایران سے ہے :—

میشود پردۂ چشمم پر کاهی گاهی
دیده ام هر دو جهان را بنگاهی گاهی
وادی عشق بسی دور و دراز است ولی
طی شود جادۂ صد ساله بآهی گاهی
در طلب کوش و مده دامن امید ز دست
دولتی هست که یابی سر راهی گاهی

ترجمہ — ۱ - ,, کبھی تو ایک کاہ کا تنکہ ھی میری آنکھوں کا حجاب بن جاتا ھے - اور کبھی ایسا ھی ہوا ھے کہ ایک نگاہ میں میں نے دونوں جہانوں کو دیکھہ لیا ھے۔

۲ - وادی عشق بہت دور و دراز ھے لیکن کبھی سوسال کا راستہ ایک آہ میں طے ہو جاتا ھے۔

۳ - ھمیشہ طلب میں کوشش کرتے رہو اور امید کا دامن ھاتھہ سے مت چھوڑو۔ ایک ایسی دولت بھی ھے جو ممکن ھے سر راہ ھی تمہارے ھاتھہ لگ جائے۔

ڈاکٹر اقبال اپنی قومی زبان اردو کے علاوہ کئی زبانیں مثلاً عربی جرمن اور انگریزی اچھی طرح جانتا تھا لیکن اس کو کسی اور زبان سے

را که در مضمون خود بکر و کم نظیر است از کتاب زبور عجم او استخراج و تقدیم میشود گویا مخاطب او هم ملت ایران باشد :

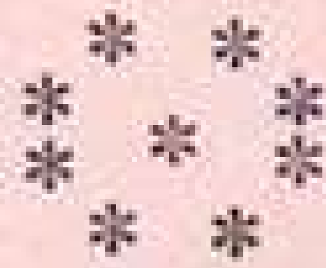
میشود پرده' چشمم پر کاهی گاهی

دکتر اقبال با اینکه علاوه بر زبان ملی خود اردو چندین زبان دیگر از قبیل عربی آلمانی انگلیسی را خوب میدانست معهذا بهیچ یک باندازه

اتنی دل بستگی نہ تھی جتنی فارسی سے ہے لیکن وہ ایران نہیں آیا اور ایرانیوں کی مصاحبت اور ہمدمی اس کو میسر نہ ہوئی۔

لازم ہے کہ ایران اور پاکستان کی دو ملتوں کے خیر خواہ اصحاب دوستی اور یک جہتی کے روابط کو زیادہ سے زیادہ تقویت دیں اور آئیندہ آنیوالی نسلوں کو اس کے اچھے ثمر سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیں تا کہ اس طرح اقبال کا مقصد پورا ہوجائے۔

یا رب دعای خستہ دلان مستجاب کن



زبان فارسی دلبستگی نداشت و در صورتیکه بایران نیامده و با ایرانیان محشور و دمساز نشده بود. امید است که خیر خواهان ملتین دوست و برادر ایران و پاکستان منظور او را در تقویت روابط دوستی و یکجهتی بیش از پیش عملی و نسل های آینده را از ثمرات مطلوب آن برخوردار سازند.

یارب دعای خسته دلان مستجاب کن

اقتباس از سخنرانی آقای محمد حسین مشائخ فریدنی

آقای فریدنی ۱۹۴۹-۱۹۵۴ تک سفارت کبری ایران کراچی میں مشاور فرہنگی (کلچرل کونسلر) کے عہدے پر کام کرتے رہے اور ایران اور پاکستان کے درمیان ادبی اور کلچرل تعلقات کو بہتر بنانے میں انہوں نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔

آقای فریدنی کو عربی اور فارسی ادبیات پر عبور ہے اور فارسی زبان میں شعر بھی کہتے ہیں۔ انہوں نے اقبال کے متعلق کئی مقالے لکھے ہیں اور جلسوں میں تقریریں کی ہیں۔ ذیل کا اقتباس ان کی آخری تقریر سے کیا گیا ہے جو انہوں نے ۱۹۵۵ میں یوم اقبال کے موقع پر تہران میں کی۔

اقبال نے فارسی زبان کو اس زمانے میں جب کہ یہ زبان صرف قبروں یا مزاروں کے کتبے اور لوحیں لکھنے یا یونانی حکیموں کے نسخوں تک محدود ہوگئی تھی ایک ادبی زبان کی حیثیت سے دوبارہ زندہ کیا۔ اقبال فارسی زبان کی تاریخ کے اس تاریک دور میں پنجاب میں پیدا ہوا اور فارسی زبان میں شاعری اور شیریں زبان میں اپنے گرانبہا خیالات بیان کر کے اس نے فارسی زبان کے نیم مردہ چراغ کو دوبارہ فروغ عطا کیا۔

.... «اقبال زبان فارسی را که در ان عصر فقط برای نوشتن لوح قبر یا کتبه مزار یا نسخه حکیمان یونانی بکار میرفت دوباره بشکل یک زبان ادبی زنده کرد. در چنین دوران تاریکی بود که مرحوم شیخ محمد اقبال در پنجاب پیدا شد و با سرودن اشعار فارسی و نشر افکار گرانبهای خود باین زبان شیرین چراغ نیم مرده زبان فارسی را دوباره پر فروغ کرد.

اقبال کے ہم وطنوں نے اس کے اصلاحی اور سیاسی اور انقلابی خیالات سے استفادہ حاصل کیا اور پاکستان آزاد کا وجود میں آنا یہی اقبال ہی کے افکار کا نتیجہ ہے۔ اسلامی ممالک اور دیگر مشرق کے لوگ اقبال کو ایک بہت بڑا خاص فکر اور طرز کا شاعر مانتے ہیں لیکن ہم ایرانیوں کےلئے اقبال ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔

اقبال ہے جس نے ہندوستان میں فارسی زبان کو زندہ کیا اور اسے نئی رونق بخشی اور اپنے فارسی اشعار کے ذریعے سے اپنے ہم وطنوں کے دل میں ان کے ایران سے روحانی تعلق کو تازگی عطا کی۔ فارسی کے اردو کے ساتھ ارتباط کو جو آہستہ آہستہ ٹوٹ رہا تھا دوبارہ مضبوط کیا۔ اس نے ایران کے استاد شعرا اور ان کے مخصوص طرز شعر گوئی کو ہند میں زندہ کیا۔ اس نے فارسی کے ادبی مضامین اور افکار کو دوبارہ ایک نادر اور نئی شکل میں بیان کیا۔

اهل وطن اقبال از افکار اصلاحی و انقلابی او بهره مندند و استقلال پاکستان یکی از نتائج فکری اوست. کشور های اسلامی بلکه عموم مردمان مشرق او را شاعر بزرگ و صاحب فکر و سبک میدانند ولی اقبال برای ما ایرانیان اهمیت مخصوصی دارد.

او محی و مجدد زبان فارسی در هند است و با اشعار فارسی خود رشته ارتباط معنوی و در دل هموطنان خود تجدید نمود. رابطه فارسی را با اردو که رفته رفته گسسته میشود دوبار محکم کرد روش و سبک سخن اساتید ایران را در هند زنده ساخت و افکار و مضامین ادبی فارسی را بصورتی بدیع باز گفت و شرح و تفسیر کرد.

اس کے جاویداں کلام میں خواہ وہ اردو میں ہو یا فارسی میں ایران کے بڑے بڑے شعرا' کا اثر ظاہر ہے مگر اقبال نے خاص طور پر مولانا جلال الدین بلخی رومی سے فیض حاصل کیا ہے اور اسے اپنا پیر اور مرشد مانتا ہے۔ اس کے علاوہ سیاسی لحاظ سے بھی اقبال کی توجہ ایران کی طرف رہی۔ وہ خوش تھا کہ ملت ایران کو اتحاد نصیب ہوا ہے اور قوم کو ایک طاقتور اور خیر اندیش راہنما میسر ہو گیا جس نے اس قدیم مملکت کی آبادی اور رفاہ کے لئے اقدام کئے ہیں اور ہرج مرج (داخلی گڑبڑ) کو ختم کردیا ہے اقبال کہتا ہے۔

آنچه بر تقدیر مشرق قادر است
عزم و خرم پهلوی و نادر است
پهلوی آن وارث تخت قباد
ناخن او عقدهٔ ایران کشاد

پیمان سعدآباد کو امید افزا خیال کرتے ہوئے اقبال نے اپنے اردو

در آثار جاویدانش چه آنها که بفارسی و چه آنها که اردو است همه جا از اساتید و بزرگان ایران الهام گرفته و بخصوص از مولانا جلال الدین بلخی رومی کسب فیض میکند و او را پیر و استاد میداند.

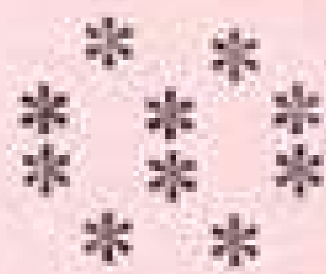
بعلاوه اقبال از لحاظ سیاسی نیز متوجه ایران بود. اظهار خوشنودی میکرد امور ایران جمع آمده و قائدی توانا و رهبری خیر اندیش پیدا شده که این کشور کهن را آباد میسازد و هرج و مرج را بر میاندازد.

آنچه برتقدیر مشرق قادر اشت الخ

پس از انعقاد پیمان سعد آباد با خوشبینی هر چه تمامتر در شعر اردو آرزو

اشعار میں آرزو کی ہے کہ تمام مشرقی اقوام متحد ہوجائیں اور اپنے اختلافات وغیرہ کے حل و فصل کے لئے تہران میں ایک مرکزی اتحادیہ قائم کریں۔

مختصر یہ کہ اقبال اگرچہ سیالکوٹ میں پیدا ہوا اور اس نے لاہور میں وفات پائی اور ہرگز ایران نہیں گیا اور نہ ہی ایرانیوں سے ملنے ملانے کا اسے موقع ملا وہ فارسی کے عظیم‌الشان اور صاحب طرز و مخصوص شعراء میں سے ہے۔ اور وہ فلسفی سیاسی اور ادبی لحاظ سے ہمیشہ ایران سے مرتبط تھا،،۔



میکند که ملل شرق همه گرد هم جمع شوند و تهران را مرکز این اتحادیه و محل فصل خصومات و حل اختلافات قرار دهند.

خلاصه آنکه اقبال با اینکه در سیالکوت متولد شده و در لاهور بدرود زندگی گفته و هرگز بایران نیامده و کمتر با ایرانیان معاشرت داشته است. از شعرای بزرگ و صاحب فکر و صاحب سبک فارسی است. و هم از لحاظ فلسفی و هم از نظر سیاسی و ادبی همواره خود را پیوسته بایران میدانسته است.

از مقاله آقای محمد تقی مقتدری

آقای مقتدری کئی سال کابل میں ایران کے کلچرل کونسلر رہے ہیں - آپ کو صوفیا کی شاعری سے خاص لگاؤ ہے اور اقبال کے کلام کا مطالعہ بھی انہوں نے زیادہ تر تصوف کے نکتہ نظر سے کیا ہے -

,, اقبال نے اپنی تصنیفات میں مختلف موضوعات پر بحث کی ہے - فرد اور ملت ' ملیت اور وطن اور مذہب اور سوسائٹی ، تعلیم و تربیت، فلسفہ اور معرفت و تصوف اور مابعد الطبیعات ، سیاست ، اقتصادیات وغیرہ وغیرہ کے مسائل پر بھی اس نے توجہ دی ہے -

اقبال کی عرفانی روش کی بنیاد خودی کی تربیت اور ترقی پر قائم ہے - اس کا عقیدہ یہ ہے کہ ,, وجود ،، ہمیشہ جنبش و حرکت اور جستجو میں میں رہتا ہے - اور خودی سے مراد زندگی کی متحرک قوتوں سے ہے جو ہمیشہ سرگرم عمل ہیں ، سکون اور آرام خودی کے لئے موت ہے اس لئے انسانی زندگی جدو جہد و مبارزہ اور سخت کوشی کے مترادف ہے -

---

در آثار علامه اقبال از مباحث مختلف سخن رانده شده از فرد و ملت و وطن و مذهب گرفته تا اجتماعات از آموزش و پرورش و فلسفه و عرفان گرفته تا تصوف و بحث در ماوراء الطبیعه و سیاسیات و اقتصادیات و غیر هم، روش عرفانی مبتنی بر پرورش و تربیت خودی است. چه او معتقد است که وجود همواره در حرکت و تلاش است و خودی عبارت از یک سلسله جریانهای نیروی حیاتی است که دائما در فعالیت و حرکت بوده و سکون ندارد و و آرامش و او مرگ و فنای اوست لذا زندگی انسان عبارت است از نبرد و ستیز و سخت کوشی.

اقبال کی رائے میں انسان کو نہیں چاہئے کہ وہ بالکل مادیات کے زیر اثر آجائے اور نہ ہی اسے اپنے آپ کو ، فنا ، سمجھنا چاہئے۔ بلکہ اسے چاہئے کہ اپنی شخصیت کو ترقی اور عظمت سے ہمکنار کرے اور خدائی انوار کو اپنی ذات میں جذب کرلے تاکہ آخر کار حق اور حقیقت اور ایک عالی شخصیت کے مقام پر پہنچ کر سچ مچ خدائی کا مظہر بن جائے۔

اقبال مشرق کے لوگوں خصوصاً مسلمانوں کو خواب سے اور غفلت سے بیداری اور جہاد و مشکلات اور خطروں سے مقابلہ کرنے کے لئے ابھارتا اور اکساتا ہے۔ اقبال کے نزدیک سختیوں کا برداشت کرنا انسان کی ترقی اور کامیابی کے لئے ضروری ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔

از بلاها پخته تر گردد خودی

تا خدا را پرده در گردد خودی

رومی ان لوگوں کا جو جبری عقیدہ رکھتے ہیں اور کوشش و اختیار اور انسانی ارادہ کی قوت کے قائل نہیں، مخالف ہے۔ اقبال نے رومی کے

اقبال عقیده مند است که انسان نباید کاملا تحت تاثیر زندگی مادی قرار بگیرد و نه خود را فنا بداند. بلکه باید شخصیت خود را رشد بدهد و بزرگ کند و انوار الهی را در خود جذب بکند و بالاخر نمونه حق و حقیقت و شخصیت عالی و مظهر خدائی گردد. اینست که اقبال شرقیان و بالاخص مسلمانان را به بیداری از خواب گران غفلت و اقدام به مجاهده و کوشش و استقلال و عدم ترس از خطرات تشویق و تحریک میکند. او تحمل شدائد را وسیله تکامل و می داند و میفرماید. از بلاها پخته تر گردد خودی الخ

مولوی با آن دسته از مردمی که جبری بوده و بتاثیر کوشش و اختیار و ارادهٔ انسانی درکارهایش معتقد نیستند مخالف است. اقبال این عقیده را

خیالات کو نئی آب و تاب بخشی ہے اور ایک قدم رومی سے بھی آگے بڑھایا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر جد و جہد نہ ہوتو زندگی بے معنی ہے اور یہ کہ زندگی جس قدر دشوار اور جد و جہد سے پر ہو اتنی ہی بلند تر اور لذت بخش تر ہوگی۔ ایک جگہ فرمایا ہے۔

پرسیدم از بلند نگاہی حیات چیست

گفتا، مئی کہ تلخ تر او نکو تراست

اقبال کا تخیل نہایت پر جوش اور اس کے افکار سیل تند رو کی مانند ہیں۔ اقبال جبری اور اختیاری عقائد کے طرفداروں کے مباحث میں شمولیت نہیں کرتا اور ان کی قیل و قال کو ,,حرف بافی،، گردانتا ہے۔ اس کے نزدیک ذات انسانی کی ترقی لگاتار تگاپو اور مسلسل انقلاب میں مضمر ہے۔

سراپا معنی سر بستہ ام من

نگاہ حرف بافان بر نتابم

نہ مختارم توان گفتن و نہ مجبور

کہ خاک زندہ ام در انقلابم

آب و رنگ تازہ ای بخشیدہ و قدمی بر تر نہادہ و معتقد است کہ اگر کوشش نباشد زندگی نیست. و عقیدہ دارد کہ زندگی ہر چند دشوار تر باشد و مجاہدہ آن بیشتر باشد بہتر و لذت بخش تراست. چنانکہ میفرماید.

پرسیدم از بلند نگاہی حیات چیست الخ

اقبال حقا مغزی پر جوش و اندیشۂ بمانند سیل خروشان داشتہ است او از قیل و قال جبریون و اختیاریون خود را بر کشیدہ و گفتار آنان را ,,حرف بافی،، دانستہ وجود خود را منقلب و در تگاپوی مدام معرفی کردہ.

محمد حجازی مطیع الدولہ

کی ڈائری کا ایک ورق

آقای محمد حجازی مطیع الدولہ نثر فارسی میں اپنی طرز کے استاد ھیں اور ملک کے طول و عرض میں آپ کو غیر معمولی ھر دلعزیزی حاصل ھے۔ ملک الشعرا بہار حجازی کی نثر کو اسکی جاذبیت، شیرینیٔ اور روانی کے پیش نظر بہترین قسم کی شاعری کا نمونہ گردانتے تھے

دیار دکن ھندوستان میں حکومت کا مہمان تھا اور سیرو سیاحت میں مشغول۔ ۔ ۔ ایک خوبصورت میدانی علاقہ سے گذر ھوا۔ ایک پیچ و خم کھاتی ھوئی سڑک سے ھوتے ھوئے ایک پہاڑی پر ایک چھوٹے سے مکان میں پہنچے۔ مکان کے باھر ایک خیمہ نصب تھا۔ اسمیں میز کے اوپر مختلف قسم کے پھل اور رنگا رنگ مٹھائیاں چنی ھوئی تھیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میری نگاھیں اور میرے تصورات آس پاس کے جنگلوں میں سبزہ زاروں اور جھیلوں میں آنکھ مچولی کھیل رھے تھے۔ ۔ ۔ ۔ ایسا معلوم ھوتا تھا کہ میں آسمانوں پر تیر رھا ھوں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک زندہ انسان کے لئے اس سے بہتر بہشت میسر نہیں

در ھندوستان در کشور دکن مہمان دولت بودم و سیر و سیاحت میکردم. از دشت خرمی گشتیم و از پیچ و خم ای بالا رفتیم تا بعمارت کوچکی رسیدیم . در جلو عمارت چادر بزرگی برپا یود . رنگ و بوی آنھمہ میوہ و شیرینی و خوردنی کہ روی میزھا انباشتہ بود با نقش و نگار منظری بہشت آسا در ھم میشد. ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ہو سکتا۔۔۔ ناگہاں ایک پرندے کی شیریں آواز بلند ہوئی۔۔۔۔۔ ہر چند کوشش کی مگر اس آواز کو نہ پہچان سکا۔۔۔۔ نہ سمجھ سکا۔۔۔۔ یکایک ایک غم آلود پردے نے اس تمام بہشت کو چھپا لیا۔۔۔۔۔۔ میں نے محسوس کیا کہ اس بہشت کی آواز مجھ سے آشنا نہیں۔۔۔۔ ایک دلربا دوشیزہ کی آواز تھی جو دوسروں سے اپنے راز بیان کر رہی تھی۔۔۔ لیکن وہ میری آہ اور نگاہ کے معنی نہیں جانتی تھی۔۔۔۔

وطن کے دشت و سبزہ اور پرندوں کی یاد میرے دل میں تازہ ہوگئی۔۔۔ میرے دل کی گہرائیوں سے نالہ و فغاں بلند ہونے لگا۔ میرا عزیز میزبان آقای غلام محمد تھا جو اس زمانے میں دکن میں وزیر مالیات تھا۔ یہ عالی مقام شخص (جسکی روح میں کشور داری اور صاحبدلی کا امتزاج پایا جاتا ہے) میری زبان بستہ فغاں کو سمجھ گیا۔۔۔ مجھ سے دریافت

چشم به پیش و فکر بدنبال مدتی در سبزه ها و دریاچه ها و جنگلها میرفتم و میگشتم و در پرواز بودم برای زنده و آسوده بودن بهشتی از آن خوشتر نمی شد. ناگهان بهشتم با من بزبان آمد و آواز مرغی برخاست. من هر چه گوش دادم آن آواز را نشناختم و نفهمیدم......

ساز وجودم بناله در آمد و زارید. پرده ای از غم بر آنهمه زیبائی پوشید دیدم که زبان و آن بهشت با من آشنا نیست. دختر دلکشی است که با دیگران راز میگوید و معنی آه و نگاه مرا نمیفهمد.

بیاد دشت و کوه و سبزه و مرغان وطن افتادم و فغان از نهادم برخاست. مهماندار عزیزم آقای غلام محمد که در آن زمان وزیر دارائی دکن بود (این مرد بزرگ که هنر کشور داری را با مقام صاحبدلی توام دارد)

کیا کہ کیا حال ہے؟ میں نے اصل بات بتا دی۔۔۔ ایک محزون تبسم کے ساتھ جواب دیا اے کاش تم ہر شخص اور ہر ملک کو اپنا دوست اور وطن خیال کر سکو۔۔۔

میں شرمندگی اور ندامت سے آزردہ خاطر ہو گیا۔ کیونکہ میں نے محسوس کیا کہ میرے اور اس مقام کے درمیان (جسکا ذکر غلام محمد نے کیا ہے) کئی سالوں اور میلوں کا فاصلہ ہے۔ اسی حالت اور گفتگو میں مشغول تھے کہ ریڈیو کی آواز گونج اٹھی۔۔۔ گویا یہ میرے بیمار دل کی شفا کا پیغام تھا۔ ریڈیو پر فارسی پروگرام نشر ہو رہا تھا اور اقبال کے پر معنی اشعار گائے جا رہے تھے۔۔۔ یہ ایک آسمانی نغمہ تھا جس نے اس بہشت آسا منظر کو میرا دوست اور ہمنوا بنا دیا۔۔۔۔ صحیح ہے کہ جہاں ہماری زبان میں شعر گائے جائیں وہ جگہ ہمارا وطن ہے ہمارا گھر ہے۔ جو ہماری زبان میں شعر کہے ہمارا دوست ہے محبوب ہے اور ہم وطن ہے۔

فغان مرا از دهان بسته ام شنید و از حالم پرسید. حقیقت را گفتم تبسم محزونی کرد و گفت ای کاش همه جا و همه کس را یار و دیار خود بدانید..

شرمنده و از خود آرزده شدم زیرا دیدم من و این مقام از هم سالها و فرسنگها فاصله داریم در این احوال گفتگو بودیم که صدای رادیو بلند شد گوئی شفای دل بیمار من باشد. برنامهٔ فارسی بود و اشعار پر مغز دکتر اقبال شاد روان خوانده میشد. یعنی ندای آسمانی بود که آن منظر بهشت آسارا با من دوست و همزبان میکرد. آری آنجا که بزبان شما شعر بسرایند خانه و وطن شماست. کسیکه بزبان ما شعر بگوید دوست و محبوب و هم وطن ما است.

میں لاهور کے فارسی گو شاعر کے کمال و دانش اور اسکی بلند روح کے متعلق کچھ نہیں کہونگا، میرے دوسرے احباب کہہ چکے هیں اسکی تعریف و ستائیش کا حق ادا کر چکے هیں میں اس پاک روح کا شکر گذار هوں که اسکی بدولت میرا وقت هندوستان میں خوشی اور خرمی میں گذر گیا۔ میں اقبال لاهوری کا ممنون هوں که وه اپنی نغز فارسی اور اپنے بدیع افکار کے ذریعے همارے دوست ملک کو جو فارسی کے زوال کے باعث هم سے بیگانه هو رها تها دوباره محبت اور مہر کی راه پر لے آیا۔



من از کمال و دانش و روح بلند شاعر پارسی گوئی لاهوری سخن نمی گویم دیگران گفته و شرط ستایش را بجا آورده اند. من از آن روان پاک شکرگذارم که آنروز و روزهای دیگر مرا در هندوستان خوش و خرم کرد. از دکتر اقبال لاهوری که روانش انوشه باد سپاسگزارم که با فارسی نغز و افکار بدیع خود کشور دوست و برادر ما را که با زوال فارسی براه بیگانگی میرفت دو باره ما بر سر مہر و دوستی آورد.

اقتباس از نامۂ جناب آقای حبیب‌الله آموز گار

(آقای حبیب اللہ آموزگار ایران کے مایۂ ناز علماء اور ادبا میں سے ہیں۔ آپ کی ادبی خدمات میں سے آپ کی مشہور تالیف ,, فرہنگ آموزگار،، ہے۔ آپ ایک مدت تک ایران میں وزیر تعلیم بھی رہے ہیں اور آجکل ایرانی سینٹ کے ممبر ہیں ۔ مگر آپ کی علمی اور ادبی حیثیت ان کے دوسرے مقامات سے کہیں بالا تر ہے۔ ذیل میں انکے ایک خط سے جو موصوف نے مؤلف کو لکھا اقتباس پیش کیا جاتا ہے) :-

,, یہ فیض عرفانی جو ایک طویل مدت کی انتظار کے بعد مجھے نصیب ہوا محمد اقبال کی پاک اور درخشاں روح کا اثر ہے جس نے پاکستان کی خاک سے طلوع ہو کر ایرانیوں کے دل و دماغ پر روشنی ڈالی۔ اقبال کے کلام پر جو اس نے فارسی جیسی شیریں زبان میں کہا ہے دنیا بھر کے فارسی زباندانوں کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

اقبال جیسی عظیم ادبی شخصیت کا پاکستان میں پیدا ہونا کوئی عجیب بات نہیں ۔ ایران اور پاکستان بظاہر دو بدن ہیں مگر ان کی روح

,, این فیض عرفانی کہ پس از مدتہا انتظار بہ بندہ اقبال کرد از اثر روح پاک و درخشان استاد محمد اقبال میدانم کہ از خاک پاکستان بر روان مردم ایران تا بیدہ و گفتہ ہای عرفانی آن استاد را کہ بزبان شیرین فارسی سرودہ بفارسی زبانان جہان تہنیت میگویم۔

,, آری پیدایش این گونہ نوابغ ادبی از خاک پاکستان شگفت ندارم. چہ ایران و پاکستان ہر دو یک روحند اندر دو بدن و یک زبانند اندر دو دہن.

ایک ہے ۔ انکے دہن دو ہیں مگر زبان ایک ہے دونوں ایک مشترک منبع فیض سے فیض یاب ہیں اور دونوں کو ہم نژادی کا بھی فخر حاصل ہے۔

ایک قدیم زمانے سے نژادی، زبانی اور مذہبی وحدت کے زیر اثر ان دونوں ملتوں میں اخلاق، روحی اور اجتماعی یگانگت پیدا ہو چکی ہے جسکا بہترین پرتو ہمیں اقبال کے کلام میں ملتا ہے ۔ گذشتہ دو سو سال کے عرصہ میں کچھ تاریک بادل ہم پر منڈلاتے رہے ہیں لیکن وہ ان دو برادر اور ہم مذہب ملتوں کے دلوں پر کوئی ایسا اثر نہیں ڈال سکتے جس سے ان کے درمیان جدائی کا بیج بویا جا سکے ۔

ہر دو از یک منبع فیض عرفان بہرۂ مند و از تخمهٔ یک نژاد سر بلندند.

از دیر زمان وحدت نژاد و زبان و مذهب عامل مهم وحدت اخلاق و روحی و اجتماعی این دو ملت بوده که به بهترین طرزی در آثار علامه اقبال پرتو افگن است و ابرهای تیره در یکی دو قرن آخر هم هرگز نتوانست لوح ضمیر و خاطر منیر این دو قوم برادر و هم کیش را به زنگ جدائی و دوری لکه دار کند. در این میان شما چه سعادت و اقبالی داشتید که آثار علامه اقبال را بزبان اقبال منتشر سازید و باعث غبطه و تحسین دوستان گردید!۔.



صادق سرمد شاعر ملی ایران



ادیب برومند



منوچهر طالقانی



کاظم رجوی

اقتباس از سخرانی ڈاکٹر ناظر زادہ کرمانی

(ڈاکٹر ناظر زادہ کرمانی اپنی وطن پرستانہ خدمات کی بدولت جو انہوں نے ایرانی تیل کو قومی ملکیت میں لانے کے سلسلہ میں انجام دی ہے ملک بھر میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں - لیکن علمی ادبی محافل میں وہ ایک باذوق شاعر اور زبردست نثر نویس اور فصیح البیان ناطق کی حیثیت سے مشہور ہیں - انجمن ادبی ایران و پاکستان کی صدارت کے فرائض بھی دو سال سے آپ ہی انجام دے رہے ہیں - تیل کے قومی ملکیت میں آجانے کے بعد انہوں نے سیاسی کشمکش سے کنارا کشی اختیار کر لی اور آجکل دانشکدہ ادبیات (کالج فار لٹریری سٹڈیز) میں تدریس کے کام پر مامور ہیں - ذیل میں ان کی تقریر سے جو انہوں نے ، ۱۹۵۴ میں یوم اقبال کے موقع پر تہران یونیورسٹی حال میں کی مختصر اقتباس درج کیا جاتا ہے) -

,, ایک ملک اور قوم کا حقیقی سرمایہ نہ اسکے دریا اور جنگل اور سرسبز زمین یا کانیں اور نہ ہی سونا اور چاندی وغیرہ ہیں - اقوام کا بہترین سرمایہ بلند شخصیت والے فداکار فرزند ہیں جو اپنی بلند ہمتی اور قربانی کی بدولت اپنی قابلیت اور اہلیت کی شمع دوسروں کی راہنمائی کے لئے سر راہ رکھ دیتے ہیں -

---

,, سرمایہ حقیقی یک مملکت و ثروت واقعی یک ملت نہ رود خانہ است و نہ جنگل و نہ معادن و نہ زمین ہای حاصلخیز و نہ طلا و نقرہ و امثال آن بلکہ بہترین سرمایہ ملت ہا رجال با شخصیت و بزرگوار و از خود گذشتہ ای ہستند کہ در سایہ ہمت بلند و روح فدا کار فروغ نبوغ را چون چراغ ہدایت قرار راہ دیگران داشتہ اند و سوز و شور و خاطر آنان چون صور رستاخیز در

اور جنکے قلوب کا سوز و گداز صور اسرافیل کی مانند لوگوں کو بیدار کرتا ہے

یہ امر ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ علامہ اقبال کا شمار ایسے ہی مقبول لوگوں میں ہے - اقبال کے مسیحائی نفس نے کروڑوں فرزندان بشر کو بیدار کر کے اپنا معجزہ دکھایا ہے - اسکی عیسیٰ نفسی کا نمونہ آنکھوں کے سامنے عیاں ہے اور محتاج بیان نہیں —

محمد اقبال اسلام کے گرانقدر مبلغوں اور مشرق کے مشہور مبشروں میں سے ہیں - اقبال مغرب کے علوم و تمدن سے گہری نزدیکی حاصل کرنے کے باوجود ان سے مسحور نہیں ہوا - بلکہ مشرق کے فضل و عرفان کے لایزال سر چشمہ سے بہتر اور صحیح تر آشنائی پیدا کرنے میں کامیاب ہوا ہے - اور اس نے امید کے پیامبر فرشتے کی طرح اپنے جانفزا نغموں کی بدولت اپنی قوم میں حرکت اور کوشش کی روح بیدار کی —

بیداری مردم تاثیر بخشیده است.

باید قبول کرد که علامه محمد اقبال قابلیت آنرا داشت که در شمار این قبیل مقبلان در آید زیرا دم مسیحائی او در بر انگیختن اراده ملیونها نفوس بشری معجزهٔ نشان داد و اثر وجود وی همین است که عیان است و حاجت به بیان نیست.

محمد اقبال از مبلغان گرامی اسلام و از مبشران نامی شرق است که پس از آشنائی فراوان با فرهنگ و تمدن و علوم مغرب زمین نه تنها مغلوب و مسحور نشد بلکه بهتر و روشنتر بسر چشمهٔ لایزال فضیلت و معرفت مشرق پی برد چون سروش امید با نغمه های جانفزای ملت خویشْ را بجنبش و کوشش بر انگیخت.

بلند مقام اشخاص کے درخشاں افکار تاریکی کو نور میں اور بیگانگی کو اشنائی میں تبدیل کر دیتے ہیں انکو ہم کسی ایک مخصوص ملک کی ملکیت قرار نہیں دے سکتے ۔ ایسے لوگ تمام دنیا کی ملکیت ہیں ۔ لیکن جہاں تک اقبال کا تعلق ہے اسکے علاوہ اس بات کا ذکر لازم ہے کہ اہل ایران، مخصوصاً وہ ایرانی جنکو شعر و ادب میں دلچسپی ہے اقبال سے خاص عقیدت اور اخلاص رکھتے ہیں ۔ کیونکہ اس زبردست اور صاحب قدرت پاکستانی شاعر نے اپنی اعلی منطق اور بلند طبیعت کے اثر سے فارسی شعر کے دلکش نغمہ کی طرف اپنے ہموطنوں کی توجہ مبذول کی ہے ۔ اور ایسا کرنے میں (یعنی فارسی سخنسرائی میں) اقبال نے فن شاعری کے کمال اور حسن انتخاب کے علاوہ انتہائی ذوق شعری کا اظہار کیا ہے،،۔

اگرچہ مردان بزرگی که افکار درخشان آنان تیرگیها را مبدل بروشنائی و بیگانگیها را تبدیل بآشنائی میکند دیگر نمیتوانند تنها بملت و کشور خود اختصاصی داشته باشد بلکه بهمه جهان و جهانیان تعلق خواهند داشت اما نسبت بعلامه اقبال گذشته ازین مردم ایران، خاصه کسانیکه با شعر و ادب بیشتر سر و کار دارند، اخلاص خاص میورزند زیرا این شاعر زبردست و توانای پاکستان با طبع غرا و منطق شیوای خویش بار دیگر دلهای هموطنان خود را باهنگ دلکش شعر جان بخش پارسی متوجه کرده و ازا اینراه کمال هنر و حسن و انتخاب و نهایت ذوق خود را آشکار ساخته است .

از مقاله آقای عبدالحسین نوائی

(آقای نوای امیر علی شیر نوائی کی اولاد سے ہیں اور ان کا شمار ملک کے بلند پایہ اہل قلم میں ہوتا ہے) ذیل میں انکے ایک مقالہ سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

اقبال کی تصنیفات میں سے جاوید نامہ مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔ ممکن ہے میرا یہ خیال صحیح نہ ہو کیونکہ میری معلومات محدود ہیں اور اقبال لاہوری ایسے بلند اور عظیم المرتب انسان کی تصنیفات کا جائزہ لینے کے لئے بہت زیادہ علم و مطالعہ کی ضرورت ہے۔

جاوید نامے کی فصل (فلک عطارد اور فلک زحل) میں اس صدی کا عظیم الشان شاعر مشرق اپنے بلند اور عمیق اجتماعی نظریات کو نہ فقط ہندی مسلمانوں کے لئے بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے فائدے کے لئے بیان

درمیان کتب متعدد مرحوم اقبال شاعر بزرگ ملی پاکستان من جاوید نامہ را پیش از ہمہ می پسندم و از آن کتاب نیز بفصل فلک عطارد و فلک زحل علاقہ مندم.

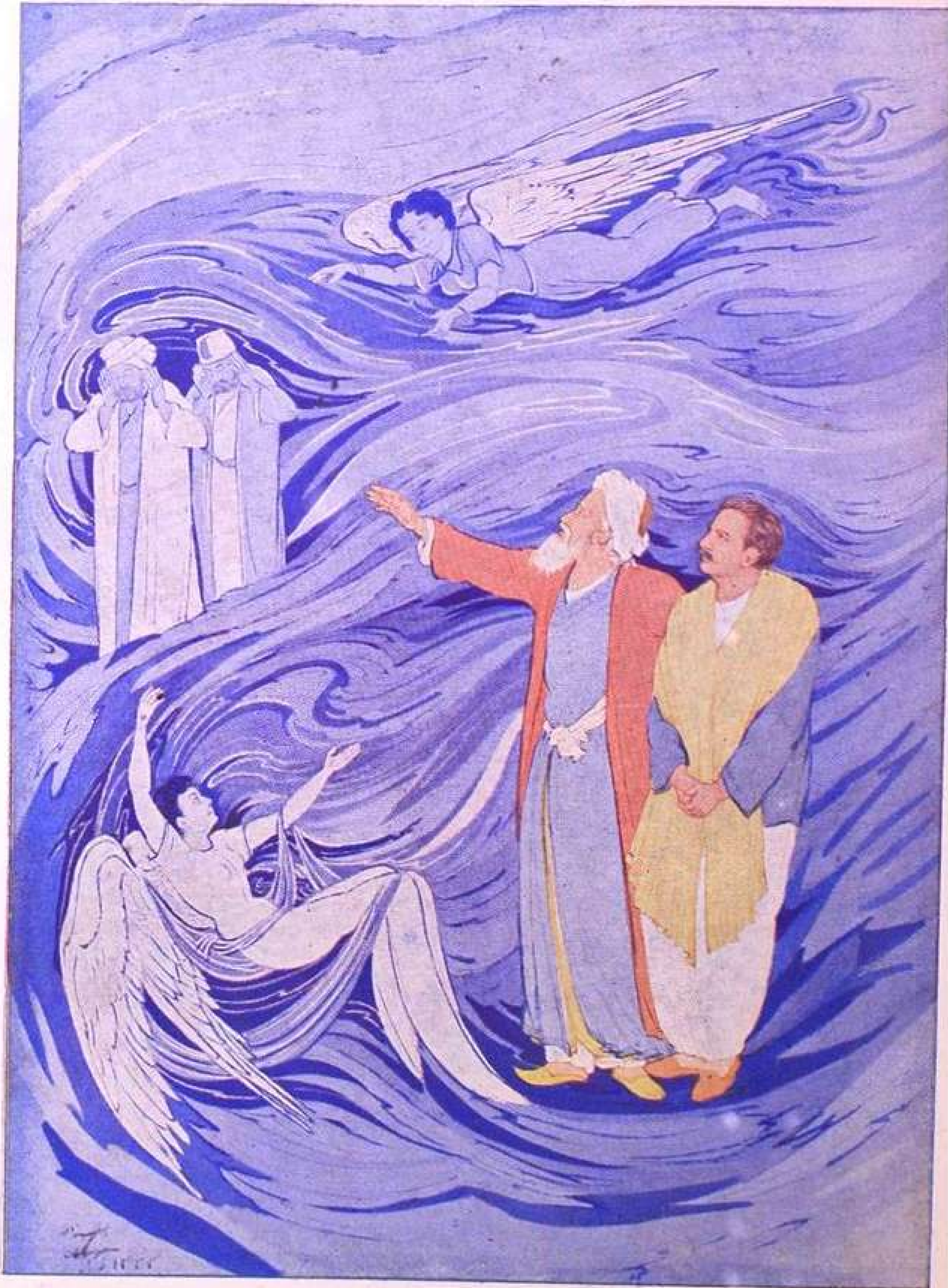
شاید ہم در این تشخیص بخطا رفتہ باشم چہ بضاعت من مزجات است و فہم درک آثار مردان بزرگی چون اقبال لاہوری پایہ و مایہ ای بیش از اینہا میخواہد.

ازین لحاظ کہ در این قسمت اول شاعر بزرگ قرن اخیر مشرق زمین افکار بلند و عمیق اجتماعی را نہ فقط برای ہندیان بلکہ برای کلیہ مردمان مسلمان

من نیابم از حیات اینجا نشان — از کجا می‌آید آواز اذان

گفت رومی این مقام اولیاست — آشنا این خاکدان با خاک ماست

رفتم و دیدم دو مرد اندر قیام — مقتدی تاتار و افغانی امام



بپاس مودت دیرین پاکستان و ایران این تابلو که یکی از نشانه‌های پیوستگی روحی دو ملت است بوسیله دوست عزیزم خواجه عبدالحمید عرفانی که خود بهترین وسیله تجدید و تحکیم روابط معنوی پاکستان و ایران بوده اند بملت شریف پاکستان تقدیم میدارد.

حسین بهزاد مینیاتور

کرتا ھے۔ اور ایک عجیب بلند نظری کے ساتھ انکو چھوٹے چھوٹے اختلافات جو وطن اور سیاسی سرحدوں اور مذھبی مناقشات سے متعلق ھیں، کے خطر سے آگاہ کرتا ھے اور ساتھ ھی مغرب کے علم و دانش سے (بغیر کور کورانہ تقلید کے) استفادہ حاصل کرنے اور دین مبین اسلام کے اصولوں کو حفظ کرنے کی تلقین کرتا ھے۔

اقبال اسی فصل کے دوسرے حصے میں ھندوستان کی حالت کو نہایت موثر طریقے سے مجسم کرتا ھے۔ اقبال کی نگاہ میں دنیا بے معنی مباحث اور اختلافات سے کہیں زیادہ اھمیت رکھتی ھے۔ اقبال کی نگاہ ایک بلند فکر عارف کی نگاہ ھے وہ زندگی کے ظواھر سے استغنا اور در عین حال حقیقت زندگی کا وقوف حاصل کرنیکا راستہ اپنے ھموطنوں اور ھم مذھبوں کو دکھاتا ھے۔ اقبال نے ایک بہت بڑے کام کا بیڑا اٹھایا اور الحق اسے خوب انجام دیا۔

جهان بیان میکند و با یک بلند نظر عجیبی آنان را از اختلافات ناچیز از بگو مگوهای مربوط بوطن و مرزهای سیاسی و مناقشات مذهبی بر حذر داشته ایشانرا به تبعیت از جهان دانش مغرب زمین ولی بدون تقلید صرف نگهداشتن اصول دین مبین اسلام دعوت میکند.

در قسمت ثانی وضع هند را بصورت موثری مجسم مینماید. در نظر او دنیا بزرگتر از گفتگو های بی حاصل و اختلافات جزئی است. نظر اقبال نظر عارف منیع الطبعی است که در عین استغنای از ظواهر زندگی دانستن حقیقت حیات و سر بهتر استفاده کردن از آن را برای هموطنان و هم مذهبان خویش روشن میکند. این وظیفه بزرگی است که اقبال بر عهده گرفته و خوب از عهده بر آمده است.

اس قسم کے شاعر دنیا میں بہت پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن ہم جرأت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ کسی شاعر کو اپنے ملی اور اجتماعی مقاصد کے حصول میں وہ کامیابی میسر نہیں ہوئی جو اقبال کو اور شاید ہم کسی شاعر کی مثال پیش نہیں کر سکتے جسکو روشن دل اور بلند نظر اقبال کے برابر عام مقبولیت حاصل ہوئی ہو اور جس نے اپنے ملک کے اجتماعی اوضاع پر اقبال کے مانند حیرت انگیز اثر ڈالا ہو۔ اور اگر ہم کہیں کہ پاکستان ایسی عظیم اسلامی حکومت کو وجود میں لانے کی اقبال کی کوشش مرحوم جناح سے کسی طرح کم نہیں تو ہم نے کوئی مبالغہ نہیں کیا۔ شاعر ملی پاکستان کا لقب اس بلند پایہ شاعر کے لئے نہایت موزون ہے۔ اقبال اهل یورپ کے متعلق بد بین تھا۔ اس نے اپنے عمیق تفکر کی بدولت اهل مغرب

از این گونه شعرا در جهان بسیار پیدا شده اند ولی میتوانم بجرأت بگویم که هیچ شاعری در منظور های ملی و اجتماعی خویش باندازۀ مرحوم اقبال پیشرفت نکرده و کمتر گوینده ای میتوانم بیابیم که از لحاظ مقبولیت عامه و بالنتیجه تاثیر شگرف در اوضاع اجتماعی کشور بپای آن شاعر روشن دل و بلند نظر برسد و اگر در اینجا بگویم که کوشش مرحوم اقبال در بوجود آوردن دولت عظیم مسلمان پاکستان از لحاظ تاثیر کمتر از اقدامات سیاسی و شدید شاد روان جناح نبوده ، سخن باغراق نگفته ام.

این شاعر بلند پایه که بر حق لقب شاعر ملی پاکستان یافته نسبت باروپائیان سخت بدبین بوده و با فکر عمیق اوضاع* در هم و برهم حیات اجتماعی غربیان را سنجیده و مو بمو معایب آنرا برای هموطنان خویش

کی اجتماعی زندگی کے عیوب کا جائیزہ لیا اور انکے نقائص کو اپنے هموطنوں اور تمام هم مذهبوں کی آگاهی کے لئے بیان کر دیا ہے۔

جاوید نامه اقبال کی تصنیفات اور اسکے افکار کا خلاصه ہے۔ یہاں اقبال ایک پورے طور پر ایک مفکر اجتماعی اور ملی اعمال کے علمبردار کی حقیقت سے ظاهر هوتا ہے۔



بلکه کلیه همکیشان خود بیان داشته , جاوید نامه، روح کتب و افکار و عقاید اقبال است و فلک عطارد و زحل ما حصل و نتیجه' آن کتاب درین فصل است که اقبال کاملا بصورت یک متفکر اجتماعی بآمال ملی ظاهری متجلی میشود.

سرمد اور اقبال

صادق سرمد شاعر شہیر ملی ایران کا شمار ایران کے چوٹی کے معاصر شعراء میں ہوتا ہے مگر اس کے علاوہ سرمد کو ایرانی ادبی سوشل اور سیاسی حلقوں میں بھی ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے - آپ شاعردربار بھی ہیں اور اعلی حضرت شاہنشاہ کے قانونی مشیر بھی اور کئی سال ایرانی سینیٹ (Senate) اور مجلس کے ممبر کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے ہیں

سرمد انواع مختلف شعر میں غیر معمولی قدرت رکھتے ہیں اور ان کی غزلیں قطعات اور رباعیات جواکثر ایرانی جرائد میں منتشر ہوتی رہتی ہیں بلاغت اور روانی کی وجہ سے مشہور ہیں مگر سرمد کی پختگی طبع اور قدرت کلام کا بہترین نمونہ ان کے قصائد ہیں -

بہار کی طرح سرمد بھی اقبال سے دیر میں آشنا ہوئے مگر ہند و پاکستان میں غالبا کسی شاعر نے اقبال کی تجلیل میں اتنے زیادہ اور اس قدر بلیغ اشعار نہیں لکھے جتنے صادق سرمد نے - سرمد حقیقتاً اقبال کا عاشق ہے - سرمد ایک اہل علم کے اور اہل عرفان خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور اقبال اس کے نزدیک ایک بہت بڑا شاعر ہی نہیں بلکہ اسلام اور دنیای اسلام کا ہیرو ہے - وہ بلند آواز سے کہتا ہے :—

اقبال بزرگ است کہ در عالم توحید
از بت شکنی دشمن اصنام بزرگ است

,, یعنی اقبال اس لئے بزرگ ہے کہ توحید کی دنیا کی اس نے خدمت کی اور بڑے بڑے بتوں کا وہ دشمن ہے ،، سرمد کو اقبال سے گہری عقیدت

ہے اور جب وہ اعلی حضرت شاہنشاہ ایران محمد رضا شاہ پہلوی کے ہمراہ پانچ سال قبل پاکستان آئے تو شالیمار باغ لاہور میں ایک قصیدہ پڑھا جس میں اقبال کی طرف اشارہ اور اسے خراج تحسین پیش کیا :—

ای مسلمانان پنجابی زھی اقبالتان
کز دم اقبالتان مقبول شد آمالتان
نغمۂ اقبالتان سوی قطار آورد باز
ای مسلمانان پنجابی زُھی اقبالتان
گر چراغ لالہ صحرا ی اقبالی نبود
شمع این محفل نمی شد روشنی حالتان
فکر خود کردید و اسرار خودی آموختید
لا جرم بی خود نشد نزد خدا اعمالتان

۱ - ترجمہ :—

ای پنجاب کے مسلمانوں تمہارا اقبال کتنا اچھا ہے۔ تمہارے اقبال کے دم سے تمہاری آرزوئیں مقبول ہوگئیں ۔

اقبال کا نغمہ تمہیں اپنی قطار میں واپس لے آیا ۔ ای پنجابی مسلمانوں تمہارا اقبال کتنا اچھا ہے ۔

اگر اقبال کے لالہ صحرائی کا چراغ موجود نہ ہوتا ۔ تمہاری روشنی اس محفل کی شمع نہ بن سکتی تھی۔

تم نے اپنا خیال کیا اور اسرار خودی کو سیکھ لیا ۔ خدا کے نزدیک یقیناً تمہاری کوششیں بے سود ثابت نہیں ہوئیں ۔

لیکن سب سے مشہور سرمد کا وہ قصیدہ ہے جو انہوں نے پانچ سال قبل

یوم اقبال کے تاریخی جلسے میں جو ملک الشعرا بہار کی صدارت میں ہو
پڑھا۔ اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے:

اگر چه مرد بمیرد بگردش مه و سال
نمرده است و نمیرد محمد اقبال

یہ قصیدہ زور بیان، انسجام و روانی اور خلوص میں کم نظیر ہے۔

۱۹۵۰ کے شروع میں سرمد هیئت فرهنگی ایران کے عضو کی
حیثیت سے پاکستان تشریف لائے اور لاہور میں علامہ اقبال مرحوم
کے مزار پر انہوں نے یہ قصیدہ پڑھا۔

ای که مردی و سخن شد زنده از اقوال تو
نقد پاکان شد رواج از سکه اقبال تو

اقبال سے عشق و عقیدت سرمد کی ادبی زندگی کا ایک حصہ ہوچکی ہے اور
وہ ہمیشہ پاکستان کے ساتھ فرہنگی اور ادبی روابط کے لئے کوشاں رہے ہیں۔
وہ اس سال انجمن فرہنگی ایران و پاکستان کے نائب صدر منتخب کئے
گئے ہیں۔ ذیل میں ان کے قصاید نقل کئے جاتے ہیں۔

قصیدهٔ روز اقبال (اپریل ۱۹۵۰)

اگر چه مرد بمیرد بگردش مه و سال
نمرده است و نمیرد محمد اقبال

اگر چہ مہ و سال کی گردش سے آدمی مر جاتا ہے لیکن محمد اقبال
نہیں مرا اور نہ مرے گا۔

حیات صورتش ار طی شده است ، طی نشود
حیات سیرتش ، ارطی شود هزاران سال

اگر چه اس کی ظاہری زندگی ختم ہوگئی ، اس کی سیرت کی زندگی ہزاروں سال گذر جانے پر بھی ختم نہ ہوگی

بیاد روز بزرگش کہ روز اقبال است
درود باد بر این بزم و روز فرخ فال

اس بڑے دن کی یاد میں جسے یوم اقبال کہتے ہیں اس مجلس اور مبارک اس دن پر درود ہو۔

درود با بلاہور و خطہ پنجاب
کہ زاد و پرورد این شاعر خجستہ خصال

شہر لاہور اور خطہ پنجاب پر درود ہو جس نے اس مبارک خصلت والے شاعر کو پرورش کیا۔

بر غم ہر چہ چمن زاد و ناز پرورد است
زخاک مردہ دمید آیت جمال و جلال (۱)

ہر اس شخص کے مقابلہ میں جو چمن میں پیدا ہوا اور نازوں میں پلا یہ جمال و جلال کا بہترین نمونہ ایک مردہ خاک سے پیدا ہوا ۔

---

(۱) اشارہ باین شعر اقبال است کہ در مقایسہ حال خود با گوتہ آلمانی گفتہ است :—

او چمن زادی چمن پروردہ ای
من دمیدم از زمین مردہ ای

زخاک مردہ دمید آیت حیات چنانک
حیات دولت پاکان از او گرفت کمال

یہ آیت حیات مردہ خاک سے وجود میں آئی اور پاکستان کی حکومت نے اس سے کمال حاصل کیا

چو شمع منزل ویران خود نفس میسوخت
کہ طوف سوزش پروانہ ای زند پرو بال (۲)

ویرانہ میں جلتی ہوئی شمع کی طرح وہ جلتا رہا تاکہ کوئی پروانہ اس کے طواف میں پرواز کرے

چراغ لالہ شد و آنقدر بصحرا سوخت
کہ شمع محفل اقبال گشت و روشن حال (۳)

وہ گل لالہ کا چراغ بن گیا اور صحرا میں جلتا رہا حتی کہ اقبال کی محفل کی شمع نے اس سے روشنی اخذ کی

زمام ناقہ اسلام زی قطار کشید (۴)
اگرچہ دست طبیعت بدو نداد مجال

وہ اسلام کے ناقہ کو اس کی قطار کی طرف کھینچ لایا اگرچہ تقدیر کے ہاتھ نے اس کو موقع نہ دیا۔

(۲ , ۳) اشارہ بہ قطعہ شمع و پروانہ اقبال است کہ در آن میگوید :—

مدتی مانند تو ای هم نفس میسوختم
در طواف شعلہ ام بالی نزد پروانہ ای

(۴) اشارہ باین بیت اقبال است کہ میگوید :—

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوی قطار میکشم ناقہ بی زمام را

درست خواهی آغاز زندگی مرگ است

که میکشند بمیزان صحیفه اعمال

سچ پوچھو تو زندگی کا اصلی آغاز موت ہے کیونکہ اسی وقت اعمال نامہ کو ترازو میں تولتے ہیں

حدیث چشمہ حیوان و دولت جاوید

حقیقتی است که فہمش نمیکند جہال

چشمہ زندگی اور ہمیشہ کی دولت کا بیان ایک ایسی حقیقت ہے جس کو جاہل نہیں سمجھ سکتے۔

زلال چشمہ ایمان بنوش و باقی باش

که آب چشمہ حیوان از آن گرفت زلال

ایمان کے چشمہ سے پانی پیو اور ہمیشہ باقی رہو چشمہ آب حیات نے بھی وہیں سے پانی حاصل کیا ہے۔

کسیکہ زندہ بحق شد چو حق نمیرد

که بر وجود و عدم حق و باطل است مثال

جوشخص حق کی بدولت زندہ ہوتا ہے اس کو حق کی طرح موت نہیں آتی وجود اور عدم کی حق اور باطل مثال ہیں۔

رجال حق همه آیات ذات لم یزلند

حیات لم یزلی کسی شود اسیر زوال

مردان حق خدای لم یزل کی آیات کی مانند ہیں؛ حیات لم یزال کس طرح زوال پذیر ہوسکتی ہے ؟

ببین بہ صفحہٴ تاریخ و حق مردان بین
کہ نیست تاریخ الامساعی ابطال

تاریخ کے صفحات پر نگاہ دوڑاو اور مردوں کے کارنامے دیکھو: تاریخ کیا ہے بڑے بڑے لوگوں کے کارناموں کا نام ہے۔

بطل شنیدی و نشناختی بطل، زیراک
بطل شناس نہٴ زان سبب شدی بطال

تونے عظیم الشان آدمی کے متعلق سنا مگر اس کو نہ پہچانا کیونکہ توعظمت کو نہیں پہچان سکتا اس لئے توبے بہرہ ہوگیا

بطل نہ آنکہ با آواز طبل خواند سرود
بطل نہ آنکہ بہ شیپور رزم شد طبال

بڑا شخص وہ نہیں ہوتا جو ڈھول کے ساتھ بلند آواز سے گائے نہ وہ جو شیپور جنگ کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔

بطل نہ آنکہ سپر کرد سینہ بر باطل
کہ حق مردم بیدست و پاکند پامال

نہ وہ جس نے باطل کی حمایت میں سینہ سپر کیا تاکہ وہ کم زور لوگوں کے حق کو پامال کرسکے۔

بطل کسیکہ بروز بلا بلا جوید
کہ دفع شرکند از خیر خلق بد احوال

بطل وہ ہے جو مشکل کے وقت مشکل کی جستجو کرے اور بد حال لوگوں سے اپنی نیکی کی بدولت شر دور کرے

بطل کسیکه بشر را بحق هدایت کرد
که باطلش نکشاند به پرتگاه ضلال

بطل وہ ہے جو بشر کو حق کی طرف ہدایت کرے تا کہ باطل اس کو تباہی کے کنارے کھینچ کر نہ لیجائے۔

چنین بطل که ادا کرد حق خدمت خلق
خدای خود نکند حق خدمتش ابطال

ایسا بطل جو لوگوں کی خدمت کا حق ادا کرتا ہے خدا اس کی خدمت کو ضائع نہیں ہونے دیگا۔

درود باد بر ابطال حق که از دستشان
مسیح زنده شود روز رجعت آمال

ابطال حق پر درود ہو کیونکہ انہی کے ہاتھ سے مسیح زندہ ہوگا امید برآری کے دن۔

قیام مرد خدا کمتر از قیامت نیست
که بعث ملت و دولت کند باستعجال

مرد خدا کا قیام قیامت سے کم نہیں کیونکہ وہ ملت اور دولت کو نہایت تھوڑے وقت میں زندگی دیتا ہے۔

گواه دولت پاکان ببین به پاکستان
که خود چگونه بر افراشت پرچم اقبال

پاکستان کی حکومت کا گواہ پاکستان میں دیکھو کہ کس طرح انہوں نے پرچم اقبال بلند کیا ہے۔

اگر چه قائد اعظم به نهضت پاکان
جناح لشکر اسلام بود و قلب رجال

اگر چه تحریک پاکستان میں قائد اعظم لشکر اسلام کا بازو اور ملت کے دل کی مانند تھا۔

بحق دولت پاکان عظیم خدمت کرد
عظیم بادا اجرش ز ایزد متعال

اور دولت پاکستان کے حق میں اس نے بڑی خدمت کی جس کا خدای متعال اسے اجر عظیم عطا کرے۔

ولیک نغمۂ اقبال اگر نبود، نبود
نوای لشکر پاکان سرود استقلال

لیکن اگر اقبال کا نغمہ اگر نہ ہوتا تو پاکستان کی فوجوں کا گیت آزادی کا گیت نہ بنتا۔

سخن سرائی اقبال بذر دین افشاند
برغم دشمن بیدین و کافر قتال

اقبال کے کلام نے دین کا بیج بویا بے دین اور کافر اور قتال دشمن کی مخالفت کے باوجود۔

بخوان، زبورِ عجم، وز، رموز اسرارش،
،،پیام مشرق،، بشنو بخوشترین اقوال

اس کی زبور عجم اور اس کی اسرار و رموز کا مطالعہ کرو اور پیام مشرق سے بہترین باتیں سنو۔

رسول وار بہ تبلیغ حق کتاب نوشت

که قدر حق بشناسد منافق محتال

اقبال نے رسول کی مانند حق کی تبلیغ کے لئے کتاب لکھی تا کہ حیلہ کرنے والے منافق حق کی قدر پہچانیں

اگر کتاب نبود و اگر رسول نبود

چہ بود غیرت ابطال و همت ابدال ؟

اگر کتاب نہ ہوتی اور رسول نہ ہوتے تو مُردان بزرگ اور ابدال کی ہمت اور غیرت کہاں سے آتی ؟

درود باد بر اقبال و سعی مقبولش

که عزت ابدی آمدش باستقبال

اقبال اور اس کی مقبول شدہ کوشش پر درود ہو ابدی عزت خود اس کے استقبال کو آئی ہے -

سخن سر آمد و سرمد مجال شعر نداشت

و گر نه حق سخن بود و جای بسط مقال

بات ختم ہوگئی اور سرمد کو شعر کہنے کا موقع نہ ملا وگرنہ یہاں شعر کہنا حق تھا اور وسیع بیان کی گنجائش تھی -

قصیدہ ایام بزرگ

هر کس که بتاریخ وی اقدام بزرگ است

در صفحه تاریخ از او نام بزرگ است

ہر شخص جس نے تاریخ میں کوئی بڑا کام کیا تاریخ کے صفحہ پر اس کا نام بڑا ہوگا -

ارقام بزرگ است به تاریخ فراوان
تاریخ و لیکن نه به ارقام بزرگ است

تاریخ میں بڑی تعداد میں نام پائے جاتے ھیں لیکن تاریخ ناموں کی زیادہ یا کم تعداد پر منحصر نہیں۔

تاریخ جز اقدام بزرگان چه بود ؟ هیچ
تاریخ نه آنرا که نه اقدام بزرگ است

تاریخ بزرگ لوگوں کے کارناموں کے سوا بے معنی ھے جس نے بڑا کام نہیں کیا اس کا تاریخ میں کوئی نام نہ ھوگا۔

تاریخ نه از هر چه برد نام بود نیک
بس نام که اندر خور دشنام بزرگ است

یه کوئی ضروری بات نہیں که جو نام تاریخ میں درج ھے وہ نام نیک بھی ھو بہت سے ایسے نام ھیں جو گالیوں کے لائق ھیں۔

بسیار کس آمد که زند لاف بزرگی
پنداشت که اقدام به اقدام بزرگ است

بہت سے ایسے لوگ ھیں جنھوں نے بڑا ھونے کا لاف مارا اور اسی کو ایک بڑا کام تصور کرلیا

پنداشت که در عالم اشباه و نظایر
ارواح بزرگان پس اجسام بزرگ است

بعض نے یه خیال کیا که عالم اشباه اور عالمِ ظاھر میں بزرگوں کی روحیں جو بڑے جسم میں نہاں ھیں بڑی ھوتی ھیں ؟

پنداشت که آثار بزرگی است بصورت
و آنرا که قد و قامت و اندام بزرگ است

اور جس کا قد و قامت بڑا ہو وہ بڑا ہوتا ہے اس نے جان لیا کہ بڑائی صرف ظاہری شکل پر منحصر ہے -

پنداشت که عیش خوش و مستی بزرگان
در ساغر پر باده و در جام بزرگ است

اس نے خیال کیا کہ بڑے لوگوں کی مستی ، خوشی اور عیش بھرے ہوئے پیالے اور بڑے جام میں ہے -

پنداشت که زیر فلک بی در و پیکر
اسباب بزرگی به در و بام بزرگ است

اس نے خیال کیا بے در و بے جسم آسمان کے نیچے اونچے اونچے در و بام بزرگی کا سبب ہوتے ہیں -

سرمایه بدست آورد آوخ که ندانست
سرمایه او مایه سرسام بزرگ است

اسنے مال و متاع حاصل کیا افسوس اسے معلوم نہ تھا کہ زیادہ مال و متاع بہت بڑا درد سر ہے -

بکشود درخانه و گستر سر خوان
پنداشت که اطعام وی اکرام بزرگ است

اس نے اپنا دروازہ کھول دیا اور دستر خوان پھیلا دیا اور خیال کرلیا کہ کھانا کھلانا ایک بڑا کام ہے -

انعام صفت دل به نعم بست و نه دانست
کاین آب و علف طعمهٔ اغنام بزرگ است

اس نے اپنا دل حیوانات کی طرح کھانے پینے میں لگادیا اور نہ سمجھا کہ یہ پانی اور گھاس تو بڑے بڑے مویشیوں کی خوراک ہے۔

اطعام ز اوصاف بزرگیست و لیکن
اکرام بزرگان نہ باطعام بزرگ است

کھانا کھلانا بڑائی کی صفت ہے لیکن بزرگوں کی بڑائی زیادہ کھانے کھلانے سے نہیں۔

آنراست بزرگی که به کام دل نا کام
در حلقهٔ ناکامان ناکام بزرگ است

بزرگی اس کا حق ہے جو ناکام لوگوں کی خدمت میں اور ناکاموں کے حلقہ میں سب سے بڑا ناکام ہو۔

آنراست بزرگی که ز عالم برد آلام
هر چند ز عالم به وی آلام بزرگ است

بزرگی اس کا حق ہےجو دنیا میں تکلیفیں اٹھائے جسقدر بڑی تکلیفیں اٹھائے گا اتنا ہی وہ بڑا ہوگا۔

چون صید بزرگ آمد و صیاد قوی گشت
پیدا ست پس دانه وی دام بزرگ است

جب بڑا شکار ھاتھ آگیا اور صیاد نے قوت حاصل کرلی تو ظاہر ہے کہ دانے کے نیچے بڑا دام لگا ہوا تھا۔

ادراک حقیراں نکند فہم بزرگی
کاین مسئلہ اندر خود افہام بزرگ است

چھوٹے لوگوں کی عقل میں بڑی باتیں نہیں آتیں یہ باتیں بڑی عقل والے کے لئے ہوتی ہیں۔

اقوام بزرگند بہ افکار بزرگان
وین سنت دیرینہ اقوام بزرگ است

قومیں اپنے بزرگوں کے افکار سے بڑائی حاصل کرتی ہیں بڑی قوموں کی یہی پرانی سنت چلی آتی ہے۔

اسرار بزرگی است پدیدار ز پیغام
چونانکہ نبی حامل پیغام بزرگ است

بزرگی کا راز پیغام و تعلیم سے ہویدا ہوتا ہے مثال یہ ہے کہ نبی ایک بڑے پیغام کا حامل ہوتا ہے۔

اقبال کہ پیغمبر پیغمبر حق بود
درحضرت حق صاحب انعام بزرگ است

اور اقبال جو خدا کے پیغمبر کا پیغمبر تھا اس کے لئے اللہ تعالی کے پاس بہت بڑا انعام ہے۔

فرعون بزرگ است چو اہرام و لیکن
اصنام بزرگ است کہ اہرام بزرگ است

فرعون اہرام مصر کی طرح بڑا ہے لیکن درحقیقت بت یا اہرام بزرگ نہیں ہیں۔

احرام چه بندی براحرام ؟ چو اقبال
رو سوی حرم کن که باحرام بزرگ است

احرام کے طواف کے لئے تم نے کیوں احرام باندھا ہے اقبال کی طرح حرم کی طرف رخ کرو۔

اقبال بزرگ است که در عالم توحید
از بت شکنی دشمن اصنام بزرگ است

اقبال اس لئے بڑا ہے کہ توحید کی دنیا میں اس نے بت توڑے ور بڑے بڑے بتوں کا دشمن ہے۔

اقبال بزرگ است که بر گردن اسلام
از خدمت بی منت وی وام بزرگ است

اقبال بزرگ ہے کیونکہ اسلام کی گردن پر اس کی بے لوث خدمت کی دین ہے۔

هر چند بزرگی است پدیدار ز آغاز
آغاز بزرگی به سر انجام بزرگ است

اگر چہ بزرگی اور عظمت ابتدا ہی سے ظاہر ہوجاتی ہے باعظمت ابتدا وہی ہے جس کا انجام اور نتیجہ بڑا ہو۔

اقبال به پاکستان بخشید سر انجام
بخشید بر او حق که به فرجام بزرگ است

اقبال نے پاکستان کو نتیجہ تک پہنچا دیا اور حق نے اقبال کو اس کا عظیم الشان بدلہ دیا۔

امروز به پاکستان ز اقبال بلندش
هنگامهٔ شادی است که هنگام بزرگ است

آج پاکستان میں اس کے بلند اقبال کا جشن شادی ہے اور یہ ایک بڑا موقع ہے۔

اقبال بزرگ است و لیکن نه بیک روز
کایام بزرگان همه ایام بزرگ است

اقبال بزرگ ہے لیکن صرف ایک دن کے لئے نہیں بڑے لوگوں کے سب دن با عظمت ہوتے ہیں۔

قصیده دانای راز

خدای عالمیان چون بنای خلقت کرد
نظام عالم خلقت بحکم فطرت کرد

جب خدائے کائنات نے دنیا کو پیدا کیا تو اس نے دنیا کا نظام قانون فطرت پر قائم کیا۔

من این حقیقت فطری بطبع دانستم
که هر چه کرد خدا در خور طبیعت کرد

میں نے اپنی فطری فراست سے اس حقیقت کو پہچانا کہ جو کچھ خدا نے کیا فطرت کے مطابق کیا۔

چو در سرشت بشر خوی اجتماعی دید
طبیعت بشری تابع جماعت کرد

جب اس نے انسان کی فطرت میں مل جل کر رہنے کی عادت دیکھی تو فطرت انسانی کو اس نے جماعت کے تابع کردیا۔

طباع آدمیان چون باختلاف افتاد

هر آدمی بطریقی بخلق خدمت کرد

جب انسانوں کی طبیعتوں میں اختلاف پیدا ہو گیا تو ہر شخص نے مختلف طریقوں سے خلق کی خدمت کی۔

یکی طریق تجارت سپرد و مال اندوخت

کہ بذل مال توان کرد و کسب شہرت کرد

کسی نے تجارت کا راستہ انتخاب کیا اور دولت جمع کرلی کیونکہ مال و دولت کے بدلے شہرت حاصل کی جاسکتی ہے۔

یکی طریق زراعت سپرد و بذر افشاند

کہ میتوان بزراعت وفور نعمت کرد

کسی نے زراعت شروع کی اور بیج بوئے کیونکہ زراعت کے ذریعے نعمت میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

یکی بعلم گرائید و بر ہنر افزود

و زین طریق ہنر ہا بعلم و صنعت کرد

کسی نے علم حاصل کیا اور ہنر سیکھا اور اس طرح اس نے علم اور صنعت میں ہنر کا اضافہ کیا۔

ولیک زین ہمہ یکتن بمرد حق نرسید

کہ از گروہ پراگندہ جمع امت کرد

لیکن ان میں سے کوئی بھی مرد حق کے پایہ کو نہیں پہنچتا جس نے پراگندہ لوگوں کو اکھٹا کرکے ملت پیدا کی۔

هزار منعم مفلس فدائے یکتن باد

که بعث ملت و دولت بیمن همت کرد

هزاروں ثروت مند اور مفلس اس ایک شخص کے قربان ہوں جس نے اپنی ہمت سے ملت اور حکومت پیدا کی۔

من این فضیلت در شان انبیا دیدم

که جز نبی نه کسی درک این فضیلت کرد

میں نے یہ فضیلت نبیوں کی شان میں دیکھی ہے بغیر نبی کے کوئی اور اس بزرگی کو نہیں پہنچ سکتا۔

فضیلت نبوی در نیافت کس الا

که کسب معرفت از مکتب نبوت کرد

نبیوں جیسی فضیلت کسی نے حاصل نہیں کی سوائے اس کے جس نے اپنا عرفان نبوت کے مکتب سے حاصل کیا۔

اگر بصفحهٔ تاریخ بنگری بینی

بسا کسا که بصورت بنای دولت کرد

اگر تو تاریخ کا مطالعہ کرے تو دیکھے گا کئی اشخاص نے ظاہر طور پر حکومت کی بنیاد رکھی ہے۔

هزار صاحب ثروت بقدرت زر و زور

بساط عیش فگند و بنای عشرت کرد

هزار ثروتمند اشخاص نے زر اور زور کے ذریعے عیش و عشرت کی بساط ڈالی۔

هزار طالب شہرت بفکر شیطانی
فریفت جامعہ و فتنہ در سیاست کرد

ہزاروں طالبان شہرت نے شیطانی فکر کے ذریعے سے لوگوں کو فریب دیا اور سیاست میں فتنہ برپا کیا۔

هزار حاکم مطلق بدین گمان که توان
بخلق روی زمین تا ابد حکومت کرد

ہزاروں مطلق حاکموں نے یہ خیال کیا کہ زمین کے باشندوں پر ہمیشہ کے لئے حکومت کرسکتے ہیں۔

نشست در پس دیوار آهنین بغرور
بدین گمان که مسخر جهان ز قدرت کرد

اور وہ آہنین دیوار کے پیچھے غرور سے متمکن ہوگئے اس خیال میں کہ طاقت سے جہان کو مسخر کرسکتے ہیں۔

عجب که چون بسر آمد حیات صورتشان
کسی نبود تو گوئی که با تو صحبت کرد

لیکن عجب بات یہ ہے کہ جب ان کی ظاہری زندگی ختم ہوئی تو ایسا معلوم ہوا ان کا سرے سے وجود ہی نہیں تھا جس سے کسی نے مصاحبت کی ہو۔

حیاتشان همه نقش بر آب شد چو حباب
که چون حباب شکست آنکه نقش صورت کرد ؟

ان کی ساری زندگی حباب کی طرح نقش بر آب ہوگئی اور جو ان کی صورت کا نقش تھا حباب کی طرح پھٹ گیا۔

ولیک مرد خدا را خدای مرگ نداد
مگر که قالب صورت بدل بسیرت کرد

لیکن مرد خدا کو خدا موت نہیں دیتا مگر اس کا ظاہری قالب سیرت میں تبدیل کردیتا ہے۔

حیات مرد خدا در حیات ملتہا ست
کہ مرد حق سر و جان در حیات ملت کرد

مرد خدا کی زندگی ملت کی زندگی میں مدغم ہوتی ہے کیونکہ مرد حق اپنی جان اور سر کو ملت کی زندگی کے لئے فدا کرتا ہے۔

اگر شنیدہ ای این داستان کہ در تاریخ
کسی تواند یا دولتی کہ رجعت کرد

کیا تو نے تاریخ میں یہ بات دیکھی ہے کہ کوئی گئی ہوئی حکومت کو واپس لے آئے ؟

و گر بگوش تو خواندند انبیا و رسل
کہ حق بخلق خدا وعدۂ قیامت کرد

تیرے کان میں نبیوں اور رسولوں نے فرمایا ہے کہ خدا نے لوگوں سے قیامت (رستاخیز) کا وعدہ کیا ہے۔

ہمہ ز رجعت حق وز قیامت ملی
حقیقتی است کہ ہر کس از آن روایت کرد

حق کی رجعت اور ملت کی رستاخیز ایسی حقیقت ہے جس کا ہر ایک نے ذکر کیا ہے۔

نشان رجعت حق بین بخاک پاکستان
که حق بدولت خود بازگشت و عودت کرد

خدا کی رجعت کی نشانی ملک پاکستان میں دیکھو کہ کس طرح حق ان کی حکومت کو دوبارہ ملا اور اس کے پاس لوٹ آیا۔

لوای دعوت اسلام بر سر پاکان
فراشت رایت اقبال و بعث دولت کرد

پاکستان کے لوگوں کے سر پر اسلام کی دعوت کے پرچم نے اقبال کا پرچم بلند کیا اور نئی حکومت کی بنیاد ڈالی۔

درود باد بر اقبال و معجز سخنش
که معجز سخنش عالمی بحیرت کرد

اقبال اور اس کے اعجاز سخن پر درود ھو اس کے اعجاز کلام نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔

زخاک مردہ بر آورد چشمه سار حیات
وزان حیات ابد جست و خرق عادت کرد

اس نے مردہ خاک سے زندگی کا چشمہ پیدا کیا اور اس سے حیات ابدی حاصل کی اور غیر معمولی کام انجام دیا

دم از خودی زد و بیگانه راند از سرخویش
بلی بخود رسد آنکو ز حق اطاعت کرد

اس نے خودی کا بیان کیا اور خارجی کو اپنے ھاں سے نکال دیا سچ ھے جو حق کی اطاعت کرے وہ اپنے آپ کو پالیتا ھے۔

نبود شاعر بل موجد حکومت بود
سرود شعر ولی شاعری وسیلت کرد

وہ محض شاعر ہی نہ تھا بلکہ ایک حکومت کا موجد تھا اس نے شعر کہے مگر شاعری فقط ایک ذریعہ تھا۔

مشیت ازلی بر مراد ملتہاست
کہ در ارادۂ ملت حق اینٔ مشیت کرد

ازلی مشیت ہمیشہ قوموں کی مراد کے مطابق ہوتی ہے کیونکہ خدا نے مشیت ایزدی ملتوں کے ارادوں میں رکھی ہے۔

درود باد بدانای راز پاکستان
کہ خلق را ز خود آگہ بسر وحدت کرد

پاکستان کے دانای راز پر درود ہو کہ اس نے لوگوں کو اپنے آپ سے وحدانیت کی بدولت آگاہ کیا۔

درود باد بامروز و صاحب امروز
کہ روزگار بنامش صحیفہ زینت کرد

امروز اور صاحب امروز پر درود پہنچے۔ زمانے نے اس کے نام سے اپنے صفحے کو زینت دی ہے۔

درود باد بر اقبال و جان حق طلبش
کہ ہرچہ کرد بحق کرد و با حقیقت کرد

اقبال اور اس کی حق طلب روح پر درود ہو جو کچھ اس نے کیا حق اور حقیقت کی نظر سے کیا۔

قصیدہ ذیل سرمد نے ۱۹۵۵ میں اقبال کے مزار پر پڑھا

سکہ اقبال

ایکہ مردی و سخن شد زندہ از اقوال تو
نقد پاکان شد رواج از سکہ اقبال تو

تونے وفات پائی لیکن شاعری تیرے کلام سے زندہ ہوگئی۔ تیرے سکے کی بدولت پاکستان کی دولت نے رواج پایا۔

تو اگر مردی بصورت خود بسیرت زندہ ای
کز فنا ایمن بود جان تو و امثال تو

تیری موت صرف ظاہر کی موت ہے کیونکہ تیری سیرت زندہ ہے تیری اور تجھ جیسے لوگوں کی جان فنا سے مصون ہوتی ہے۔

تو بسیرت زندہ ای کاندر حیات اجتماع
ملتی را زندہ کرد اندیشہ و آمال تو

تیری سیرت زندہ ہے کیونکہ اجتماعی زندگی میں تیرے تفکر اور تیری آرزو نے ایک ملت کو زندہ کردیا۔

گر نماندی تا بہ بینی کاروان در منزل است
شد درای کاروان آوای سوز و حال تو

اگرچہ تو اس وقت تک زندہ نہ رہا کہ کاروان کو منزل رسیدہ دیکھ سکے لیکن تیرے سوز اور حال کی آواز ھی درائے کاروان تھی۔

گر نماندی تا نصیب از کشتہ خود بدروی
شد نصیب ملت تو حاصل اعمال تو

اگرچہ تو زندہ نہیں کہ اپنے بوئے ہوئے کو کاٹ سکے لیکن تیرے اعمال کا حاصل تیری ملت کو نصیب ہوا۔

گرچہ ذوق نغمہ کم دیدی نوا شیرین زدی
لا جرم شیرین نوا شد نغمہ قوال تو

اگرچہ تو نے لوگوں میں ذوق نغمہ کم دیکھا پھر بھی تیری نوا شیرین تھی بلاشک تیرے قوال کا نغمہ ایک شیرین نوا تھا۔

نقش فطرت خواند فکرت از ضمیر کائینات
مرحبا بر فطرت و بر فکرت جوال تو

تیرے فکر نے ضمیر کائینات سے فطرت کا نقش مطالعہ کیا تیری فطرت اور فکر جوال پر آفرین ہو۔

شاعران را گاہ ساحر خواندہ اند وگہ نبی
تو ہمینی و ہمانی چیست قیل و قال تو؟

شاعروں کو کبھی ساحر اور کبھی نبی کہا گیا ہے تو یہ بھی ہے اور وہ بھی ہے۔ یہ تیرا کلام کیا ہے!

اشارہ ہے عرفی کے شعر کی طرف کہ :-
نوا را تلخ تر میزن چو ذوق نغمہ کمیابی
حدی را تیز تر میخوان چو محمل را گران بینی

شاعران را گہ مفکر گاہ ملہم خواندہ اند
تو چنینی و چنانی ایخوشا بر حال تو

شاعروں کو کبھی مفکر اور کبھی ملہم کہا گیا ہے تو یہ بھی ہے اور وہ بھی ہے تو کتنا خوش قسمت ہے۔

شُاعر است آنکس کہ امیالش بر آید از سخن
تو ہمانی کز سخن پیدا بود امیال تو

شاعر وہ ہے جس کی آرزو اس کے شعر سے پیدا ہو۔ تو وہی ہے جس کے شعر سے آرزو ظاہر ہوتی ہے۔

خاک پاکستان بشعرت پاک شد از لوث شرک
آفرین بر شعر نغز و معجز اقوال تو

تیرے شعر سے پاکستان کی خاک شرک کی گندگی سے پاک ہوگئی تیرے عالی شعر اور تیرے کلام کے معجزہ پر آفریں۔

تو سخن را تازہ کردی بر مذاق روزگار
تا نگردد صید ماضی حال و استقبال تو

تو نے زمانے کے مذاق کے لئے شعر کو تازگی بخشی تاکہ تیرا حال اور استقبال زمانہ ماضی میں گرفتار نہ رہے۔

چون بہ تبلیغ حقائق رہبر است شدی
تو بہ پیش امت و امت شد از دنبال تو

حقائق کی تبلیغ کے لئے تو ملت کا رہبر بن گیا ، تو امت کا پیشوا ہے اور ملت تیرے پیچھے ہے۔

تو بمیزان حقیقت شعر خود سنجیده ای
حق توان سنجید بر میزان و بر مکیال تو

تو نے حقیقت کی میزان پر اپنے شعر کو جانچا ہے ہاں! تیری میزان اور پیمانہ پر حق کو جانچا جاسکتا ہے۔

شاعران خاک پاکان را سزد درکار شعر
شاعری ورزند بر معیار و بر منوال تو

پاکستان کے شاعروں کو چاہئے کہ شعر گوئی میں تیرے معیار اور طریقے کو اختیار کریں۔

مرغ فکرت چون عقاب تیز پر بالا گرفت
آفرین بر اوج فکر و موج پر و بال تو

عقاب تیز پر کی طرح تیر تخیل کا پرندہ بلند ہوا تیری بلندی تخیل اور پر و بال پر آفریں ہو۔

دولت اسلامیان را باز آوردی بہند
رجعتت نازم که طی شد بازی دجال تو

تو اسلامی حکومت کو دوبارہ ہند میں واپس لے آیا مجھے تیری اس واپسی پر فخر ہے تجھے فریب دینے والوں کی شرارت ختم ہوگئی۔

زندگی پیشوایان زندگی امت است
آفرینہا بر تو و بر امت فعال تو

پیشواؤں کی زندگی ملت کی زندگی میں مدغم ہوتی ہے۔ تجھ پر اور تیری فعال ملت پر آفریں ہو۔

عمرابناء بشر در سال و ماه آید ولیک
سال و ماه دیگران نبود چو ماه و سال تو

اگر چه انسان کی عمر ماہ اور سال میں حساب کی جاتی ہے دوسروں کے ماہ اور سال تیرے ماہ اور سال سے مختلف ہیں۔

گر همه عمر تو از این سال و مه یک روز بود
خود همیں بس بود با کیفیت احوال تو

ان سالوں اور مہینوں سے اگر تیری عمر فقط ایک دن ہی ہوتی تو تمہاری کیفیات حال کے پیش نظر وہ بھی کافی تھی۔

ای خجسته خاک پاکستان درود از خاک سند
تا به پیشاور و بر پنجاب و بر بنگال تو

پاکستان کی مبارک خاک پر۔ سند سے پیشاور تک اور پنجاب و بنگال پر درود پہنچے۔

نام تو اقبال شد زان بخت و اقبال بلند
شد نصیب کشورت از نام فرخ فال تو

تیرا نام اقبال ہے اس لئے بخت اور بلندی اقبال تیرے مبارک نام سے تیرے ملک کو نصیب ہوئی۔

این بود چارم قصیده گر پیت سرمد سرود
همچنان باقی است تفصیل تو و اجمال تو

یہ چوتھا قصیدہ ہے جو تیرے لئے سرمد نے کہا ہے لیکن تیرے متعلق مفصل و مختصر کئی باتیں ابھی باقی ہیں۔

اقتباس از تقریظ منظوم بر ''رومی عصر''

رومی عصر کیست؟ اقبال است

که چو رومی گزیده اقوال است

رومی عصر کون ہے، رومی عصر اقبال ہے کیونکہ اسکا کلام رومی کی مانند سخنان گزیدہ پر مشتمل ہے۔

گرچہ ملا روم یکتا بوُد

یک تنہ صد ہزار ملا بود

اگرچہ ملا روم یکتا تھا اور ایک واحد شخص ہوتے ہوئے لاکھوں علماء دین کے برابر تھا۔

لیکن اقبال شد ز پیرویش

یکی از پیروان معنویش

اقبال نے اسکی پیروی کی اور رومی کے روحانی شاگردوں میں شامل ہوگیا۔

رفت دنبال پیر و ملا شد

آگہ از راز پیر و برنا شد

اقبال نے مرشد کی پیروی کی اور مرشد کے مقام پر پہنچ گیا اور پیرو برنا کے راز سے آشنا ہوگیا۔

تا بداند بشر چہ باید کرد

سخن نغز جاودان آورد

یہ بتانے کے لئے کہ بشر کو کیا کرنا چاہئے اسنے عالی اور جاویدان اشعار کہے۔

زاد هندی ولی ز شور عجم
سخن آموخت از زبور عجم

اگرچہ وہ ہند میں پیدا ہوا لیکن اس میں عجم کا جوش تھا اور اس نے "زبور عجم" کو تلقین کا ذریعہ بنایا

در سخن سکۂ ہدایت زد
شرقیان را صلای دعوت زد

شعر کے ذریعے اس نے راہنمائی کا کام کیا اور مشرق کے لوگوں کو دعوت مطالعہ دی ۔

تافت چون شمس مہر افکارش
شد ہویدا رموز و اسرارش

اسکے افکار کا سورج آفتاب کیطرح چمکا اور اسکے "رموز و اسرار" ظاہر ہوگئے۔

آنچہ اندر پیام مشرق خواست
کار عالم بکار مشرق خواست

"پیام مشرق" میں اسکی یہ آرزو تھی کہ دنیا مشرق کی آرزوئیں انجام دے ۔

ناقہ شرع را زمام گرفت
قدرت از دولت کلام گرفت

اس نے شریعت کی ناقہ کی زمام ہاتھ میں لی۔ اور اس نے کلام کی دولت سے قوت حاصل کی۔

راہ در مکتب نبوت یافت
دولت از بعث ملک و ملت یافت

اس نے نبی اکرم کا راستہ اختیار کیا اور اسکو حکومت اور ملت کی بیداری نصیب ہوئی۔

محرم اندر حریم یزدان شد
راست خواہی گزیدہ انسان شد

وہ خدا کے حریم کا محرم ہوگیا اور سچ تو یہ ہے کہ ایک برگزیدہ انسان کے مقام پر پہنچ گیا۔

* * *
* *
*

اثر طبع آقـای کاظم رجوی

کاظم رجوی وزارت تعلیم ایران کے اعلی افسروں میں سے ہیں بحثیت شاعر انکا شمار بہترین معاصر شعرا میں ہے ۔ ادب میں غیر معمولی دسترس کے علاوہ انکو فلسفہ اسلامی اور ریاضیات میں بھی تبحر حاصل ہے ۔

آفرین بر ملک پاکستان و بر (اقبال) او
آهنین بنیان گزار کاخ استقلال او

ملک پاکستان اور اس کے اقبال پر آفرین! اقبال جس نے پاکستان کے کاخ آزادی کی مضبوط بنیاد رکھی ۔

شاعری کز گفته اش بر ملت خود جان دمید
برد بر اوج ثریا پایهٔ اقبـال او

وہ ایسا شاعر تھا جس کے کلام نے اس کی قوم میں جان پیدا کی اور اس کے اقبال کو ثریا کی بلندی تک لے گیا ۔

حال میهن را چو دید از گردش گردون نژند
در تب و تاب او فتاد از سختیٔ احوال او

جب اس نے گردش فلک کے ہاتھوں وطن کی بری حالت دیکھی اس کی بری حالت کو دیکھکر اس کا دل جلنے لگا ۔

غوطه ور شد در دل دریای ماضی سالها
تا ز طوفان برد بیرون رخت استقبال او

کئی سال وہ ماضی کے سمندر میں غوطہ زن رہا اور آخر کار قوم کے مستقبل کو طوفان سے بچالیا ۔

جان پاکان را ز دام جور ناکاپان رهاند
جامهٔ هستی بپوشانید بر آمال او

اس نے پاک لوگوں کو ناپاک لوگوں کے ھاتھ سے نجات دلائی اور اپنی قوم کی آرزوں کو ہستی کا جامہ پہنایا۔

از گروہی ناتوان قومی توانا آفرید
چون بجولان اوفتاد اندیشهٔ، احوال او

جونہی کہ اس کا تخیل جولانی میں آیا اسنے ایک ناتوان گروہ سے ایک توانا قوم پیدا کی۔

آهوی در پنجهٔ شیر نری سیداد جان
نیروی اقبال کرد آزادش از چنگال او

ایک نر شیر کے پنجے میں آھو جان دے رہا تھا اقبال کی قوت نے اس کو شیر کے پنجے سے آزاد کرایا۔

کاروانی راه استیصال می پیمود و وی
بست با بانگ درایش راه استیصال او

ایک کاروان تباھی کے راستے پر جارھا تھا اس نے اپنی ,,بانگ درا،، اس کی تباھی کا راستہ روک دیا۔

بر گروه خود شناسانید ز اسرار خودی
آنچه پنهان است اندر جوهر فعال او

اس نے قوم کو ,,اسرار خودی،، سے واقف کیا اور بتایا کہ خودی کے عملی جوھر میں کیا کیا پنہاں ہے۔

تا نپندارد که جام جم بدست دیگری است
بادۂ نابی است هم در جام مالا مال او

یہ خیال نہ کریں کہ جام جم کسی اور کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے بھرے ہوئے جام میں صاف شراب موجود ہے۔

وز (رموز بیخودی) آموخت بر بیگانگان
راہ و رسم آشنائی با زبان حال او

"رموز بیخودی" کے ذریعے اس نے ناآشناؤں کو زبان حال سے راہ و رسم آشنائی سکھائی۔

آری اسرار خودی خود راهنمای بیخودی است
تا ترا برهاند از خود خواهی و جنجال او

سچ ہے اسرار خودی بیخودی کی طرف راہنمائی کرتے ہیں تاکہ تجھکو خود غرضی اور اس کی پیچیدگیوں سے بچائیں۔

بیخودی یعنی، رهائی از خود و خود کامگی
محو گشتن در خدا و ذات بی تمثال او

بیخودی خودی اور خود غرضی سے رہائی ہے یہ خدا اور اس کی بے مثل ذات میں محو ہونا ہے۔

دیو خود خواهی است مایۂ تیره بختیهای ما
آدمی بدبخت شد زین غول و قیل و قال او

خود غرضی کا دیو ہماری بد بختیوں کا سبب ہے انسان اسی شیطان کی باتوں سے بدبخت ہوا۔

قاتل هر اتفاق و اتحاد مردم است
مار خود کامی و زهر مہلک و قتال او

خود غرضی کا سانپ اور اس کا مہلک زہر ہر اتفاق اور اتحاد کا قاتل ہے۔

گفت اقبال آنچه میبایست با اقوام شرق
از خرابیهای شرق و علت اغفال او

اقبال نے جو کچھ ضروری تھا مشرق۔ اور اس کے غافل گیر ہونے کے متعلق مشرق کی قوموں کو بتایا۔

کرد روشن با بیان روشن و گیرای خویش
راز این بیچارگی شرق و اضمحلال او

اقبال نے اپنے واضح اور دلچسپ بیان سے واضح کردیا کہ مشرق کی بے چارگی اور اس کے مضمحل ہونیکا راز کیا ہے۔

از پیام شرق او دنیای مشرق جانگرفت
تافت خورشید رشاد از مشرق اقوال او

اس کے پیام مشرق سے دنیای مشرق میں جان آگئی اس کے کلام کے مشرق سے هدایت کا خورشید طلوع ہوا۔

وزندای ،پس چه باید کرد ای اقوام شرق ،
شرق را بنمود راه عزت و اجلال او

اور ،،پس چه باید کرد ای اقوام شرق،، کی آواز سے اس نے مشرق کی عزت اور جلال کی طرف راهنمائی کی۔

خواند مشرق را بسوی دانش و کوشش ، چو دید
خواری مشرق زمین از جہل و از اہمال او

اس نے مشرق کو علم اور کوشش کی طرف بلایا جب اس نے دیکھا کہ مشرق کی خواری اس کی جہالت اور بے پروائی کا نتیجہ ہے۔

شد دلیل راہ شرق گفتہ ہای نغز او
حجت آزادی شرق آمد استدلال او

اس کی اچھی باتیں مشرقیوں کے لئے راہنما بن گئیں اس کے دلائل مشرق کی آزادی کے لئے حجت تھے۔

آفتاب شرق راچون دید در گودال غرب
سیر شد از غرب و از دریای پر گودال او

جب اس نے آفتاب شرق کو مغرب کے گڑھے میں گم دیکھا اس کا دل مغرب اور اس کے تاریک سمندر سے سیر ہوگیا۔

ز آنہمہ گندم نمائی جو فروشی دید و بس
چون جوال غربیان بگذشت از غربال او

اس نے ان کے ہاں فقط گندم نمائی جو فروشی دیکھی جب اس نے مغرب کے لوگوں کی درست چھان بین کی۔

عاشق شرق و ہوای گرم سودا خیز اوست
دشمن غرب و فضای سرد چون یخچال او

وہ مشرق اور اس کی جنون خیز گرم ہوا کا عاشق ہے وہ مغرب اور اس کی برف جیسی سرد فضا کا دشمن ہے۔

از فرنگ و از فرنگستان بود بیزار از آنک
قرنہا بد شرق زیر دست و شد پامال او

وہ فرنگ اور فرنگستان سے اس لئے بیزار تھا کیونکہ صدیوں سے مشرق فرنگ کے تسلط میں اور اسکے ھاتھوں پامال رہا۔

از اروپا دور شد اقبال زیرا آسیا
روز گاری ماند زیر پنجۂ اشغال او

وہ یورپ سے متنفر ھے کیونکہ ایشیا پر ایک زمانے سے وہ قابض رہا ھے۔

کرد از (جاوید نامہ) نام خود را جاودان
جاودان ماند آری جاودان امثال او

,,جاوید نامہ،، لکھکر وہ جاوداں ہوگیا۔ ھاں یہ درست ھے اس جیسے لوگ ھمیشہ زندہ رہتے ھیں۔

گفت اقبال ,,ای بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد،،
این سخن حق است در حق وی و ابدال او

اقبال نے کہا ھے کہ کئی شاعر موت کے بعد دوبارہ زندہ ہوتے ھیں،، یہ بات اس کے اور اس جیسے لوگوں پر صادق آتی ھے۔

با (زبور) وی کہ از نام (عجم) زیور گرفت
تازہ شد جان جہان از نام فرخ فال او

اس کی ,, زبور عجم،، کے نام سے عجم نے اپنے آپ کو آراستہ کیا، اس کے مبارک نام سے دنیا کی روح تازہ ہوگئی۔

جون (مسافر) سیر در آفاق و انفس میکند
(بال جبریل) است گوئی فکر زرین بال او

اقبال "مسافر" کی طرح کائینات میں سفر کرتا ہے اور "بال جبریل" اس کے سنہری پرون کی بجائے ہے۔

گاہ از (نجد و حجاز) آرد برایت (ارمغان)
گاہ با (ضرب کلیم) از مصر و از ابطال او

کبھی وہ نجد اور حجاز سے تمھارے لئے ارمغان لاتا ہے اور کبھی مصر اور وھاں کے بزرگوں سے "ضرب کلیم" بھی۔

گاہ با (تجدید افکار مسلمانی) کنند
چشم گیتی خیرہ از اسلام و از اعمال او

کبھی تجدید افکار مسلمانی کرکے دنیا کی آنکھ اسلام اور اسلامی عمل دکھا کر خیرہ کردیتا ہے۔ (اقبال کی کتاب تجدید فلسفہ اسلامی کی طرف اشارہ ہے)

میستاید از دل و جان دین حق مصطفیٰ
میسپارد راہ نیک مرتضیٰ و آل او

وہ دل و جان سے دین مصطفیٰ کی تعریف کرتا ہے اور مرتضیٰ اور اسکی اولاد کے راستے پر گام زن ہے

روح او ایرانی است و گفتہ ھایش پارسی
فیضہا دریافتہ از چشمۂ سیال او

اسکی روح ایرانی ہے اور اسکا کلام فارسی ہے
اس نے ایران کے جاری چشموں سے فیض حاصل کیا ہے

والہ و شیدائی حسن زبان پارسی است

فتنۂ این شاهد شعر است و خط و خال او

وہ فارسی زبان کی زیبائی کا عاشق ہے اس کے شاهد شعر کے لئے اسکے خط و خال فتنہ ہیں

مولوی و سعدی و حافظ تجلی کردہ اند

در همه افکار و در آمال و در امیال او

مولوی (رومی) سعدی اور حافظ آشکار ہوئے ہیں

اسکے افکار و آرزو میں اور مقاصد میں

حکمت یزدانی ایرانی زمین چون مطلعی است

کز همانجا شد فروزان اختر اقبال او

ایران کا الہامی فلسفہ ایک مطلع کی طرح ہے

جہاں سے اسکے اقبال کا ستارہ طلوع ہوا

رنج ها برد این سخنگوئی هنرور سالها

هم دو تا شد پشت او وهم تبه شد حال او

اس ہنر مند شاعر نے کئی سالہا محنت کی

اسکی کمر دوہری ہوگئی اور اسکا حال افسردہ ہو گیا

لیک با این رنجها و درد ها یکدم نشد

فارغ از اندیشۂ احیاء کشور بال او

لیکن ان تمام رنج و درد کے باوجود ایک دم کے لئے بھی وہ اپنے ملک کے احیا کے فکر سے فارغ نہیں تھا

تا بپاکستان شناسانید حق خویشتن
مہر خاموشی بر افگند از زبان لال او
اس نے پاکستان کو اسکے حق سے آگاہ کیا
اور اسکی خاموش زبان سے مہر خاموشی توڑ دی

تا برون کرد از زمین پاک پاکستان عدو
کرد ثابت کاین دیار پاک نبود مال او
اس نے پاکستان کی زمین سے دشمن کو نکال کر ثابت کر دیا کہ
پاکستان اسکی ملکیت نہیں تھا

شاعران را باید از اندیشه او پیروی
تا ببار آید ز اقوالش همه افعال او
شاعروں کو چاھئے کہ اقبال کے خیالات کی پیروی کریں
تاکہ انکی باتوں سے انکے اعمال ظاھر ھوں

شرقیاں را باید از شاعر چو پاکستان سپاس
تا همه راهی به پیما یند بر منوال او
مشرقی لوگوں کو چاھئے کے شاعر پاکستان کا شکریہ ادا کریں
اور سب کو چاھئے اقبال کی منشاء کے مطابق راستے پر چلیں

ملک پاکستان همه چیز خود (اقبال) یافت
چون سرود او شنید و رفت از دنبال او
پاکستان نے اپنی ھر چیز اقبال سے حاصل کی ۔
جس نے اسکا نغمہ سنا اور اسکے پیچھے روانہ ھوگیا

بر بیان نغزو فکر بکر اقبال است و بس
کاخ استقلال پاکستان و استکمال او

پاکستان کی آزادی اور ترقی کی بنیاد
اقبال کے اچھے اور نئے نئے افکار پر ہے

نام پاکستان از ین فرزند رادش زنده شد
زنده میدارند آری سام را اطفال او

پاکستان کا نام اس عالی مرتبت فرزند کے ذریعہ زندہ ہو گیا
یہ سچ ہے کہ بچے اپنی ماں کا نام زندہ رکھتے ھیں

بس درود از من بر این اقبال پاکستان که شد
نام پاکان زنده از آلام و از آمال او

میری طرف سے اقبال پر درود پہنچے کیونکہ
اسکے مقاصد اور اسکی محنت سے پاک لوگوں کا نام زندہ ھوا

روز اقبال است روز اول اردیبهشت
وه چه روز خرم و خوبی است روز سال او

"یوم اقبال" اردی بہشت کی پہلی تاریخ کو ھوتا ھے
واہ واہ اسکی برسی کا دن کتنا خرم و اچھا ھے

وین چکامه در چنین روزی بیادوی بود
ارمغان من بپاکستان و بر اقبال او

اس دن کی مناسبت سے یہ قصیدہ میری طرف سے پاکستان اور اسکے
اقبال کی خدمت میں ارمغان ھے

بحث اقبال ار چه بس شایستہ' تفصیل بود
ایک من بس کردم از آن برهمین اجمال او

اگرچہ اقبال کے متعلق بحث زیادہ مفصل ہونی چاہئے
میں اس مختصر پر ختم کرتا ہوں

* * *
* *
*

قصیدہ آقای ادیب برومند شاعر ملی ایران

آقای ادیب برومند ایران معاصر کے مشہور شعرا میں سے ہیں اور قصیدہ سرائی میں انکا مرتبہ بہت بلند ہے۔

اقبال

امروز باقبال تو ای یار فسونکار
اقبال ہمی بایدم و زمزمہ تار

اے میرے افسونکار محبوب تیرے اقبال کے وسیلہ سے مجھے ستار کے زمزمہ کے ساتھ می میسر ہونی چاہئے

امروز با قبال تو خوش بادہ خرم تلخ
ای دلبر شیرین سخن نادرہ گفتار

آج میں تیرے اقبال کی بدولت تلخ شراب کو خوشی سے نوش کروں اے میرے شیرین سخن اور نادر باتیں کہنے والے محبوب!

می نوشم و بر زیر و بم تار کنم گوش
بایار کہ بردل زندم چنگ و باو تار

میں شراب پیوں اور ستار کے زیر و بم (نغمہ) کو سنوں
محبوب کے ہمراہ جو میرے دل کے ساز پر ہاتھ پھیرتا ہے

ای ساقی گل چہرہ بریز آن می گل رنگ
تا گونہ چو آتش کنم و چہرہ چو گل نار

اے ساقی گل چہرہ وہ گل رنگ (سرخ) شراب ڈال دے تاکہ اپنے رخسارے آگ کی طرح اور چہرہ گلنا کی طرح کر لوں

بنشین و بر افروز رخ ای لعبت شیرین
بر خیز و بر افراز قد ای شاهد عیار

اے محبوب شیریں بیٹھ جا اور اپنے چہرے کو روشن کر پھر
اے میرے عیار معشوق اٹھکر کھڑا ہوجا اور اپنے بلند قد کی نمائیش کر

ز آن یک ببر آب از رخ نسرین و شقائق
زین یک بزن آتش بدل سرو و سپیدار

پہلی حرکت سے نسرین گل لالہ کو ماند کر دے
دوسری حرکت سے سرو اور سفیدے کے درخت کو (آتش حسد میں) جلا دے

در دو سه جامی که بنوشم من و زانپس
یک لحظه ز پنجاب سرایم سخن اے یار

دو تین جام مجھے دے تا کہ پینے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے پنجاب کے متعلق شعر پڑھوں

آنجا که بفرهنگ و کمال است مزین
آنجا که بتعظیم و درود است سزاوار

وہ جگہ جو تمدن اور کمالات کے زیور سے آراستہ ہے
وہ جگہ جو درود اور تعظیم کے لائق ہے

آنخطه کز و مهر و وفا خیزد ورادی
آنخطه کزو جاه و ظفر زائد و مقدار

وہ خطہ جہاں سے مہر و وفا اور بلند ہمتی پیدا ہوتی ہے
وہ خطہ جہاں سے جاہ اور ظفر ور قابلیت پیدا ہوتی ہے

آنجا که درو نیر اقبال فروزان
آنجا که درو پرتو اسلام پدیدار

وہ جگہ جہاں اقبال کا ستارہ روشن ہوا
وہ جگہ جہاں اسلام کی روشنی کا عکس نمودار ہوا

آنجا کہ از و خاست یکی مرد گرانسنگ
آنجا کہ درو رست یکی نخل گرانبار

وہ جگہ جہاں سے ایک بڑی قابلیت کا شخص پیدا ہوا
وہ جگہ جہاں سے ایک بہت زیادہ پھل والا درخت پیدا ہوا

زان مرد نکو نام ، زمانراست همی فخر
زان نخل برومند ، زمیں راست همیں بار

اس نیک نام مرد سے زمانے کو فخر حاصل ہے
اس پھل دار درخت سے زمین کو پھل نصیب ہوا

آں عالم یکتا بوطن منشاء تعلیم
آں مشعل تابان بجہان مطلع انوار

وہ یکتا عالم وطن کے لئے تعلیم کا منبع تھا
وہ روشن مشعل جہان کے لئے روشنی کا منبع تھا

ہنام ,, محمد ،، ہنر اموز حکیمی
دلدادہ سرخیل رسل احمد مختار

وہ ہنر سکھانیوالا فلسفی ,, محمد ،، کا ہمنام ہے
وہ احمد مختار کا جو نبیوں کے سردار ہیں عاشق ہے

فرزانه و دانشور و نام آور و محبوب
آزاده و بینا دل و نیک اختر و هشیار

وہ دانا، عقلمند ، مشہور و محبوب ہے
وہ آزاد ہے اسکا دل بصیر ہے وہ نیک اختر اور ہوشیار ہے

اندوخت بسی علم و سخندانی و حکمت
آموخت بسی فضل و هنرمندی و رفتار

اسی نے علم و شعر اور حکمت کو بہت جمع کیا
اس نے بہت حد تک ہنر، اخلاق اور علم سکھایا

آموخت (بلاہور) بسی دانش و فرہنگ
زان پس (باروپا) حکم و فلسفه بسیار

اس نے لاہور میں کافی عرصہ علم اور فرہنگ کی تعلیم دی اسکے بعد یورپ میں علم اور فلسفہ کا مطالعہ کیا

شد شاعری آزاده و دریا دل و فیاض
از وسعت اندیشه و از طبع گهر بار

وہ ایک شاعر تھا آزاد منش ، وسیع قلب اور فیاض
اپنے خیال کی وسعت اور اپنی گھر بار طبع کی بدولت

شد شاعری آنگونه که تاثیر کلامش
حسن و حرکت داد بنقش در و دیوار

وہ ایسا شاعر تھا کہ اسکے کلام کی تا ثیر نے ڈر و دیوار کے نقش کو حس اور حرکت عطا کی

شد شاعری آنگونه که درجنگ اجانب

شعرش بیقیں گشت بہیں حربۂ احرار

وہ ایسا شاعر تھا کہ اجنبی کے خلاف جنگ میں اسکا شعر یقیناً احرار کے لئے اسلح تھا

شد شاعری انگونہ کہ در ہند سراسر

کردند با عجاز کلامش ہمہ اقرار

وہ ایسا شاعر تھا کہ ہند میں سر تا سر سب نے اسکے اعجاز کلام اقرار کیا

ہر چند (باردو) سخن آموخت زطفلی

با لفظ (دری) ساز سخن کرد در اشعار

اگرچہ بچپن سے اسنے اردو زبان سیکھی تھی اس نے فارسی زبان میں شاعری شروع کی

بنگر (بزبور عجم) و (نامہ جاوید)

در یاب ز اسرار خودی جلوۂ افکار

،،زبور عجم،، اور ،،جاوید نامہ،، کا مطالعہ کرو اور اسرار خودی سے افکار کے جلوے حاصل کرو

چوں دورہ (اکبر شہ) و (اورنگ) و (جہانگیر)

بر لفظ (دری) زیب و فر افزود دگر بار

اکبر اور اورنگ زیب اور جہانگیر کے زمانے کے مانند اس نے دو بارہ فارسی کی زیب و زینت کو بڑھایا

خوش نغمہ گر گلشن (رومی) شد و دریافت
از ساحت اندیشہ او نزہت گلزار

وہ رومی کے باغ کا نغمہ سرا بن گیا اور رومی کے افکار سے اسکو گلزار کی نفاست مل گئی

بر تارک دوران خود از گفتہ فراهشت
بس در گرانمایہ و بس گوہر شہوار

زمانے کے سر پر اپنے شعر سے نچھاور کردئیے
بے شمار گرا نمایہ موتی اور بے شمار گوہر شہوار

یکبارہ بخدمت گری خلق کمر بست
تا باز رہاند وطن از سلطۂ اغیار

اس نے ایک دفعہ خلق کی خدمت کے لئے کمر باندھ لی تا کہ وطن کو غیروں کی حکومت سے رہائی دلوائے

خوش کرد بسیج از رہ گفتار کسانرا
بر ضد (بریطانی) یغماگر مکار

اس نے اپنے کلام سے لوگوں کو خوب صف آرا کیا
برطانیہ مکار اور یغما گر کے خلاف

و آرام نخسپید در اینمرحلہ تا کرد
آو ای نجاتش ہمہ را یکسرہ بیدار

اس دوران میں وہ آرام سے نہ سویا جبتک کہ اسکی آزادی کی آواز نے سبکو بیدار نہ کر دیا

شد در وطن خویش مہین (شاعر ملی)
و آمد برش خشم قوی پنجہ بزنہار

اپنے وطن میں اِسے قومی شاعر کی عظمت ملی اور طاقت ور دشمن بھی اسکے قابو میں آگیا

چوں دید کہ در ہند دل مسلم و ہندو •
پیوند محبت نپذیرفت بنا چار

جب اسنے دیکھا کہ ہند میں مسلم اور ہندو کا دل محبت کے پیوند کو قبول نہیں کرتا تو نا چار

یک بار صلا داد کہ اقوام مسلمان
باید کہ در آیند بیک حلقہو یکدار

اس نے آواز دی کہ تمام مسلمان قوموں کو
چاہئے کہ ایک حلقے اور دائرے میں آجائیں

این گفت وپس از مرگ وی این کشتہ ثمرداد
با ہمت مردان ظفر مند و فدا کار

اس نے یہ کہا اور اسکے مرنے کے بعد اس نے پھل دیا
مردان ظفر مند اور فدا کار کی ہمت کی بدولت

و ندر صف میدان بجناح وطن و دین
گردید جناح از پی این نقشہ علمدار

میدان کی صف میں وطن اور دین کے پہلوں پر جناح نے اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کا بیڑا اٹھایا

زیں نقشہ پدیدار شد انکشور نو خیز
کا نخطہ با (پاکستان) شد شہرہ اقطار

اس اسکیم سے وہ نیا ملک وجود میں آیا جو پاکستان کے نام سے دنیا میں مشہور ہے

از فلسفہ او چہ دہم شرح کہ او راست
ایں فلسفہ خوش منعکس اندر ہمہ آثار

اس کے فلسفہ کے متعلق میں کیا بیان کروں۔ کیونکہ اسکا فلسفہ اسکی تمام تصنیفات میں منعکس ہے

او پیروی مکتب اسلام کند نیک
وز محبث این کیش بود کاشف اسرار

وہ مکتب اسلام کی ٹھیک پیروی کرتا ہے اور اس مذہب کا بیان کرتے ہوئے اس نے اسرار کھولے ہیں

خواہد کہ مسلمانان سازند ز وحدت
سدی بہ رہ عیسویان محکم و ستوار

وہ چاہتا ہے کہ مسلمان متحد ہو کر مسیحیوں کے مقابل ایک مظبوط اور مستحکم دیوار کھڑی کر دیں

وز پرورش قوہ خلاقہ قدرت
گردند ز سستی و زبونی ہمہ بیزار

اور قوت تخلیق کی تربیت کریں اور سستی و بے چارگی سے بیزاری کا اظہار کریں

گوید که ترا عشق بود رہبر ہستی
وز علم و شود راہ و گذر گاہ تو ہموار

وہ کہتا ہے کہ زندگی میں تیرا رہبر عشق ہونا چاہئے ورنہ محض علم سے تیرا راستہ مشکل ہو جائیگا۔

آسایش گیتی ہمہ در عشق و صفا جوی
فرسایش انسان ہمہ از کینہ و پیکار

زندگی کی آسائیش حرف عشق اور صفائی قلب میں تلاش کر کینہ اور پیکار انسان کو خراب کرتی ہے۔

از مغربیان زیرکی و علم و حیل زاد
وز مشرقیان عشق و دل و معنی و کردار

مغربی لوگوں سے چالاکی، علم اور حیلہ گری وجود میں آئی اور مشرقیوں سے عشق و دل و روحانیت اور عمل نیک۔

(افرنگی) جابر نبود قابل تقلید
کو خیرہ و بی شرم و وقار است و سبکسار

ظلم کرنیوالا فرنگی اس قابل نہیں کہ اسکی تقلید کی جائے کیونکہ وہ خیرہ سر و بے حیا و بیوقار ہے۔

از جانب افرنگی الودہ سروپائی
ناید بجز افسو نگری و فتنہ و آزار

افرنگی سراپا آلودہ ہے اسکی طرف سے بغیر افسونگری و فتنہ اور تکلیف کے کچھ حاصل نہیں۔

ای آه از ایں قوم ستمکار بد اندیش

ای وای از ابن مردم نا بخرد خونخوار

افسوس اس ظالم اور بد فکر قوم سے

افسوس ان بے عقل اور خونخوار لوگوں سے

باید تو ز اندیشه و عزم و خرد خویش

آسان گذری از ره نا ایمن و دشوار

چاهئے که تو اپنے فکر، اراده اور عقل کی بدولت اس مشکل اور غیر محفوظ راه سے آسانی سے گذر جائے

بیخود شدن از خویش بود توسعه روح

در ملت خود محو شدن شیوه ابرار

اپنے آپ سے بے خود هونا روح کی وسعت کو ظاهر کرتا هے۔ اپنی ملت میں محو هو جانا ابرار کا طریقه هے

سعی و عمل و جنبش و امید و توکل

ایں جمله بود نقد بقا را همه معیار

سعی و عمل و حرکت و امید و توکل یه هیں جو زندگی کے معیار هیں -

یکباره مشو دستخوش بازی تقدیر

دستی ببر از وی تو بدین قدرت سرشار

تقدیر کے کھیل میں اپنے آپ کو بے بس مت خیال کر اس عظیم قوت کے ذریعه اس سے سبقت لیجا

در عرصه پر کشمکش عالم هستی
چوں شیر عریں باش نه چوں میش علف‌زار

زندگی کے پر کشمکش میدان میں شیر عریں کے مانند بن نه گھاس کھانے والی بھیڑ

جز در بر آسیب و خطر شوکت و فر نیست
این راز حیا تست و جزاین مرگ دگر عار

سوائے خطر اور مشکلات کے شوکت و شکوہ نہیں، یہی راز حیات ہے اس کے بغیر محض موت یا عار ہے

مبنای (خودی) منشا ایجاد جہانست
وین نزد (خود آگه) نبود درخور انکار

خودی کے بنیاد دنیا کی ترقی کا منبع ہے اور، خود آگاہ، شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا

ز اسرار خودی بایدت آگه شدن ایدوست
تا بشنوی از گوش درون زبده اخبار

اے دوست تجھے اسرار خودی سے آگاہ ہونا چاہئے تا کہ تو باطن کے کان سے مہم خبریں سن سکے

در خود بنگر ژرف و عیان ساز خودی دار
تا بنگری از چشم نہان عالم دیدار

اپنے اندر گہری نظر دوڑا اور اپنی خودی کو آشکار کر تا کہ تو چشم باطن کے ذریعہ عالم ظاہر کو دیکھ سکے

گوئی که خودی چیست؟ خودی فر خدائیست
اینشخص تو وین قوه که در تست ترا یار

تو کہتا ہے کہ خودی کیا ہے خودی خدا کی شان ہے یہی تری شخصیت ہے اور یہی وہ قوت ہے جو تیری دوست ہے۔

در راہ خودی پای ارادت بطریق آر
تا آنکہ بری رہ بسوی حکمت دادار

خودی کی راہ میں عقیدت کے قدموں سے چل تاکہ تو خدا کی حکمت کی طرف راستہ طے کر سکے ۔

بفروز بدل آتش آمال نوین را
وز پر تو او راہ طلب چو بشب تار

نئی آرزوؤں کی آگ دل میں روشن کر اور اسکی روشنی سے تاریک ات میں راستہ تلاش کر۔

گر لوح دل از نقش تمنا ست نگارین
ہرگز نہ پذیرد ز بد حادثہ زنگار

اگر تیری لوح دل پر تمنا کے نقش و نگار ہوں تو بڑے حادثات سے بھی اس پر زنگار نہیں آئے گا ۔

نو کن بتن از نو طلبی جامہ ہستی
ز آن پیش کہ پوشد ز فنا پودتو باتار

نئی چیزوں کی تلاش سے اپنے جامہ ہستی کو نیا رکھو اس سے پہلے کہ اس کے تارو پود موت سے پوشیدہ ہو جائیں ۔

نالاں مشو از کجروی مرکب تقدیر

یا عزم گران توسن تقدیر براہ آر

اگر مرکب تقدیر ٹیڑھے راستہ پر جائے تو غم مت کرو اپنے سخت ارادے سے توسن تقدیر کو راستہ پر لے آو

تحقیر خودی منشاء آثار زوال است •

تخفیف روان منبع بدبختی و ادبار

خودی کو حقارت کی نظر سے دیکھنا زوال کا پیش خیمہ ہے روح کو کمزور کرنا بد بختی اور ادبار کا منبع ہے

اینجملہ ز اقبال بود ذکر فضائل

کوہست گلستان ادب را گل بیخار

یہ چند ایک اقبال کے فضائل ہیں وہ اقبال جو گلستان ادب کا گل بے خار ہے

* * *
* *
*

اقتباس و انتخاب از قصیدہ آقای حبیب یغمائی

(حبیب یغمائی ایران معاصر کے استاد شعراء میں سے ھیں اور ملک کے نوجوان ادبا و شعراء میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ھیں کئی سال سے یغمائی ایران کے مشہور ادبی اور علمی مجلہ یغما کے مدیر ھیں) —

زندہ ماند سخنوری کہ ورا
دقت فکر ھست و لطف خیال

وہ شاعر ھمیشہ زندہ رھتا ھے جسکے کلام میں تفکر کی باریکی اور لطافت خیال ھو

اوج شاعر بود بہ نیروی فکر
اوج طائر بود بقوت بال

شاعر کی اھمیت اسکے تخیل کی قوت سے ھے جسطرح پرندے کی بلندی پرواز اسکے پروں کی قوت سے ھے

سخنی کان ز حکمت است تہی
میوہ ای ھست نا رسیدہ و کال

وہ شعر جو حکمت سے خالی ھے وہ نا پختہ اور کچے پھل کیطرح ھے

حکمت آموزی آن کند کہ وراست
طبع مواج و فکرت جوال

اور حکمت وھی سکھا سکتا ھے جسکو متحرک طبع اور روشن " تخیل میسر ھو

بجہان شور افکند آن کو

دلش از عشق گشت مالامال

جہان میں وہی شخص ہیجان پیدا کر سکتا ہے جسکا دل عشق سے مالا مال ہو

مستمع را فزود حسن اثر

متکلم چو داشت حسن مقال

سننے والے پر اچھا اثر پڑتا ہے جب بات کرنے والا شیریں کلام ہو

گفت دانا کہ چون نبی ملہم

ہست شاعر زایزدہ متعال

دانا کا قول ہے کہ شاعر بھی نبی کی طرح خدا کی طرف سے ملہم ہوتا ہے

شاعرانند چون پیامبران

در بیان و فضایل و اقوال

شاعر بھی بیان اور فضائل اور اقوال میں پیغمبروں کی مانند ہوتے ہیں

از کلام محمدی است اثر

در کلام محمد اقبال

اور محمد اقبال کے کلام میں محمد کے کلام کا اثر ہے

پارسی گو حکیم پاکستان

پاک جان ، پاک شیوہ ، پاک خصال

اقبال پاکستان کا فارسی گو حکیم ہے وہ پاک جان ، پاک شیوہ اور پاک خصائل کا مالک ہے

فکر بکرش بکنه بحر عظیم
شعر نغزش بلطف آب زلال

اس کا طبع زاد تخیل گہرائی میں بڑے سمندر کے مانند ہے اس کا اعلی شعر لطافت میں صاف پانی کی مانند ہے

دین اسلام را نموده شرف
مردم شرق را فزوده جمال

اس نے دین اسلام کے شرف میں اضافہ کیا ہے اور مشرق کے لوگوں کے جمال میں اضافہ کیا ہے

چاره جوئی کند بخیر و صلاح
که گراید بشر براه کمال

وہ نیکی اور رفاہ بشر کے لئے کوشاں ہے اور چاہتا ہے کہ انسان اپنے کمال تک پہنچ جائے گا

و اتحاد ممالک اسلام
هست او را ز جمله آمال

اسکی آرزو اور مقصد اتحاد ممالک اسلام ہے

"روز اقبال" یعنی امروز است
که رسیدش ز حق نوید وصال

آج یوم اقبال ہے یعنی آج کے دن اسکو خدا سے وصال کی خوشخبری ملی

وین چنیں روز را علی التحقیق
بفزاید شکوه در هر سال

اور ایسے دن کا یقیناً سال بسال شکوه و جلال بڑھتا رہے گا

از قصیده آقای ڈاکٹر قاسم رسا ، مشهد

سر زد از لاهور رخشان اختری
آن که پاکستان همی نازد بدو

لاهور سے ایک درخشاں ستارہ طلوع ہوا جسپر پاکستان ناز کرتا ہے۔

خود نه پاکستان که خاک هند را
خامه اقبال بخشید آبرو

نہ صرف پاکستان بلکہ ہند کو بھی اقبال کے قلم نے آبرو بخشی -

شاعری شیرین کلام و نکته سنج
تا بگوید راز پنهان مو بمو

شیرین کلام اور نکتہ سنج شاعر نے پنہان راز جو تھے انکو تفصیل سے بیان کر دیا -

طالب حق بود ودر آفاق گشت
تا کند مطلوب خور را جستجو

وہ حق کا طالب تھا اور تمام آفاق میں پھرا تا کہ اپنے مطلوب کی جستجو کرے -

آفرین بر آن سخن دان کز سخن
در جهان بگذاشت آثاری نکو

اس سخندان پر آفرین جس نے اپنے شعر کی اچھی یادگار دنیا میں چھوڑی -

آبیاری کرد خاک ہند را

تا کہ آب رفتہ باز آرد بجو

اس نے خاک ہند کی آبیاری کی تا کہ گذرے ہوئے اچھے دن واپس آجائیں

آنکہ استقلال پاکستان و ہند

در جہانش بود تنہا آرزو

وہ جسکی زندگی میں تنہا آرزو پاکستان اور ہند کی آزادی تھی

ریخت در ساغر شراب اتحاد

گفت یاران را کہ قوموا و اسرعو

اس نے پیالے میں اتحاد کی شراب ڈالی اور دوستوں سے کہا آؤ کھاؤ اور پیو

بیدلان را میکشد سوی چمن

,, ارمغان ،، آن گل خوشرنگبو

اس اچھی بو اور رنگ والے پھول کا تحفہ بیدلوں کو باغ کی طرف کھینچتا ہے

در دل عشاق سوز خامہ اش

آتش عشق است ننشیدند فرو

اسکی قلم کا سوز عاشقوں دل میں عشق کی آگ روشن کرتا ہے جو کبھی نہیں بجھتی

سالک راہ حقیقت بود گشت
از پی عطار و رومی کو بہ کو

وہ حقیقت کے راستے پر چلنے والا تھا اور وہ عطار اور رومی کے پیچھے گلی گلی گھوما

در پیام شرق ،، آن دانا چوکرد
با ،، گوتہ ،، دانائی مغرب گفتگو

پیام مشرق میں اس دانانے مغرب کے دانا گوئٹے سے گفتگو کی ہے

درسخن از شاعر مغرب زمین
شاعر مشرق زمین بربود گو

اور شعر میں شاعر مغرب زمین کے شاعر سے مشرق زمین کا شاعر سبقت لے گیا

ہر کہ او چون زندہ گرداند سخن
در جہاں ہرگز نمیرد نام او

جو شخص شعر کو زندہ کرتا ہے اسکا نام جہان سے ہرگز نہیں مٹتا

ای رسا چون راست مردان در جہاں
جز طریق راستی راہی سپو

ای رسا نیک آدمیوں کی مانند دنیا میں
سوائے سچائی کے راستہ کے کوئی راستہ اختیار نہ کر

قصیدهٔ آقای علی صدارت نسیم

آقای علی صدارت وزارت عدلیه کے اعلی افسروں میں سے ہیں - قدیم اور جدید طرز کے شعر کہتے ہیں مگر انکے قصاید کو غیر معمولی شہرت حاصل ہے -

دوش ، جانرا بچشم جان دیدم
عالمی برتر از گمان دیدم

کل میں نے اپنی جان کو روح کی آنکھ میں دیکھا مجھے ایک دنیا نظر آئی جو خیال کی حدود سے بالا تر تھی -

عالمی روشن از فروغ امید
دور از این تیره خاک دان دیدم

وہ دنیا امید کی روشنی سے منور تھی اور اس تاریک دنیا سے بہت دور تھی -

آنچه سر خوش نمی توان خواندم
وانچه وصفش نمی توان دیدم

اس دنیا میں کوئی تفصیل بیان نہیں کر سکتا جو دنیا میں نے دیکھی اسکی تعریف نہیں کی جا سکتی -

یعنی از فیلسوف عصر اقبال
نغز آثار جاودان دیدم

یعنی زمانے کے فلسفی اقبال کی اعلی اور جاویدان تصنیفات میں نے دیکھیں -

نو بہاری برنگ و بوی بہشت
ایمن از آفت خزان دیدم

ایک نو بہار تھی بہشت جیسی رنگ و بو کی حامل اور خزاں کی مصیبت سے مصون جو میں نے دیکھی -

گلشن رشک بوستان ارم •
خوشتر از ساحت جنان دیدم

میں نے دیکھا، ایک باغ جس پر باغ ارم کو رشک آئے اور جو جنت سے بھی زیادہ خوشگوار تھا -

واندران رنگ رنگ لالہ و گل
گونہ گون سرو ارغوان دیدم

اسمیں رنگ رنگ کے لالہ و گل اور قسم قسم کے سرو اور ارغوان میں نے دیکھے -

مرغکان بہشتی از ہر سوی
بر سر شاخ نغمہ خوان دیدم

بہشت کے پرندے ہر طرف سے ہر شاخ پر نغمہ خوان میں نے دیکھے -

گلبنانرا نیاز بر لب جوی
بر سر از سرو سائبان دیدم

نہر کے کنارے گلبن جھکے ہوئے تھے اور میں نے سر پر سرو کا سائبان دیکھا -

کوهها دره ها همه سر سبز
جویها چشمه ها روان دیدم

پہاڑ وادیاں سب سر سبز تھیں اور نہریں اور چشمے میں نے رواں دیکھے

صحنه ای همچو پهنهٔ گردون
واندر آن صحنه لعبتان دیدم

ایک منظر میں نے دیکھا جو آسمان کی طرح وسیع تھا اور اس منظرہ میں مجھے حوریں نظر آئیں

شاد و سرمست و شوخ و شور انگیز
پای کوبان و کف زنان دیدم

میں نے دیکھا کہ حوریں شادو سر مست، شوخ اور ذوق کی حالت میں رقص کر رہی ہیں

بر شد اندیشه ام بشهپر شرق
بمکانی که لامکان دیدم

میرا خیال مشرق کے سیر کی بدولت بلندی پر پرواز کررھا تھا ایسے مکان میں جہان میں نے لامکانی دیکھی

نه نشان از جهان خاک پدید
نه زمین و نه آسمان دیدم

نہ وھاں کہیں خاک کی دنیا کا نشان تھا نہ زمین اور نہ آسمان مجھے نظر آئے

از ازل تا ابد سپر دم راه

هیچ جز او نه درمیان دیدم

میں نے ازل سے ابد تک کا راستہ طے کر لیا مگر سوائے " اسکے "
مجھے کچھ نظر نہ آیا

ز آسمانی موائد رنگیں

بر یکی گستریده خوان دیدم

آسمان سے رنگا رنگ کھانے ایک خوان پر چنے ہوئے میں نے دیکھے

دعوتی عام بود و بر آن خوان

دشمن و دوست میهمان دیدم

وہ ایک عام دعوت تھی اور اس خوان پر میں نے دوست و دشمن سب
کو مہمان دیکھا

از رموز جمال و راز کمال

ای بسا گنج شایگاں دیدم

جمال اور کمال کے راز و رموز کے میں نے کئی گنج شایگاں دیکھے

فیلسوفی بزرگ و روشن رای

شاعری فحل و نکته داں دیدم

میں نے ایک عظیم الشان اور روشن فکر فلسفی اور شاعر و نکتہ داں دیکھا

شاہبازی کہ زیر شہپر او

باختر تا بخاوراں دیدم

وہ ایک شہباز تھا جسکے شہپر کے نیچے میں نے مغرب سے مشرق
تک کی فضا دیکھی

آن همایوں همای را که بود
بر سر سدرہ آشیان دیدم

وہ مبارک ہما کہ جسکا آشیان سدرہ کی چوٹی پرہے میں نے دیکھا۔

نخل بار آوری سپہر آسای
سایہ گستردہ بر جہان دیدم

میں نے دیکھا ایک پھل دار درخت آسمان کی طرح تمام جہان پر سایہ ڈال رہا ہے۔

راز نا گفتۂ محبت را
نغز گفتار ترجمان دیدم

میں نے اسکو محبت کے ناگفتہ راز کا نہایت خوش بیان ترجمان دیکھا۔

در نا سفتہ حقیقت را
شکرین لعل در فشان دیدم

میں نے اسے حقیقت کے ناسفتہ موتی اور شکرین لعل بکھیرتے ہوئے دیکھا۔

زیر ہر بیتی از سفینۂ او
ژرف دریائی بیکران دیدم

اسکے بیت کے نیچے میں نے گہرا اور بیکران سمندر دیکھا۔

پس ہر سطری از صحیفۂ او
یکجہاں راز دل نہان دیدم

اس کتاب کی ہر سطر کے اندر میں نے راز ہائے دل کی ایک دنیا نہان دیکھی۔

طبع پاکش کہ ملہم است از غیب
راست چون بخت او جوان دیدم

اسکی پاک طبع کو جسکو غیب سے الہام ہوتا ہے بالکل اسکے بخت کی طرح جوان دیکھا

دلربا زادگان طبعش را
همه و شاداب شادمان دیدم

اسکی طبع کی دلربا اولاد کو میں نے ہر طرح شاداب اور شادمان دیکھا

بی شمر اختران فکرش را
بس فرا تر ز کہکشان دیدم

اسکے افکار کے بیشمار ستاروں کو میں نے کہکشاں سے بھی بلند تر دیکھا

در حریم تصوف و عرفان
رومیش یار و هم زبان دیدم

تصوف اور عرفان کی منزل میں میں نے رومی کو اسکا یار اور همزبان دیکھا

در سلوک ممالک حکمت
با سنائیش همعنان دیدم

حکمت کی مملکت اور سلوک کی منزل میں اسکو میں نے سنائی کا هم عنان دیکھا

در تعالیم آسمانی او
سعی و پرهیز تواسان دیدم

اسکی آسمانی تعلیم میں میں نے کوشش اور پرہیز گاری کا امتزاج دیکھا

عقل را پیشوای عزم و عمل
عشق را رہنمای جان دیدم

میں نے وہاں عقل کو عزم اور عمل کے پیشوا کی حیثیت سے اور عشق کو روح کا راهنما دیکھا

بر بشر چوں پدر بفرزندش
نیک اندیش و مہربان دیدم

اقبال بشر کے لئے ایسا مہربان اور بھلائی کا خواہاں ھے جیسے کہ باپ اپنے بیٹے کا

از دہا و نبوغ بی مانند
در سخنہائے او نشان دیدم

میں نے بے نظیر دانش اور نبوغ (Genius) کا اسکے اشعار میں نشان دیکھا ھے

جلوۂ قدس و آیت اعجاز
در ,, زبور عجم ،، عیان دیدم

میں نے اسکی ,, زبور عجم ،، میں جلوہ قدس اور آیت اعجاز دیکھے ھیں

دست موسئیش در طلیعہٴ فکر
دم عیسئش در بیان دیدم

اسکے افکار کا طلوع موسی کے ھاتھ کی طرح اور اسکا بیان مجھے عیسی کا دم نظر آیا

آسمانی ،، پیام مشرق ،، او
در تن شرق چوں رواں دیدم

اسکا آسمانی ،، پیام مشرق ،، مشرق کے بدن میں روح کی طرح مجھے نظر آیا

تا از او دیدم ،، ارمغان حجاز ،،
روح را نغز ارمغان دیدم

ارمغان حجاز کو میں نے روح کے لئے ایک اچھا تحفہ پایا ھے

طبع او را ز بس گہر پروُرد
غیرت بحرو رشک کان دیدم

اسکی طبع سے بیشمار گہر پدیدار ہوئے ھیں میں نے اسکو غیرت بحر اور رشک کان دیکھا ھے

کاخی افکند پس کہ بر در آن
چرخ را سر بر آستان دیدم

اسنے ایک ایسا محل تعمیر کیا جسکے آستانہ پر میں نے آسمان کا سر جھکا ہوا دیکھا

نام او عرصۂ زمین بگرفت
فکر او چیرہ بر زماں دیدم

میں نے دیکھا کہ اسکا نام دنیا کی وسعت پر چھا گیا ھے اسکے افکار نے زمانے کو فتح کر لیا ھے

فرخا کارواں ،، نہضت شرق ،،
کہ ورا میر کارواں دیدم

مشرق کی تحریک کے کارواں کو مبارک ھو کہ میں نے اقبال کو اسکا میر کارواں دیکھا ھے

دودمانی است خاور و او را
سر و سالار دودمان دیدم

مشرق ایک خاندان کے مانند ھے اور میں دیکھتا ھوں کہ وہ اس خاندان کا سر پرست ھے

بوستانی است خاور و اورا
سرو آزاد بوستان دیدم

مشرق ایک بوستان ھے جسمیں میں نے اسے اس بوستان کا سرو آزاد دیکھا

مجد اسلام و رستگاری شرق
در جہان اینش آرمان دیدم

میں نے دیکھا کہ دنیا میں اسکا ارمان و آرزو اسلام کی عظمت اور مشرق کی آزادی ھے

شرق را زد صلای استقلال
رستخیزی بپا از آن دیدم

اسنے مشرق کو آزادی کی تلقین کی اور میلاب بیدنے اسمیں انقلاری برپا دیکھا ھے

در تکا پو براہ آزادی
خنگ عزمش بزیر ران دیدم

آزادی کی راہ میں دوڑ دھوپ کے لئے میں نے ھمیشہ اسکو عزم کے گھوڑے پر سوار دیکھا ھے

این مبارز دمی ز پا ننشست
تاش پیروز و کامران دیدم

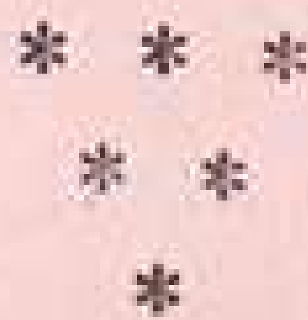
اس جنگجو نے ایک لمحے کے لئے بھی دم نہیں لیا جبتک کہ میں نے اسکو فاتح اور کامیاب دیکھ نہ لیا

کشورش را بیمن همت او
از بد دهر در امان دیدم

اسکی همت کی برکت سے اسکے ملک کو میں نے زمانے کی برائیوں سے امان میں دیکھا ھے

خاک لاهور را به اقبالش
بر مه و هور سر گران دیدم

میں نے لاهور کی خاک کو جسمیں اقبال مدفون ھے چاند اور سورج سے زیادہ گران مایہ دیکھا ھے



اقتباس اشعار آقای احمد گلچین معانی

(گلچین معانی ایران کے ادبی حلقوں میں غیر معمولی شہرت رکھتے ھیں ۔ اور انکا کلام ملک کے تمام بلند معیار مجلات میں چھپتا ہے۔

رباعی

تا چند ز خویشتن جدائی کردن
در کار وجود سست رائی کردن
ز اقبال شنو که گفت خود را بشناس
کز راه خودی توان خدائی کردن

تو کبتک اپنے آپ سے جدا رہے گا اور زندگانی کے کاموں میں سستی کریگا

سنو اقبال کہتا ہے کہ اپنے آپ کو پہچا نو کیونکہ ,, خودی،، کی راہ سے ہم خدائی پر تسلط پیدا کر سکتے ھیں

مثنوی

بشنو از آن فیلسوف پاکزاد
مولوی ثانی آن اقبال راد

اس پاک زاد فلسفی ,, رومی ثانی ،، اقبال عظیم المرتبت کی بات سنو

کز خودی دارد جهان نام و نشان
جز خودی چیزی نپاید در جهان

که دنیا کا نام و نشان ,, خودی , کی بدولت ہے خودی کے بغیر کوئی چیز جہان میں باقی نہیں رہ سکتی

تا نیابی معرفت بر نفس خویش
رہ نیابد نفس تو گامی به پیش

اگر تو اپنے نفس سے آشنا نہیں ہو گا تیری زندگی ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکے گی

هر که نفس خویشتن تسخیر کرد
میتواند چارهٔ تقدیر کرد

وہ جس نے اپنے نفس کو تسخیر کر لیا تقدیر پر قابو پا سکتا ھے

لن ترانی چند در طور خودی
رو خدا بین باش با نور خودی

"خودی" کے طور پر کبتک "لن ترانی" سنیگا
جاؤ نور خدا سے خدا کو دیکھنے کی صلاحیت پیدا کرو

کز خودی باشد جهان را رنگ و بو
وز خودی باشد تجلی های هو

جہان کا رنگ و بو خودی کی بدولت ھے اور عالم ھو کی تجلیاں بھی خودی ھی کا جلوہ ھیں

زندگی یعنی دما دم خواستن
نز قناعت پیشگی کم خواستن

زندگی کیا ھے؟ ھمیشہ آرزو مند رھنا نہ کہ قناعت پیشہ ھونا اور آرزو کو کم کرنا

آرزو کن کارزو مقصود جوست
درجہان عقل و خرد مخلوق اوست

آرزو کرو کیونکہ آرزو سے مقصد حاصل ہوتا ہے دنیا میں عقل اور خرد آرزو ہی سے وجود میں آتی ہے

آرزو مندی ترا بخشد حیات
ترک عشق و آرزو یعنی ممات

تیری آرزو مندی تجھے زندگی بخشتی ہے عشق اور آرزو کا ترک کرنا موت کے مترادف ہے

تنگ بگرفتن جہاں را چوں قفس
شیوۂ اقوام مغلوبست و بسی

جہاں کو ایک قفس کی طرح سے خیال کرنا صرف مغلوب قوموں کا شیوہ ہے

بال و پر بگشای و در پرواز باش
چوں ہزار آوا بلند آواز باش

اپنے بال و پر کھول اور پرواز کر تیری آواز ہزار صداوں کے برابر ہونی چاہیئے

گر نخواہی تا خودی گردد حقیر
خود مشو ز احسان کس منت پذیر

اگر تو اپنی خودی کو حقیر بنانا نہیں چاہتا تو کسی کا احسان اور منت مت اٹھا

مقصد از خود جوی و راه از خویشتن
و آنچه می خواهی بخواه از خویشتن

اپنا مقصد اور اپنا راستہ خود تلاش کر جس چیز کی تجھے ضرورت ہے اپنے آپ سے طلب کر

در بلا بگریز و خود را رنجه کن
با حوادث پنجه اندر پنجه کن

مصیبت اور بلا میں کود پڑ اور تکلیف اٹھا حوادث کے ساتھ جنگ شروع کر دے

از بلا ها پخته تر گردد خودی
تا خدا را پرده در گردد خودی (۱)

خودی ، بلا و مصیبت سے زیادہ مضبوط ہو جاتی ہے اور خودی اسی طرح خدا کے اسرار کو آشکار کر دیتی ہے

سر هستی عشق دان و آرزو
کادمی خود نیز صورت بست ازو

زندگی کا راز عشق اور آرزو ہے اور انسان کی شکل بھی اسی سے وجود میں آئی ہے

از محبت کن خودی را زنده تر
زنده تر ، تابنده تر ، سوزنده تر

عشق کے ذریعے خودی کو زندہ کر دے تا کہ وہ زندہ تر ، تابندہ تر اور سوزندہ تر ہو جائے

این حدیث نغزو جاویدانی است
فلسفه اقبال پاکستانی است

یہ نہایت عالی اور جاویدان بات ہے اور یہی اقبال پاکستانی کا فلسفہ ہے



نوٹ

این بیت از علامہ اقبال طاب ثراہ است۔

از قصیده آقای علی خدائی

(آقای علی خدائی محکمہ تعلیم کے رکن ھیں اور زاھدان میں مقیم ھیں آپ کو اقبال سے بہت گہری عقیدت ھے)

زھی بزرگ ھنر ور محمد اقبال
سپہر زھد ورع مہر برج فُضل و کمال

عالی مقام صاحب ھنر محمداقبال پر آفریں وہ زھد و ورع اور فضل و کمال میں آسمان کا مرتبہ رکھتا ھے

چکامہ ساز دری فیلسوف پاکستان
کہ بس حقائیق تفصیل راندہ در اجمال

وہ فلسفی پاکستان جس نے فارسی اشعار لکھےاور اختصار کے باوجود حقائق کو مفصل بیان کیا

حکیم با خرد و نکتہ سنج معنی یاب
کہ بہر میہن خود ریخت طرح استقلال

وہ حکیم دانا اور معانی کو پا لینےوالا نکتہ سنج ھے جس نے اپنے وطن کے لئے آزادی کی بنیاد رکھی

یکی مروج اسلام در ادای کلام
یکی مبین احکام از بیان مثال

ایک تو اسنے اپنے کلام کے ذریعے اسلام کی تبلیغ کی اور دوسرا اسنے مثالوں کے ذریعہ احکام اسلام کی تائید کی۔

هر آنچه رفت طریق نبی علیه سلام
هر آنچه گفت پی کردگار جل جلال

جس راستے پر وہ چلا نبی علیہ‌السلام کا راستہ ہے اور جو کچھ اسنے کہا وہ خدا وند تعالیٰ کے لئے ہے

محمّد است بنام ستودہ با کردار
ستودہ کار سپارد رہ محمد آل

اسکا نام محمد ہے اور اسکے اعمال اچھے ہیں اچھے اعمال والا ہی آل محمد کے نقش قدم پر چلتا ہے

چو بنگری کتبش سر بسر ہدایت قوم
جمل عبارت از حرف حرف در دلال

اگر اسکی کتابوں کو دیکھو تو وہ سراسر قوم کی ہدایت کے لئے ہیں اسکا ایک ایک حرف اور جملے اسپر دلالت کرتے ہیں

کتابت است و یا انسجام ما معین
کنایت است و یا اقتنا آب زلال

اسکی تحریر چشمہ صافی کی طرح رواں ہے اسکے کنائے صاف پانی کی طرح وجود میں آتے ہیں

سپرد شرح حقیقت گسست راہ مجاز
دریں زمینہ بپا کرد روشن استدلال

اسنے حقیقی شرح اختیار کی اور مجاز کا راستہ چھوڑ دیا اور اس موضوع پر اس نے واضح دلائل پیش کئے

علو باز پذیرفت و جلوهٔ طاؤس
بیوم خویش هما وار سایہ داد از بال

اسنے باز کی بلندی اور طاؤس کی زیبائی قبول کی اور اسنے اپنے وطن پر اپنا سایہ هما کی طرح ڈالا

هزار سالهٔ سیر کواکبش پرورد
ولی نظیر نیاردش در هزاراں سال

ستاروں کی هزار سالہ گردش نے اسے پرورش کیا لیکن اسکی نظیر هزاروں سالوں میں بھی نہیں ملے گی

زبان اصلیش از هند و پهلویش سخن
بسی جمیل تعالله از کمال و جمال

اسکی مادری زبان تو هند سے تھی مگر اسنے فارسی میں شعر لکھے۔ سبحان اللہ کمال اور جمال کے لحاظ سے اسمیں کتنی زیبائی ہے

معانیش به بیان بدیع زیور بخش
مطالبش بطراز عجیب ژرف سگال

اسکی معانی نادر طرز بیان سے آراستہ هیں اسکے موضوعات نہایت خوبی اور گہرائی اپنے اندر رکھتے هیں

همه مقالش دلکش همه کلامش خوش
زهی خجسته کلام و زهی گزیده مقال

اسکی تمام باتیں دلکش اور اسکا کلام پسندیدہ ہے آفرین ایسے مبارک کلام اور ایسے منتخب اشعار پر

عمل نماید جز شیوهٔ نوابغ نیست
سخن سراید نبود بغیر سحر حلال

اسکا عمل سراسر نابغہ شخصیتوں کے مانند ہے وہ شعر کہتا ہے جو سراسر سحر حلال ہے

بنات فکرت وی دل برند بی زینت
عروس خاطر وی بی نیاز غنج و دلال

اسکے تخیل کی تولید دوشیزائیں بغیر کسی آرایش کے دل کو کھینچ لیتی ہیں اسکی عروس خیال کو نازو نخرے کی حاجت نہیں

بضد سلطه بیگانه قائم آمد و کرد
جناح از پی وی نیک حسن استقبال

خارجی حکمرانوں کے تسلط کے خلاف اسنے قیام کیا جناح نے اسکا خوب حسن استقبال کیا

شدند یک ششم گیتی از دمش زنده
خوشا محمد موسی کف و مسیح مثال

دنیا کی آبادی کا چھٹا حصہ (یعنی مسلمان) اسکے دم سے زندہ ہوا آفریں اس مثل مسیح اور موسی جیسے ہاتھ والے محمد پر

بجای یوغ اسارت بگردن ملت
نهاد منت آزادی احسن الابدال

غلامی کی کمند کے بجائے اسنے ملت کی گردن پر آزادی کا احسان رکھا

شگفت چامہ سرائی بپارسی دری

که شد تصور آں عقل را خیال محال

اسنے فارسی میں ایسے عجیب شعر کہے کہ اسکا تصور بھی عقل اور خیال کے لئے مشکل ہے

اگر بجانب بنگال قند پارس گذشت

زوی بپارس همان قند آمد از بنگال

اگر قند پارسی بنگال کی طرف گئی تو وہاں سے وہی قند بنگال سے پارس کو پہنچی

یگانه طوطی از بوم هند شکر ریخت

که باز بلبل گلزار فارس یافت نوال

هندوستان کے بے مثل طوطی نے شکر ریزی کی اور دوبارہ گلزار فارس کے بلبل کو اسکا تحفہ میسر ہوا

چنیں بجاست بجا گر همی نہند آثار

چنیں سزاست قیام ار همی کنند رجال

اگر سب لوگ ایسی ہی کتابیں لکھیں تو بجا ہے اور اگر لوگ ایسا ہی قیام کریں تو جائز ہے

دہان بند خدائی ز بحث و فحص که هست

پی مدیحه اقبال نفس ناطقه لال

اے خدائی اس بحث سے اپنے منہہ کو بند کر لے اقبال کی تعریف میں قوت گویائی گنگ ہو گئی ہے

از قصیده آقای رجائی

آقای رجائی وزارت تعلیم کے انتظامی امور کے افسر تھےاور وزیر تعلیم وقت کے ایما سے آنہوں نے ایک قصیدہ لکھا اور ۱۹۵۳ میں یوم اقبال کے موقع پر وزارت تعلیم کی نمایندگی کرتے ہوئے پڑھا

تا زپاکی و حقیقت در جہاں عنوان بود
جاوداں اندر جہاں عنوان پاکستان بود

جبتک پاکی اور حقیقت کا جہان میں نام ہے پاکستان کا نام دنیا میں جاوداں رہے گا

گفت دانا اسمہا از آسماں آید فرود
مرد دانا را سخن با حجت و برھان بود

داناؤں نے کہا ہے کہ نام آسمان سے نازل ہوتے ھیں اور داناؤں کی بات حجت اور دلیل پر مبنی ہوتی ہے

کشوری پاکیزہ، خلقی پاک دین و پاکدل
نام پاکستان بدو از جانب یزداں بود

ملک پاک ہے اور لوگوں کا اخلاق اور انکے دل پاک ھیں اسلئے پاکستان کا نام خدا کی طرف سے ملا ہے

نیک بنگر مرد صاحب ھمتی ھمچوں جناح
آں که روحش جاوداں در روضه رضواں بود

جناح ایسے صاحب ھمت انسان کو دیکھو وہ جناح جسکی روح جنت میں ھمیشه کے لئے موجود رہے گی

برد اگر رنجی در آخر کرد گنجی در کنار

رنج بهر گنج بردن شیوهٔ مردان بود

اگرچه اسنے رنج اٹھایا آخر کار اسنے گنج حاصل کر لیا گنج کے لئے رنج اٹھانا مردوں کا شیوہ ھے

کشوری شد مستقل وان پرچمی کافراشت او

از کراچی تا بکشمیر اینزمان جنبان بود

ملک آزاد ہو گیا اور جو پرچم اسنے بلند کیا وہ کراچی سے کشمیر تک لہرا رہا ھے

اولین کشور که استقلال پاکستان شناخت

مهد دانش یار دیرین کشور ایران بود

وہ ملک جسنے سب سے پہلے پاکستان کی آزاد حکومت کو تسلیم کیا علم و دانش قدیم کا گہوارہ یعنی کشور ایران تھا

مرز مصنوعی دو ملت را کجا سازد جدا

چون نژاد و دین و فرهنگ و ادب یکسان بود

مصنوعی حدین ان دو ملتوں کو جدا نہیں کر سکتیں کیونکہ انکی نژاد ، ان کا دین و تمدن و ادب ایک ھے

حاجب و دربان برای مردم بیگانه است

کی برای آشنایان حاجب و دربان بود

دربان اور چوکی دار بیگانہ لوگوں کے لئے ہوتے ھیں دوستوں کے لئے حاجب اور دربان نہیں رکھے جاتے

از نژاد آریا هستیم و باشد قرن ها
کز وفا و مہر بین قلب ما پیمان بود

ہم آریائی نژاد سے ہیں اور صدیوں سے ہمارے دلوں کے درمیان وفا اور محبت کا پیمان قائم ہے

دینِ اسلام آمد و پیوند ما شد سخت تر
چون مسلمان با مسلمان باید از اخوان بود

اسکے بعد دین اسلام آیا اور ہمارا پیوند مضبوط تر ہو گیا کیونکہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے

یکسر مو نیست در فرہنگ ما ہم اختلاف
فارسی در فارس رایج ہم چو پاکستان بود

ہمارے تمدن و فرہنگ میں ذرہ بھر بھی اختلاف نہیں. فارسی فارس میں ایسے ہی رائج ہے جیسے پاکستان میں

پارسی گویان لاہوری ندیدی روح بخش
تا نگوئی کاین کرامت خاص بر ترکان بود

کیا تونے لاہور کے فارسی گو نہیں دیکھے؟ کہیں یہ خیال نہ کرنا کہ فارسی گوئی صرف ترکوں پر ہی منحصر ہے

اندرین دعوی مرا و خلق را اقبال بس
ہر کرا اقبال باشد کوکبش تابان بود

اس دعوے کا ثبوت میرے اور دوسرے لوگوں کے لئے اقبال کافی ہے جسکا اقبال یاور ہو اسکا ستارہ تابان ہوتا ہے

گر شماری شاعران را افتخار شاعران
ور ز استادان سخن گوئی ز استادان بود

اگر اسکو شاعر خیال کرو تو وہ شاعروں کے لئے باعث افتخار ہے اگر استادوں کا ذکر کرو تو وہ استادان فن میں سے ہے

کیست اقبال آن که ره زی مشرب مقصود بود
وز عطایش جرعه ای در ساغر رندان بود

اقبال کون ہے؟ وہ جس نے اس مشرب کا مقصود پالیا اسکی عطا کی ہوئی شراب سے رندوں کے ساغر میں جرعہ ہے موجود ہے

ساحل افتاده را کی نام هستی درخور است
نام هستی موج را زیبد که در جولان بود

گرے ہوئے ساحل کو ہستی کا نام دینا مناسب نہیں ہستی کا نام موج کو زیب دیتا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ جولانی میں ہے

آرزو و جستجو و همت و شوق و ثبات
مبدأ خوشبختی و سرمایه انسان بود

آرزو، جستجو، ہمت و شوق اور ثبات عزم انسان کی خوش بختی اور انسان کا سرمایہ ہیں

بهر دونان منت دونان مبر گوید حکیم
جان سپردن سهل تر از منت دو نان بود

دانا نے کہا ہے کہ دو ٹکڑے روٹی کے لئے کمینوں کا احسان مت اٹھا کمینے لوگوں کا احسان اٹھانے سے تو جان دے دینا بہتر ہے

من غلام همت آن تشنه ام کاندر تموز

آب نستاند ز خضر از منتی در آن بود

میں اس پیاسے کی حکمت کا غلام ہوں جو تپش میں بھی احسان کے طور پر خضر سے بھی پانی قبول نہ کرے

گوید اقبال ار ز اسرار خودی آگه شدی

از رموز بیخودی جان‌و دلت رخشان بود

اقبال کہتا ہے کہ اگر تو اسرار خودی سے آشنا ہو گیا تو تیرے دل‌و جان رموز بیخودی سے روشن ہو جائینگے

یعنی اول خویش را بشناش وانگه محو شو

اندر آن ملت که تار و پودش از ایمان بود

یعنی پہلے اپنے آپ کو پہچانو پھر محو ہو جاؤ اس ملت میں جسکی تارو پود ایمان سے ہے

کیست ملت هر که جزو فرقه اسلامی است

وان کسی کابشخورش از چشمهٔ قران بود

ملت کیا ہے وہ جو اسلام میں شامل ہے وہ لوگ جو قرآن کے چشمے سے سیراب ہوتے ہیں

بود سر مشق عمل اقبال و روحش شاد باد

آنکه آثارش جهان تا هست جاویدان بود

اقبال عمل پر زرو دیتا ہے اسکی روح شاد رہے جبتک دنیا ہے اسکے آثار ہمیشہ زندہ رہیں گے

خرم آن مردی کہ وقت زیستن آنسان زید

وز پس مرگش بگیتی نام او اینسان بود

مبارک ہے وہ مرد جو زندگی "اسطرح" گذارے اور مرنے کے بعد اسکا نام دنیا میں "اِسطرح" باقی رہے

مردم دانا و نادان را رجائی فرق چیست

مرد دانا باقی و فانی ہمی نادان بود

ای رجائی داناؤں اور نادانوں میں کیا فرق ہے یہی کہ مرد دانا باقی رہتا ہے اور نادان فانی ہوتا ہے



از قصیدہ آقای منوچہر طالقانی

آقای منوچہر طالقانی تہران کے نوجوان اور خوش قریحہ شعرا میں معروف ہیں اور فرانسیسی کے علاوہ عربی زبان اوؔر ادبیات سے بخوبی آشنا ہیں۔ طالقانی نے اقبال کی بعض نظموں کے جواب میں اشعار کہے ہیں ذیل کے قصیدہ میں شاعر نے اقبال سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

یک عمر من بہار بدینسان ندیدہ ام
این خرمی بباغ و گلستان ندیدہ ام

ایک عمر سے میں نے ایسی شاندار بہار نہیں دیکھی
نہ ہی ایسی خرمی اور مسرت اس سے پہلے کبھی مجھے باغ و گلستان میں نظر آئی

چون طبع با طراوت اقبال در جہان
فصل بہار پر گل و ریحان ندیدہ ام

اقبال کی با طراوت طبع سے مشابہت اور برابری رکھنے والی
گل و ریحان سے پر فصل بہار میں نے کبھی نہیں دیکھی

من بلبلی چنون کہ جہانی کند چنین
سر مست جاودانہ بالحان ندیدہ ام

میں نے جاودانہ مستی میں نغمہ سرا کوئی ایسا بلبل نہیں دیکھا جو ایک دنیا کو بدل دے

من عارفی و عالمی و سائیسی بزرگ
چون حضرتش بعرصہ دوران ندیدہ ام

میں نے زمانے میں اس جیسا عظیم عارف، عالم اور سیاستمدار نہیں دیکھا

بی شک بدرو فتنهٔ عصر روان ازو
آگاه تری به مسلک قرآن ندیده ام

عصر روان کے فتنے کے متعلق میں نے مسلک قرآن سے کوئی شخص اس سے زیادہ آگاہ تر نہیں دیکھا

شعری که شاعرش نبود پارسی زبان
اینسان روان چو چشمهٔ حیوان ندیده ام

میں نے کوئی ایسا شعر جو چشمہ حیوان کی طرح روان ہو نہیں دیکھا جو کسی غیر فارسی زبان نے کہا ہو

چون شعرا و که کان امیداست و عشق و وجد
هم بهرنفس چون غل و زندان ندیده ام

اسکے اشعار امید، عشق اور وجد کی کان ہیں اور انسانی نفس کے لئے زنجیر و زندان کا کام دیتے ہیں

اندرز اوست توام با عقل و نقل و علم
گفتار بکرو نغز بدینسان ندیده ام

اسکی نصیحت عقل و نقل اور علم کیساتھ آمیختہ ہے اور ایسی طبع زاد اور خوبصورت گفتار میں نے نہیں دیکھی

گوید برو بکوش تو بر طبق شرع و عقل
مومن اسیر ظلم و تن آسان ندیده ام

کہتا ہے کہ جاو اور شرع و عقل کے مطابق جدو جہد کرو کیوں کہ میں نے کبھی کسی مومن کو ظلم کے پنجے میں گرفتار اور تن آسان نہیں دیکھا

نسبت دهند ذلت و بیچارگی بدین
این حرف جز که تہمت و بہتان ندیدہ ام

دین کو ذلت اور بیچارگی سے نسبت دی جاتی ہے اور یہ بات سوائے تہمت اور بہتان کے کچھ نہیں۔

از بہر رستگاری انسان بروزگار
بہتر ز دین و قدرت ایمان ندیدہ ام

میں نے اس روزگار میں انسان کی رستگاری کے لئے دین اور قوت ایمان سے بہتر کوئی وسیلہ نہیں دیکھا

فقر آن بود کہ قدرت و قوت دہد بمرد
مومن ذلیل و در خم چوگان ندیدہ ام

فقر وہ ہے جو مرد کو طاقت اور قوت بخشے میں نے مومن کو ذلیل اور چوگان کی گیند کی طرح بے بس نہیں دیکھا

گوید کہ سعی و عشق و ہدف سیر ارتقاست
بی این سہ غیر پیکری بے جان ندیدہ ام

اقبال کہتا ہے کہ سعی عشق اور ہدف انسانی ارتقا کے راز ہیں میں بے ان تینوں کی غیر موجودگی میں سوائے ایک بے جان جسم کے اور کچھ نہیں دیکھا

گوید توئی تو عالم اکبر بخود نگر
جام جہانمائی بہ از آن ندیدہ ام

اقبال کہتا ہے تمہیں ہو جو کچھ بھی ہو خود کو عالم اکبر دیکھ اور یں نے اپنے وجود سے بہتر کوئی جام جہان نما نہیں دیکھا

آگاه شو ز خویش و به تجرید نفس کوش

حرمان و یاس بہر مسلمان ندیدہ ام

تم خود سے آگاہ ہو جاؤ اور اپنے نفس کے تزکیہ کے لئے سعی کرو مسلمان مرد کیلئے میں نے حرمان اور نا امیدی نہیں دیکھی

گفتار حذر ز تفرقه مسلمین کز آن

حاصل بجز فلاکت و خسران ندیدہ ام

اس نے کہا کہ فرقہ پرستی سے دور رہو اے مسلمانو کہ میں نے اسکا نتیجہ سوائے فلاکت اور نقصان کچھ نہیں دیکھا

درد نفاق مہلک هر اجتماع دان

جز اتحاد چارۂ و درمان ندیدہ ام

نفاق کو ہر اجتماع کے لئے ایک مہلک بیماری سمجھو سوائے اتحاد کے میں نے اور کوئی علاج نہیں دیکھا

از بهر عز قدرت و آسایش شما

بہتر ازین وسیله آسان ندیدہ ام

آپ کی عزت طاقت اور آسایش کے لئے میں نے اس سے آسان تر اور بہتر وسیلہ نہیں دیکھا

ای اوستاد حکمت و ای کوکب دری

شمسی چو شمع پاک تو رخسان ندیدہ ام

اے استاد حکمت اور اے فارسی زبان کے ستارے! میں نے ایسا کوئی شمس نہیں دیکھا جو تمہاری شمع سے زیادہ روشن ہو

بر خیز و اشک خویشش بیشی بر ثمر رسید
لعلی که مثل آن با بدخشان ندیده ام

اٹھ اور اپنے آنسوؤں کو دیکھ جنھوں نے اب پھل دیا ہے میں نے ایسا لعل بدخشان میں بھی نہیں دیکھا

آن لعل و پاک کشور پاکی که به از آن
قدرت برای خلق مسلمان ندیده ام

وہ پاک لعل اور پاک مملکت کہ اس سے بہتر میں نے مسلمانوں کے لئے اور کوئی طاقت نہیں دیکھی

پاینده باد کشور پاکان که کشوری
اینسان محب کشور ایران ندیده ام

کشور پاکان پاینده باد کیونکہ میں نے کوئی ایسا ملک نہیں دیکھا جس سے ایران کو اتنی محبت ہو

جاوید آن دیار که از مردمش بجز
مهر و صفا و پاکی و ایمان ندیده ام

وہ دیار جاوید رہے کیونکہ وہاں کے لوگوں سے سوائے مہر و صفا و پاکی و ایمان کے میں نے کچھ نہیں دیکھا

اقبال کشوریست که اقبال آورد
وان جز برای کشور پاکان ندیده ام

وہ ملک اقبال مند ہے جہاں اقبال پیدا ہوا اور یہ اقبال میں نے کشور پاکان میں ہی دیکھا ہے

بی شک ز مردمان جهان هیچ کس از او
مشتاق تر بملت ایران ندیده ام

بے شک میں نے دنیا کے لوگوں میں سے کسی کو بھی ملت ایران سے اتنی محبت رکھنے والا آدمی نہیں دیکھا

مهرش بما ببین که جنیوای اهل شرق
گوید به از مدینه تهران ندیده ام

اسکی محبت کی حد دیکھو کہ وہ مشرق کے جنیوا کے لئے تہران سے مناسب تر اور کوئی شہر نہیں پاتا

هرگز نمیرد آنکه دلش زنده شد بعشق
فقدان برای عاشق یزدان ندیده ام

جسکا دل عشق سے زندہ ہو وہ کبھی نہیں مرتا میں نے یزدان کے عاشق کے لئے موت کبھی نہیں دیکھی

هان طالقانیا نتوانی تو مدحتش
کز زره درک مهر درخشان ندیده ام

ہاں اے طالقانی تم اس کی مدح نہیں کر سکتے کیونکہ زرہ کو مہر کی قدر دانی کرتے میں نے نہیں دیکھا

*
* *
* * *

ایران کے وزارٔ اعظم کے پیغام

پیام جناب آقای حسین علا وزیر اعظم ایران

سب سے پہلے ایران کے جس وزیر اعظم نے "یوم اقبال کے موقع پر اپنی طرف سے خاص پیغام بھیجا آقای حسین علا ہیں یہ پیغام انہوں نے ۱۹۵۰ع کے یوم اقبال کے موقع پر دیا فرماتے ہیں۔ "میرے لئے نہایت خوشی اور مسرت کا مقام ہے کہ مجھے اس جلسے میں جو شاعر مشرق علامہ اقبال کی یاد میں برپا ہے۔ شرکت کرنے کا موقع ملا ہے اسکی گرانبہا خدمت اور قیمتی اور جاویدان تصنیفات پاکستان اور ہندوستان میں زبان زد خلق ہیں اور انکو ایران کے ادب دوست اشخاص میں شہرت حاصل ہے۔ اقبال کی یہ خدمات ہرگز فراموش نہ ہونگی۔ مرحوم اقبال نور محمد کے فرزند تھے اور اپنے عالی تفکر اور عظیم الشان اور تابناک روح کی بدولت اسنے اپنے باپ کے نام کی نسبت سے نور محمد کی مشعل حال ہاتھ میں لی اور اپنے ہمہ گیر مقاصد اور معانی کو اپنے اشعار کے ذریعہ عالم اسلام اور مسلمانان ہند و پاکستان تک

برای اینجانب موجب نہایت خوشوقتی و مسرت است که در جشن یاد بود علامه شهیر و شاعر توانای شرق مرحوم دکتر محمد اقبال شرکت میکنم۔ خدمات گرانبها و اثرات ذیقیمت و جاویدانیکه این دانشمند بزرگ از خود بر جای گذارده درمیان میلیونها نفوس پاکستان و هند نیز مردم ادب دوست ایران معروف است و هرگز فراموش شدنی نخواهد بود۔ مرحوم اقبال فرزند نور محمد با فکر و روح بزرگ و تابناکی که داشت همچو نام پدرش مشعلی از نور محمدی بدست گرفت و بعالم اسلام و مسلمانان قاره هند و پاکستان با اشاعه آنهمه مقاصدو معانی بلند که در اشعار خود گنجینده بسیار خدمت کرد و در راه وحدت مسلمانان زحمات بیشمار کشید۔ اقبال در دانشگاههای اروپا علوم



جناب آقای حسین علا



جناب آقای سپهبد زاهدی



جناب آقای دکتر محمد مصدق

پہنچایا اور مسلمانوں میں وحدت پیدا کرنے کے لئے بہت رنج اٹھایا۔

اقبال نے یورپ کی یونیورسٹیوں میں علوم فلسفہ اور حکمت کا دقیق مطالعہ کیا اور اسمیں مہارت حاصل کی۔ اپنے وطن کو واپسی کے وقت تک اسنے مشرق علم عرفان اور ادبیات کا مطالعہ کرنیکے بعد اپنے لئے سر زمین مشرق کے درخشاں ترین ستاروں کے دوش بدوش مقام حاصل کر لیا۔ اقبال نے مغرب کے علم و حکمت اور مشرق کے علم و عرفان میں یگانگت اور ارتباط پیدا کیا جیسا کہ انہوں نے خود فرمایا ھے:

خرد افزود مرا درس حکیمان فرنگ
سینه افروخت مرا صحبت صاحب نظران

یعنی فرنگ کے فلاسفہ کی تعلیم سے میری سمجھ میں ترقی ہوئی۔ اور صاحب نظروں کی صحبت سے میرے سینے میں روشنی پیدا ہوئی۔

ایرانیوں کے لئے یہ امر بہت قابل توجہ اور عز و افتخار کا موجب ھے کہ اقبال نے اپنے افکار و خیالات کے بیان کے لئے فارسی زبان کو انتخاب کیا اور اسکی چھ کتابیں فارسی زبان میں ھیں۔ ایک جگه اقبال فرماتے ھیں:—

گرچه هندی در عذوبت شکر است
طرز گفتار دری شیرین تراست

فلسفه و حکمت را بنیکی بیاموخت و از اساتید این فن شد و بهنگام باز گشت بوطن باموختن و تکمیل ادبیات و عرفان شرق خود را در ردیف درخشان ترین ستارگان آسمان مشرق قرار داد و علم و حکمت مغرب را با عشق و عرفان مشرق بیکجا درهم آمیخت چنانکه خود میفرماید: خرد افزود مرا درس حکیمان فرنگ و برای ایرانیان بسیار جالب توجه قابل تجلیل و تکریم است که اقبال برای نشر آثار و عقاید خود زبان فارسی را برگذیده و در حدود شش رساله خود را بفارسی منظوم داشته و در یکجا میفرماید: گرچه هندی در عذوبت شکر است

،،اگرچہ ھندی زبان شکر کے مانند ھے - فارسی زبان شیریں تر ھے،، —
اس ضمن میں اقبال کی ایرانی ادبیات اور شعرا عرفانی کے ساتھ عشق اور رابطہ کہیں زیادہ ھے اور اس نے مولانا جلال الدین بلخی کو اپنا مرشد اور پیشوا انتخاب کیا ھے - فرماتے ھیں :—

مرا بنگر که در هندوستان دیگر نمی بینی
برهمن زاده ای رمز آشنای روم و تبریزاست

،مجھے دیکھو کیونکہ میرے بغیر ھندوستان میں اور ایسا کوئی نہیں ملیگا - یہی برھمن زادہ (یعنی خود اقبال) روم و تبریز کے اشاروں سے آشنا ھے ،—

اقبال کے نزدیک مولوی (رومی) ھے جو زندگی اور موت کے معنوں سے واقف ھے - فرماتے ھیں :—

مرشد رومی حکیم پاکزاد
سرمرگ و زندگی بر من کشاد

،،اس پاک زاد حکیم مرشد رومی نے موت اور زندگی کا راز مجھپر آشکار کیا،،

اقبال در زمینه علاقه و توجه ادب و شعرا عرفانی ایرانی از این بیشتر رفته و مولانا جلال الدین بلخی را بمرشدی و پیشوائی معنوی خود کرده و میفرماید : مرا بنگر که در هندوستان دیگر نمی بینی
اقبال مولوی را راز گشای معمای مرگ و زندگی میداند و میفرماید :
مرشد رومی حکیم پاکزاد
سر مرگ و زندگی بر من کشاد

جب ہم اس بات کو دیکھتے ہیں کہ اقبال کی مادری اور ملکی زبان اردو تھی اور اس نے ایسے استادوں سے تعلیم پائی جنکی مادری زبان فارسی نہیں تھی اور اسکی فارسی زبان سے واقفیت صرف شاعروں اور انشا پردازوں کے مطالعہ کا نتیجہ تھی اور اس کے علاوہ یہ کہ اس نے ایران میں قدم تک نہیں رکھا اور اسکے باوجود اسکو اسقدر عشق و محبت فارسی زبان سے تھی تو تمام ایرانی اقبال کے نہایت ممنون محسوس کرتے ہیں۔ اگرچہ اقبال نے اپنی زندگی میں اس ملک میں (جس سے اسکو اتنی محبت تھی) قدم نہیں رکھا آج اسکی باعظمت روح اسکے تفکر کا نور اور اسکے دل کی روشنی ایران میں جلوہ گر اور درخشاں ہے اور وہ آسمان کی بلندی سے اس جلسہ کو جو ایرانیوں اور پاکستانیوں کے باہمی محبت اور دوستی کا مظہر ہے ذوق و شوق سے دیکھ رہی ہے۔ اور اسکی آرزو یہ ہے کہ یہ برادری اور دوستی کا رشتہ کلچرل اقتصادی مادی اور معنوی امور میں مضبوط تر اور پائدار تر

وبا توجه با ین مطلب که اقبال دانشمندی بوده است که زبان مادری و کشوری او اردو بوده و نزد استادانی که فارسی زبان نه بوده اند درس خوانده و تنها آشنائی او با زبان فارسی از راه کتب شعراء و نویسندگان بوده و هر گز پا بایران نگذاشته است اینهمه علاقه و توجه بزبان فارسی داشته برای ایرانیان نهایت موجب تشکرو امتنان میباشد و اکنون جائی خوشوقتی و مسرت است که اگر اقبال در زندگی خود بسر زمینی که اینهمه بآن عشق میوزیده پا ننهاد اینک روح بزرگ ونور فکر و روشنی دل او در کشور ایران تابنده و جلوه گر است و از فراز آسمان بمجلسی که روح وداد و برادری ایران و پاکستان تشکیل دهنده آنست با ذوق و شوق مینگرد و آرزو میکند که این رشته دوستی و برادری در جمیع امور فرهنگی و اقتصادی و مادی و معنوی هر روز محکمتر و با

ھو جائے۔ ھم اپنی طرف سے ھمیشہ اس اتحاد اور یگانگت کے آرزو مند ھیں اور اس عظیم المرتبت عالم کی بزرگ روح پر درود بھیجتے ھیں۔

* * *
* *
*

دوام تر گردد ۔ ما نیز بنوبہ خود ھموارہ مشتاق و آرزو مند این اتحاد و یگانگی میباشیم و بروح پر فتوح این دانشمند بزرگ درود میفرستیم۔

پیام جناب آقای ڈاکٹر محمد مصدق

اپریل ۱۹۵۲ ایران کے مشہور ادیب اور ادب نواز ادیب السلطنہ سمیعی مرحوم کی صدارت میں یوم اقبال منایا گیا جسمیں وزیر اعظم وقت ڈاکٹر محمد مصدق کے پیغام کا ریکارڈ سنایا گیا اور جلسہ کی تمام کاروائی مرکزی اور تمام صوبائی ریڈیو اسٹیشنوں سے ریلے کی گئی۔ یہاں اس بات کا ذکر کر دینا مناسب ہوگا کہ ان دنوں وزیر اعظم ایران تیل کے تاریخی جھگڑے میں مشغول تھے اور انکے لئے اور تہران ریڈیو کے لئے چند منٹ وقت نکالنا ایک دشوار امر تھا۔ اور سکریٹری انفارمیشن آقای بشیر فرہمند نے مجھسے کہہ دیا کہ وزیراعظم کے پاس پیغام ریکارڈ کرانے کا وقت نہیں اور ریڈیو تہران کے قومی اور ضروری پروگرام ایسے ہیں کہ یوم اقبال کے جلسہ کی کاروائی ریلے نہیں ہو سکے گی۔ آقای فرہمند نے مجھکو ذاتی طور پر مشورہ دیا کہ میں براہ راست وزیر اعظم سے بات کروں۔ میں نے ٹیلیفون پر اقبال کی اہمیت ڈاکٹر مصدق کے گوش گذار کی۔ ڈاکٹر مصدق نے اسی وقت سکریٹری انفارمیشن اور ڈائرکٹر ریڈیو تہران کو حکم دیا کہ فوراً یوم اقبال کے جلسہ کی کاروائی کو ریڈیو سے ریلے کرنے کا انتظام کیا جائے اور اسکے علاوہ اپنا پیام ریکارڈ کرا کر بھیجوانے کا وعدہ کیا۔ اور چند گھنٹوں میں سب انتظامات مکمل ہو گئے۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ ایران کو جو اقبال سے ربط اور دلچسپی ہے وہ سیاسی کشمکشوں سے بہت بالا تر ہے وزیر اعظم کے پیغام کا متن یہ ہے۔

"پاکستان کے افق سے اقبال کے ستارے کا طلوع ابتداً ہی سے اپنی

طلوع کوکب اقبال در افق پاکستان کہ از اوان پیدایش خود درخلال

آسمانی شاعری کے ذریعہ سے پاکستان کی نجیب ملت کی آزادی کی خوشخبری دے رہا تھا۔ اقبال نے امپیریلزم کے ظلم و ستم کے خلاف اپنے عالی مقاصد اور اپنے دلکش بیان کے ذریعے قیام کیا۔ الحق اقبال کا طلوع پاکستان کی آزادی پسند قوم کے لئے مبارک اور با برکت تھا۔

جو چراغ اقبال نے قوم کی هدایت اور ارشاد اور اسکے خیالات کو روشن کرنیکی غرض سے جلایا ھے نہ صرف زمانیکے تمام حادثوں میں قائم اور پا برجا رھے گا بلکہ روز بروز اسکی شعائیں روشن تر اور اسکا نور درخشاں تر اور زیادہ امید افزا ھوتا جائیگا۔

اقبال نے اپنے خیالات اور مقاصد بیان کرنے کے لئے زبان فارسی کا انتخاب کر کے فارسی زبان لوگوں کی بڑی خدمت کی ھے۔ اور جو فائدہ اسنے فارسی کے عظیم الشان شاعروں کے کلام سے حاصل کیا اسکا بدلہ بہترین طریقہ سے ادا کیا ھے۔

یک سلسلہ، گفتار آسمانی آزادگی و استقلال ملت نجیب پاکستان را نوید میداد و در مبارزہ با ستمگیریهای استعمار طلبان مقاصد عالیہ خود را با بیانی شیوہ ادا، مینمود برای ملت آزادیخواہ پاکستان طالعی سعد و فرخندہ بود۔

چراغی کہ اقبال برای تشحیذ افکار و هدایت و ارشاد قوم خود بر افروخت نہ تنہا در برابر هر گونہ حادثات دهر همیشہ پای بر جا و استوار خواهد ماند بلکہ هر روز کہ بگذرد اشعہ آن ساطع تر و پرتو درخشانش امید بخش تر میگردد۔

اقبال با انتخاب زبان فارسی برای بیان عقاید و ابراز مقاصد خود خدمت بزرگی بدنیای فارسی زبان نمود و حق خود را در تمتع از گفتہ های نغز

یہ صحیح ہے کہ ایرانی شعرا کے شعر کی بلندی اور انکے افکار کی عظمت نے اقبال کی توجہ کو فارسی زبان کی طرف مبذول کیا لیکن یہ نہیں بھولنا چاہئے وہ ہمارے مشترک ادب اور افکار کو اتنی ہی اہمیت دیتا تھا جتنی کہ ان دو دوست اور برادر قوموں کے اتحاد کو۔ (جو عقلی اور نظری لحاظ سے ان دو ملتوں کے درمیان قدیم سے موجود تھے) یہی وجہ ہے کہ اقبال نے تمدنی اور روحانی تعلقات کو مستحکم کرنیکی کوشش کی. ہم انکے خیالات کو تعریف اور تمجید کے قابل سمجھتے ہیں۔ اور ہمارے لئے یہ بڑی خوشی کا موجب ہے کہ ایرانی فضلاء اسکی گران بہا تصنیفات سے دلچسپی اور محبت کا اظہار کرکے اقبال کے متعلق اپنی حق شناسی کا ثبوت دے رہے ہیں —

جسطرح اقبال ایرانی مفکروں کی قوت الہام سے فیضیابی پر فخر کرتا ہے اور کہتا ہے ,, مجھے دیکھو کیونکہ ہندوستان میں میرے بغیر اور کسی کو

سخن سرایان بزرگ ایران بنیکو ترین وجہی ادا ساختہ است ۔ درست است کہ توجہ آن فیلسوف بزرگ ببلندی نظرو عظمت فکر شعرای ایرانی او را مجذوب زبان شیوای فارسی ساخت ولی نمیتوان نا دیدہ گرفت کہ وی بفکرو ادبیات مشترک ما ہما نقد اہمیت میداد کہ برای اتحاد و یگانگی دو ملت دوست و برادر ارزش قائل بود. اینست کہ ما برای اقبال در تحکیم روابط فرہنگی و تشیید علایق معنوی بین دو ملت کہ از دیر باز باہم پیوستگی عقلی و ذوق داشتہ اند سہم شایان تمجیدی قائلیم و مایہ کمال خرسندی است کہ گویندگان و دانشمندان ایرانی حق شناسی خود را نسبت باین فیلسوف با ابراز علاقہ مندی با آثار گرانبہای او ادا میکنند۔

ہما نطورکہ اقبال ببرخورداری از نیروی الہام متفکرین ایرانی مباہات جستہ و میگوید

نہ دیکھو گے ۔ کہ ایک برھمن زادہ روم و تبریز کے اسرار سے آشنا ہے،، اسی طرح ایران بھی اس ارتباط کو احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے میرے لئے یہ انتہائی مسرت کا باعث ہے کہ اس پیغام کے ذریعے سے اس جشن میں شرکت اور دونوں ملتوں کی روز افزوں کامیابی اور سعادت کے لئے اپنی آرزو کا اظہار کروں،،۔



مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی
برھمن زادۂ رمز آشنای روم و تبریزاست

ایران نیز باین پیوستگی بچشم احترام مینگرد ۔ برای من مایہ کمال مسرت است کہ این پیام را وسیلہ شرکت خود در این جشن قرار مید هم و سعادت و کامیابی روز افزون برای دو ملت دوست و برادر آرزو کنم ۔

پیام جناب آقای سپهبد زاهدی

۱۹۵۴ میں بجائے سفارت کبرای پاکستان یوم اقبال انجمن فرهنگی ایران و پاکستان کی طرف سے منایا گیا۔ وزیر اعظم وقت سپهبد (مارشل) زاهدی نے انجمن فرهنگی کے اس اقدام کو بہت سراها اور صدر انجمن آقای حجازی مطیع الدوله کے توسط سے اپنا خصوصی پیغام بهیجا۔ وزیر اعظم اپنے پیغام میں فرماتے هیں —

"انجمن روابط فرهنگی ایران و پاکستان کے وجود میں آنے سے ان دو برادر اور هم مذهب ملتوں کے باهمی ارتباط کو (جسکے لئے همیشه کوشش کی جاتی رهی هے) بہت تقویت پہنچی هے یه انجمن دونوں ملتوں کے فرهنگ دوست اصحاب کی کوشش سے وجود میں آئی هے اور اعضای انجمن نے اقبال کے ستارے کی روشنی میں اپنے عهد دوستی اور فرهنگی تعلقات کی تجدید کے لئے اس جلسے کا اهتمام کیا هے۔ یه جلسه دونوں ملتوں کے روحانی ارتباط کا موجب هوگا۔ اقبال نے اپنے هموطنوں کی هدایت اور راهنمائی کے لئے زبان شیریں فارسی کو انتخاب کیا هے ان دو ملتوں کے معنوی تعلقات کے استحکام

تشکیل انجمن روابط فرهنگی ایران و پاکستان وابستگی معنوی این دو ملت برادر و همکیش که برای استحکام آن همواره علاقمندی میشود استوارتر میسازد۔ این انجمن که بهمت دوستداران فرهنگ دو ملت تاسیس شده و بروشنائی ستاره اقبال برای تجدید عهد دوستی و علاقه فرهنگی جشنی برپا کرده اند، موجب پیوستگی معنوی بیشتر دو ملت ایران و پاکستان میگردد۔ اقبال که برای هدایت و راهنمائی هموطنان خود زبان شیرین فارسی را

میں اسکا بہت بڑا حصہ ہے - اور اسی مناسبت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایران و پاکستان کی دو ملتوں کا بلندی فکر، فصاحت اور شیرینی زبان کے لحاظ سے ,,اقبال،، مشترک ہے -

روز اقبال کا جلسہ جو اس سال انجمن فرہنگی کو کوشش و ہمت سے ہو رہا ہے زیادہ پر اخلاص اور زیادہ ہیجان انگیز ہے - اور اگر میں خود کسی وجہ سے اس جلسہ میں حاضر نہ ہو سکوں تو میرا دل وہاں موجود ہوگا - اور میرے لئے یہ بڑی خوشی کا مقام ہے کہ اس دوستی کے پیغام کے ذریعے اس جلسہ میں شرکت کر رہا ہوں - میری آرزو ہے کہ یہ دونوں ملتیں جن میں برادرانہ اور دوستانہ تعلقات موجود ہیں کامیابی اور سعادت کے راستہ پر تیزی سے گامزن ہوں -

---

انتخاب کردہ است در تشیید و تحکیم علائق معنوی دو ملت سہم بسزائی دارد و بہمیں مناسبت میتوان گفت کہ دو ملت ایران و پاکستان از نظر علو فکرو فصاحت و شیرینی زبان دارای یک اقبالند -

جشن اقبال کہ امسال بہمت انجمن روابط فرہنگی ایران و پاکستان برپا میشود صمیمانہ تر و شور انگیز تراست -

اگر بجہاتی نتوانم در این جشن حاضر شوم فکر من پیش شما است و مایہ بسی خوشوقتی است کہ با ایراد این پیام دوستانہ در این بزم شرکت میکنم و آرزو دارم کہ دو ملت دوست و برادر پیوستہ در راہ موفقیت و سعادت گام ہای بلندی بردا رند -

متفرقات

(بعض اقتباس کتاب کی تدوین کے بعد دستیاب ہوئے لیکن ان کی اہمیت کے پیش نظر ان کو اسی جگہ درج کیا جاتا ہے بعض اقتباسات کا اردو ترجمہ پیش نہیں کیا جا سکا)

از نامۂ جناب آقائی رضا جعفری وزیر تعلیم ایران

۱ پاکستان کے شاعر اور حکیم محمد اقبال کو ایران کی ادبی تاریخ میں بھی وہی مقام حاصل ہے جو پاکستان کی ادبی تاریخ میں اور جتنی بھی توجہ اسکے کلام کے مطالعہ اور تحقیق پر دی جائے اقبال اسکا سزاوار ہے —

از مقالۂ آقای پارسا توسرکانی

(آقای پارسا ایران کے قابل فخر شعرا اور ادبا میں سے ہیں اور ایران کی مشہور عالم انجمن ادبی "فرہنگستان ایران" کے سکریٹری ہیں)

۲ تھوڑے ہی عرصہ میں علامہ اقبال کا نام تمام دنیا میں مشہور ہوگیا ہے مشرق کی سر زمین جیحون سے نیل تک اسکے پروں کے نیچے آچکی ہے

---

۱ محمد اقبال شاعر و حکیم پاکستانی در تاریخ ادبی ایران همان مقام را دارد که در تاریخ ادبی پاکستان و هر چند در احوال و افکار این دانشمند پاکستانی پارسی زبان تحقیق و کنجکاری و استقصا شود بجا و سزاوار است.

با اینکه شهرت علامه محمد اقبال در اندک مدتی جهانگیر شدو سر زمین خاور را از جیحون تا نیل زیر پر گرفت و در اقصی نقاط مغرب نیز پر تو

لیکن ابھی تک لوگوں نے اس ,,مرد خود آگاہ،، کی عظمت کو نہیں پہچانا۔ مناسب ہوگا کہ اسکے تابناک افکار اور آثار کا (جنکے تحت تاثیر عظیم اسلامی ملک وجود میں آیا) مطالعہ اور انپر بحث اور گفتگو کیجائے تاکہ اس فرزند اسلام کی دانش کے خرمن اور اسکے بلند مقاصد سے ہم زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔

علامہ اقبال نے مشرق کے عظمت کے کاخ کی بنیاد رکھی ہے اور ایک ایسے مکتب کی داغ بیل ڈالی ہے جہاں زمانہ حال اور زمانہ مستقبل کی نسلوں کی علمی اور سیاسی لحاظ سے پرورش اور تربیت ہو سکیگی۔

(اقتباس از روسی عصر)

از نامۂ خانم دانشمند دوشیزہ پروانہ صدر اعظمؓ نوری

دوشیزہ پروانہ نوری علاوہ ادبیات فارسی کے انگریزی زبان پر عبور رکھتی ہیں اور موقر زنانہ رسالہ ,,خانہ،، کچھ مدت تک انکے زیر نظر شائع ہوتا رہا ہے

افگند هنوز آن گونه که باید و شاید مردم به عظمت این (مرد خود آگاه) پی نبرده اند و شایسته آن است بیشتر در پیرامون اندیشه ای تابناک وی اثری که در پیدایش عظمت کشور اسلامی داشته بحث و مذاکره شود تا همکاران از خرمن دانش و هدف بلند این فرزند برومند اسلام بیشتر بهره مند شوند.

علامه اقبال کاخ بلند از فضیلت در شرق پی افگند که دولت جوان پاکستان آنرا تکیه گاه خود قرار داده و مکتبی تاسیس کرد که پرورشگاه رجال علمی و سیاسی نسل حاضر و نسل آینده آن کشور بشمار میرود.

۱...... جب ہم غور کریں تو دیکھتے ہیں کہ اقبال کے اشعار کے آئینے میں ہمارے عظیم المرتبت اجداد ہی کے چہرے ہیں جو نئے رنگ و روپ میں ظاہر ہوئے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ اقبال مولانا جلال الدین بلخی کا مرید اور پیرو ہے مگر اس حقیقت کو نہ بھولنا چاہئے کہ اقبال تمام جدید یورپین فلسفہ اور سیاسی افکار کے مطالعہ سے بہرہ مند ہے اور جن لوگوں نے مغربی افکار و نظریات کا مطالعہ کیا ہے اقبال کی وسعت نظر پر تعجب کرتے ہیں۔ شاید ہی کوئی مہم فلسفیانہ یا سیاسی نظریہ یا تحریک ہوگی جسپر اقبال نے اظہار نظر نہ کیا ہو۔ اور اسکی نظر ہمیشہ صائب اور فطرت انسانی کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ اقبال اس زمانے کا رومی ہے۔ مگر یہ زمانہ بلخی کے زمانے

آثار اقبال مثل یک آئینه تمام زیبائی های شعر و فکر اقبال را بطرز دلپذیری منعکس میکند و چون بدقت مینگریم می بینیم که همان قیافه های نیاکان بزرگ ماست که در آئینه شعر اقبال بشکل تازه ای جلوه گر گردیده است.

شکی نیست که اقبال مرید و پیر و مولانا جلال‌الدین بلخی است ولی نباید فراموش کرد که اقبال از فلسفه های جدید و افکار سیاسی اروپا نیز بهره مند گردیده و برای کسانیکه در افکار و نظریات متفکرین غرب دقت نموده وسعت و بسط نگاه اقبال شگفت آور میباشد.

اقبال دربارهٔ فلسفه‌های مختلف و نهضت‌های سیاسی اظهار نظر نموده و نظر وی در همه مورد صائب و با فطرت بشری موافق میباشد.

اقبال رومی این عصر است ولی باید در نظر داشت که این عصر

کی نسبت بدرجہا وسیع تر اور علمی ادبی اور سیاسی لحاظ سے پیچیدہ تر ہے .... ،،مثنوی،، اقبال کے لئے ایک مشعل ہے جسکی روشنی میں وہ عصر حاضر کے پیچیدہ اور تاریک راستوں کو طے کرتا چلا گیا ہے۔

از آقای احمد زرین خامه

احمد زرین خط تہران صحافی حلقوں میں معروف ہیں اور انکو تصوف اور فلسفہ اسلامی سے گہرا لگاؤ ہے

کئی سال سے میں لاہور کے فارسی گو شاعر اقبال سے آشنا ہوں اور اسکی عظمت کلام اور الہام کو جو اسے عالم عرفان کے بادشاہ مولای رومی سے حاصل ہوئی پہچانتا ہوں۔ لیکن مجھے کبھی اس بات کی ہمت نہیں ہوئی کہ اسکے کلام کو جیسا چاہئے تجزیہ اور تحلیل کر سکوں۔

اقبال ایک گرانمایہ شاعر، پاک سرشت عارف، بصیر اور ممتاز فلسفی

نسبت بہ عصر بلخی بمراتب وسیع تر و از حیث اوضاع ادبی و علمی و پیچیدہ تر میباشد.

مثنوی مولانا برای اقبال مانند یک مشعلی است کہ بنور آن جادہ ہای تاریک و پر پیچ عصر حاضر را طی مینماید.

سالہاست با آثار اقبال شاعر پارسی گوی بزرگ لاہوری آشنا شدہ ام و عظمت گفتار او را در الہامی کہ از شہر یار بزرگ عالم عرفان مولای رومی کسب کردہ است در یافتہ ام ولی ہیچگاہ در خود یارای آن ندیدہ ام کہ لا اقل بتوانم آنطور کہ شاید و باید آثار و افکار او را تحلیل نمایم.

اقبال نہ تنہا شاعری گرانمایہ عارفی پاک سرشت و دانشمندی بصیر و ممتاز بشمار میرود بلکہ یک نابغہ ای محسوب میشود کہ در تاریخ بشریت و

اور نابغہ روزگار شمار کیا جاتا ہے۔ جسکا پر افتخار نام قوموں کی زندگی اور بشر کی تاریخ میں زرین حروف میں ثبت ہے اور ایک وسیع مسلمان ملک کی آزادی اسکے ارادے اور عالی افکار سے وجود میں آئی ہے۔

روز نامۂ پست تہران ۔ شمارہ ۱۷۲

۱ اسلامی تمدن اپنی تمام عظمت اور درخشانی کا راستہ طے کر کے بعض وجوہات کی بنا پر رو بزوال تھا ۔ خیام و مولوی سعدیؒ و حافظ ایسے بزرگوں کا زمانہ ختم ہونیکے بعد ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری (جو مولوی اور حافظ کا زمانہ ہے) کے بعد پچاس سال پہلے تک کوئی ایسا شاعر پیدا نہیں ہوا جو اپنے زمان و مکان سے باہر قدم رکھے اور اپنے وسیع اور روشن افکار سے نہ صرف اپنے ملک بلکہ تمام متمدن دنیا کی راہنمائی کر سکے

تقریباً نصف صدی پہلے پاکستان کے مسلمان شاعر اقبال لاہوری نے

زندگی ملل نام پر افتخارش با حروف زرین ثبت و مشہود گشتہ است و استقلال کشوری بزرگ و مسلمان بہمت و ارادہ و افکار عالی او بوجود آمدہ است.

۱ تمدن اسلامی با ہمہ عزت و درخشش خود در طی حرکت خویش بر اثر عواملی چند روز بضعف گذاشت و دیگر کار بزرگانی مانند خیام و مولوی و حافظ و سعدی طی شد و از قرن ہفتم و ہشتم ہجری کہ قرن مولوی و حافظ است تا پنجاہ سال پیش کسی نیامدہ است کہ از حدود زمان و مکان بتواند تجاوز کند و فکر بسیط و روشن خود را راہنمای مردم کشور خویش بلکہ جہان متمدن قرار دہد تنہا از حدود نیم قرن پیش اقبال لاہوری شاعر مسلمان پاکستان است کہ پای از حدود عادی فراتر گذاردہ و بجای

عام حدود سے آگے اپنا قدم بڑھایا ۔ بجای ساقی اور شاھد اور محفل انس کے اسکا خطاب تمام بر صغیر کے ھند بلکہ تمام اھالیان مشرق زمین سے تھا ۔

شاید ھی کسی نے اقبال لاھوری کی مانند اپنی ملت پر اتنا گھرا اثر ڈالا ھوگا یا ملت کی زندگی میں انقلاب پیدا کیا ھوگا ۔

پاکستان کی ملت اور مملکت کا وجود میں آنا اقبال کے افکار اور اسکی علمی اور ادبی کاوشوں کا نتیجہ ھے ۔ اقبال کا نام پاکستان کی آزادی سے مربوط بلکہ اسکا مترادف ھے ۔

روز نامہ ستارہ شمارہ ۴۰۲۳

۱ جو لوگ ایران و پاکستان کی تاریخ اور ادب سے آشنا ھیں جانتے ھیں کہ ان دو ملکوں کے درمیان معنوی وحدت اور روحانی یگانگت موجود ہے ۔

اگر ھم اس روحانی ربط اور افکار کی نزدیکی کو سمجھنے کی کوشش کریں

آنکه مخاطب او شاهد و ساقی محفل انس باشد با سراسر مردم قارهٔ هند بلکه مردم مشرق زمین سخن میگوید.

کمتر کسی مثل اقبال لاهوری توانسته است که در ملت این اندازه تاثیر کند و حتی حیات ملتی را تغیر دهد. تشکیل ملت و دولت پاکستان نتیجهٔ افکار و فعالیتهای علمی و ادبی اوست و بهمین منظور است که تا پاکستان در جهان است که همیشه پایدار باشد، نام اقبال با مفهوم استقلال پاکستان نزدیک بلکه مترادف است.

۱ کسانی که با تاریخ و ادبیات ایران و پاکستان آشنائی دارند بخوبی میداند که یکنوع تلفیق روحی و توحید معنوی ما بین دو کشور موجود میباشد.

اگر بخواهیم بعلت اصلی این ارتباط افکار و هم روحی پی ببریم قیافه و

تو پاکستان کے والا گہر قومی شاعر کا بینظیر اور نورانی چہرہ ہمارے سامنے مجسم ہوجاتا ہے —

روز نامهٔ پارس شیراز شماره ۱۵۷۹

۱ جس زمانے میں ہندو پاکستان کے لوگ خارجی حکومت کے سختیوں کی بوجھ تلے وقت گذارتے تھے اور انمیں کوئی جان باقی نہ رہی تھی، اقبال نے اپنے محیج اور روح انگیز اشعار کے ذریعے ہندوستان کے لوگوں کے دلوں میں حرارت پیدا کی اور انمیں استقلال اور آزادی حاصل کرنیکا خیال جا گزیں ہوا —

یہ ایک حیرت انگیز بات ہے کہ پاکستان کے وجود میں آنے سے تقریباً بیس سال پہلے اقبال نے اسکا نقشہ اپنے تخیل میں کھینچا ۔ اس لئے اگر پاکستان کو اقبال کے تخیل کی پیداوار کہیں تو اسمیں کوئی مبالغہ نہیں —

وجود نورانی و بی نظیر علامه اقبال شاعر والا گهر و ملی پاکستان هویدا میگردد.

۱ هنگامیکه هنوز ملت (هند و پاکستان) در زیر یوغ استعمار بسر میبرد و دیگر رمقی برایش باقی نمانده بود مرحوم اقبال با اشعار مهیج و روح انگیز خود چنان شوری درمیان مردم هند انداخت که از همانروز بفکر گرفتن استقلال و بدست آوردن آزادی افتادند. از تعجبات آنکه قریب بیست سال پیش از آنکه پاکستان بوجود آید اقبال آنرا در مغز خود ایجاد کرده و نقشهٔ آنرا در ضمیر منیر خویش ترسیم نموده است و بنا بر این اگر پاکستان را مولود افکار بلند آنمرد بزرگ بدانیم اغراق نگفته ایم.

اقبال کے اشعار کے مطالعہ اور سر زمین ایران کے ساتھ اسکے عشق اور دلچسپی کو دیکھکر وہ خطوط جو جغرافیہ کی کتابوں میں پاکستان اور ایران کی مشترک سرحد کو ظاہر کرتے ہیں میری نظر سے محو ہو گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ جو چیز ایران کی ہے وہ پاکستان کی ہے اور پاکستان کے تمام ادبی اور سیاسی مسائل اور معاملات ایران سے تعلق رکھتے ہیں —

شاعر ملی پاکستان اقبال ادبیات فارسی کا سرمایہ اور اس زبان کے لئے موجب افتخار ہے کیونکہ اسنے انگریزی تسلط کے عروج کے وقت ایرانی ادب کے نوسو سالہ سرمایہ اور فارسی زبان کی جو اس ملک میں آخری دموں پر تھی حفاظت کی اور اس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو خارجی امپیریلزم کی فکری غلامی سے نجات دی۔

از روز نامه دوست ملت شیراز شماره ۱۷۷

اقبال کے افکار ہندوستان کی چہار دیواری میں محصور نہیں ۔ اقبال نے عالم تخیل میں ایک مثلث کی شکل کی ترسیم کی۔ مسعود ۔ امان کا وطن لاہور، حافظ

در اثر خواندن اشعار علامه اقبـال و درک شوق و جذبه او بسر زمین ایران خطوطی که بروی نقشه جغرافیا بعنوان حدود و ثغور و مرز مشترک ایران و پاکستان از نظرم محو شد زیرا احساس کردم هر چه بایران تعلق دارد متعلق به پاکستان است و در مقابل تمام شئون ادبی و حلقه های سیاسی پاکستان نیز بایران تعلق دارد. اقبـال شاعر ملی پاکستان و مایه افتخار ادبیات فارسی است زیرا در بحبوحه قدرت و معارضه زبان انگلیسی با ادبیات نهصد ساله ایران در شبه قاره هند از زبان فارسی که دقائق احتضار را میگذراند دفاع نموده و مسلمانان هندوستان را از بردگی فکری دولت حاکم استعماری نجات داد.

کا وطن شیراز اور صائب کا وطن تبریز اس مثلث کے تین زاوئے هیں اور مولانا جلال الدین کا مرز بوم بلخ اسکا دل ھے۔

عرفانی مشرب میں اقبال کا مشرب ایک علمی مشرب ھے اور وہ اپنے قدیم مرشد رومی کی طرح ,, لا رهبانیت فی الاسلام،، کے مطابق گوشہ گیری سے نفرت کا اظہار کرتا ھے۔ اور ایسے لوگوں کی تنقید کرتا ھے جو فقر کے نام سے ترک دنیا،، کے عقیدے کو اسلام میں داخل کرنا چاهتے هیں اس زمانے کے رومی کے اشعار مسلمانوں کو جھوٹ موٹ کے فقر اور تصوف سے خبردار کرتے هیں اور انکو اسلام کے اعتلا کے لئے علمی جدو جهد کی دعوت دیتے هیں۔

اقبال اندیشه خود را در چهار دیوار هند محصور ننموده بلکه در عالم تخیل یک حیطه جغرافیائی بشکل مثلث ترسیم نموده که لاهور مسعود سعد سلمان و شیراز و حافظ و تبریز صائب زوایای سه گانه و بلخ مولانا قلب آن را تشکیل میداد ولی مکاشفات (رومی عصر) از تخیلات سیاسی و ادبی او مهمتراند.

اقبال در مشرب عرفان نیز دارای روش علمی است و مانند سلف مقتدای خود مولانا بمصداق لارهبانیت فی الاسلام از افراط در گوشه گیری ابراز تنفر مینماید و آنهائی را که بعنوان فقر یک نحوه تاریک دنیا در اسلام بوجود آوردند مورد انتقاد قرار میدهد اشعار رومی عصر مسلمانان را از فقر دروغی و تصوف کاذب بر حذر داشته و آنها را بمبارزه علمی برای اعتلای اسلام دعوت نموده است.

اقتباس از منظومه ڈاکٹر رضا زاده شفق

(دکتر رضا زاده شفق ایران کے مشہور علما اور فضلا میں سے ہیں اور آپکی تصنیفات کو بین المللی شہرت حاصل ہے۔)

اقبال

اوستاد سخنوران جهان — شاعر فیلسوف پاکستان
که نموده است در عبارت شعر — نغز اندیشه های خویش بیان
رمز حکمت ز قول او ظاهر — سر وحدت ز شعر اوست عیان
مشرب اهل حق مشرب او — مذهب اوست مذهب عرفان

اقتباس از اشعار حسین عشقی پور

اقبال

او مسیحائی فعل بود و کمال — شعر را زنده کرد میدانی؟
با تعب کسب علم کردوادب — تا که شد هم چو رومی ثانی
جمله آثار آن حکیم بزرگ — روشنی بخش فکر انسانی
نام نیکوش جاودان ماند — هم چو خورشید و ماه نورانی
آخر زندگانی ار مرگ است — شاعر از مرگ که شود فانی
واقعا آسمان پاکستان — پرورانید شمس تابانی
که فروزنده نور او دائم — نور تقوی و فضل رحمانی
یاد آن تربیت تو ای اقبال — مهبط نور پاک سبحانی

انتخاب از قصیده امیر فیروز کوهی

(امیر فیروز کوهی کا شمار زمانہ حاضر کے استاد شعرا میں ہے اور سبک ہندی میں سخنسرائی کرنے والوں میں آپ کا مرتبہ سب معاصر شعرا سے بلند مانا جاتا ہے۔)

جمال دوست پاکان ز پرده چون بدر آمد
زدیم فالی و اقبال بی زوال بر آمد
بجز خدای کسی اقبال بی زوال ندارد
که آنهم از در پاکان روزگار در آمد
ظفر مصاحب اقبال یارو بخت مساعد
ببین که بر اثر صبر نوبت ظفر آمد
"وفی الصباح سری القوم یحمد" ار بشنیدی
درست بود چوشب رفت و صبح جلوه گر آمد
مضی الحیوة و ما اقبل الحبیب علینا
خبر نیآمد از آن یار و مرگ بی خبر آمد
اری اجود بنفسی و ما یجود بوصل
نوید وصل نیامد مرا و عمر سر آمد
"امیر" دامن اقبال را ز کف مگذاری
که هر که حاجت ازآن نورپاک خواست برآمد

از آقای بلاغی

بیاد اقبال شاعر پاکستانی

دوش بر یادت نگارا گریه‌ای مستانه کردم
رخنه در بنیاد عقل مردم فرزانه کردم
تا سحر گردیده‌را از خون دل کردم لبالب
هرچه می بودم بساغرجمله درپیمانه کردم
عقل رابیرون فرستادم ز شهرستان هستی
عالم دیوانگی را فارغ از بیگانه کردم
تا نباشد آه را هم راه در خرگاه جانان
بر کشیدم از دل و آواره اش زینخانه کردم
نیمشب چون زلف شبرنگش بچشمم جلوه گرشد
شستمش با اشک وبا مژگان خونین شانه کردم
در خیال شوکت اسلام با اقبال دوشین
گردشی از اندلس بگرفته تا فرغانه کردم
شمه از فتنه‌ٔ کشمیر با آن میر گفتم
شاعر فرزانه را از سوز دل دیوانه کردم

آقای صارمی

بر مزار علامه اقبال لاهوری

بر خیز از خواب گران ای جان من قربان تو
بنگر که مشتاق آمدم در خاک پاکستان تو
ای مظهر صاحب دلی دست من و دامان تو
بر خیز در ایوان نگر مهمان از ایران آمده

بر خیز از خواب گران اینجا نباشد جای تو
بر خیز و پیش آ تا نهم بر روی چشمم پای‌تو
بر دیده بنشانم ترا در دل دهم ماوای تو
افتادهٔ راهت به بین افتان و خیزان آمده

بر خیز از خواب گران اقبال من اقبال من
ای دختر اندیشه ات معشوق ماه و سال من
بردار سر بشنو سخن ای کعبه آمال سخن
در پیشگاه دانشت طبعم غزلخوان آمده

طی کرده ام پیموده ام پر پیچ راه دور تو
منزل بمنزل آمدم تا شهر و تا لاهور تو
اکنون تو و مفتون خود اینک من و دستور تو
آزاده ای دلداده ای در بند فرمان‌آمده

ای آفتاب معرفت ای نکته پرداز سخن

دارد مقام و رتبتی شعرت در ایران کهن
درس وفاداری دهد پندت بصدها همچو من
گر سبک شعرت هندی و ور از خراسان آمده

مرغ خوش‌الحان سخن درصحن این بستان توئی
سنگ برای شعر ما در هند و پاکستان توئی
با ما به شعر و شاعری هم عهد و هم پیمان توئی
گر چه امیر دهلوی با سعد سلمان آمده

در آسمان شعر ما رخشان چون تابان اختری
در سینهٔ ما باز شد هر روز از عشقت دری
ای خاک پاکستان بدان قدر چنین دانشوری
دانشوری کاندر جهان ذیقدر و ذیشان آمده

* * *
* *
*

از آقای ابراهیم صفائی

۱۹۵۳ میں روز اقبال کے موقع پر آقای صفائی نے مندرجہ ذیل قطعہ پڑھا:

روز اقبال همه اهل ادب را عید است
نام اقبال بتاریخ ادب جاوید است

یوم اقبال تمام ادبا کے لئے عید کا دن ہے
اقبال کا نام ادبیات کی تاریخ میں جاویدان ہے

آسمانی است جهان هنر و فضل و ادب
که در آن مرد هنرمند مه خورشید است

هنر اور فضل و ادب کی دنیا ایک آسمان سے مشابہ ہے
اور اس آسمان پر مرد هنر مند ماہ و خورشید کے مانند ہے

نظم اقبال از آن شهرت روز افزون یافت
که همه بکر و بدیع و بری از تقلید است

اقبال کے اشعار کی روز افزون شہرت کی وجہ یہ ہے
کہ اس کا تمام کلام تبع زاد، جدید اور تقلید سے بری ہے

شعر اقبال بترویج زبان ایران
خدمتی کرده که شائسته صد تمجید است

اقبال کے اشعار نے ایران کی زبان کو رواج دینے میں جو خدمت کی ہے
وہ تعریف کے لائق ہے

چه در ایران چه افغان و چه در پاکستان
روز اقبال همه اهل ادب را عیداست

ایران میں هو یا افغانستان یا پاکستان میں
یوم اقبال تمام اهل ادب کے لئے عید کا دن ہے

آقای عباس فرات

یوم اقبال (۱۹۵۴) کے موقع پر ایران کے مشہور کہنہ مشق شاعر آقای عباس فرات نے ذیل کا قطعہ پیش کیا۔

هست نوروز اهل شعر ادب
روز دکتر محمد اقبال

شعرا اور ادبا کے لئے یوم اقبال
عید نو روز ہے

چون بدو سر فراز شد دانش
چون بدو زنده گشت فضل و کمال

چونکہ اس کے وجود سے دانش کا مرتبہ بلند ہوا۔
اور فضل و کمال اسکے دم سے زندہ ہوئے

جانب آسمان عز و شرف
میزند مرغ روح او پر و بال

اسکی روح کا پرندہ عز و شرف کے آسمان
کی طرف پرواز کر رہا ہے

گشته زین روز خوش پیاله ما
از شراب سرور مالا مال

اس مبارک دن ہمارا پیالہ
شراب سرور سے لبریز ہو گیا ہے

روز او هم چو مهر دوست فرات
میشود دلفروز تر هر سال

یوم اقبال محبوب کی محبت
کی مانند سال بسال زیادہ دلفروز ہوتا جاتا ہے۔

از نامه استاد سعید نفیسی

استاد سعید نفیسی کے متعدد مقالات سے متن کتاب میں اقتباسات پیش کئے جا چکے ہیں ۔ ذیل کا اقتباس انکے ایک خط سے نقل کیا جاتا ہے . یہ خط انہوں نے حال ہی میں آقای محمد ایوب کے نام لکھا ہے اور اسمیں انکے فارسی دیوان ،، نوای فردا،، کے متعلق اظہار نظر فرمایا ہے۔

فارسی زبان کے شعرا ایسے حاذق اطبا کے لئے جو مردوں کو زندہ کر سکتے ہوں ہمیشہ سے ،، مسیحا نفس ،، مسیحا دم و عیسی نفس وغیرہ کی اصطلاحات استعمال کرتے رہے ہیں۔ ہمارے زمانے میں اس قسم کے الفاظ کا حکیم عالی مقام علامہ محمد اقبال کے حق میں استعمال کرنا زیادہ مناسب ہوگا کیونکہ اس نے زبان فارسی اور ادب فارسی کو جو بر صغیر ہند و پاکستان میں ایک سو سال سے بھی زیادہ عرصے سے مردہ ہو چکی تھی اپنے مسیحائی دم سے زندہ کیا اور اسکو ایسی زندگی عطا کی کہ یہ زبان اپنی ،، موت،، سے قبل کے زمانے سے بھی زیادہ طاقتور اور قوی تر ہو گئی۔

سخن سرایان فارسی زبان تعبیراتی چند مانند ،، مسیحا نفس،، و مسیحا دم و عیسی نفس و نظائر آنرا همواره دربارۀ پزشکان حاذق که مرده را زنده میکنند بکار برده اند، در زمان ما اینگونه تعبیرات دربارۀ علامه محمد اقبال سراینده و حکیم بزرگ مناسب ترست زیرا که وی ادب فارسی و زبان فارسی را که در شعبه قارۀ هند و پاکستان بیش از صد سال مرده بود بدم مسیحائی خود زنده کرد و چنان زندگی بخشید که از دوران پیش از مرگ هم نیروسند تر و برومند تر شد . این کار را که زنده کردن آداب و سنن مرده باشد کمتر کسی توانسته است در جهان بکند و می توان بحق این را از معجزات اقبال دانست.

اس جہاں میں نہایت ھی کم ایسے اشخاص ہوئے ہیں جنھوں نے مردہ آداب اُردو سنن کو زندہ کیا ہو اسلئے ہم نہایت انصاف سے اس بات کو اقبال کا معجزہ شمار کر سکتے ہیں۔

اقبال محض پاکستان کی بنیاد رکھنے والوں میں سے ھی نہیں بلکہ اسکے علاوہ اسکو ملل اسلامی کی جدید ادبیات کا (مخصوصاً فارسی زبانوں کے لئے) موسس گردانتا چاھئے۔ اسکا یہ اعجاز کہ اس نے مشرق کے رھنے والوں کو کئی سو سال کی نیند سے بیدار کیا اھل جہان کو حیرت میں ڈالے ہوئے ھے۔

اقبال کے مسیحائی اور جان افروز دم کا اثر ھے کہ آج ھند و پاکستان میں اور حتی ایران میں متعدد اور مقتدر مفکروں نے اسکے معجزہ آسا کلام کی پیروی شروع کر دی ھے اور اسکے عالی قدر اور قوت بخش افکار کی اپنے کلام میں تعبیر اور تفسیر کرنے لگے ہیں۔

اقبال نے مشرقی فلسفہ کی نئی بنیاد رکھی ھے اور اسکے پیروؤں اور مداحوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ھے۔

اقبال نہ تنہا یکی از بنیاد گذاران پاکستانست بلکہ مؤسس اساس جدیدی در ادبیات ملل اسلامی و مخصوصاً پارسی زبانان می تواند بشمار آید. اعجاز وی در این است کہ مردم خاور زمین را چنان از خواب گران چند صد سالہ بر انگیخت کہ مایۂ شگفتی جہانیان شد.

اثر مسیحائی دم جانبخش اقبال ہمین بس کہ امروز در ھند و پاکستان و حتی در ایران گروھی از متفکران برو مند دنبالۂ کار بزرگ معجزہ آسای وی را گرفتہ و اندیشۂ بزرگ و نیرومند وی را در سخن خود تعبیر و تفسیر میکنند. وی اساسی در فلسفۂ شرق نہادہ است کہ روز بروز بر پیروان و گروندگان آن می افزاید.

قطعه استاد سعید نفیسی که بر مزار اقبال
در سال ۱۹۵۶ سروده شد

بخاک پاک تو آمد غباری از ایران
کشای چشم و سر از خاک یکزمان بردار
ز خاک سعدی و فردوسی آمدم بر خیز،
پیام حافظ آورده ام بشو بیدار
بدست من گلی از بوستان مولاناست
بپای خیز که تا بر سرت کنیم نثار
هزار بار مرا آرزوی دیدن بود
چه میشود که ببینم جمال تو یکبار
بجان و دل تو نفیسی ببوس خاک درش
که بود امید فراوان و آرزو بسیار

اپریل ۱۹۵۶

